رضوان اللہ اجمعین

خلفائے راشدین

حسنِ کردار و عمل

الشیخ خالد البیطار

مترجم: مولانا سعید الرحمٰن علوی

Marfat.com

Marfat.com

خلفائے راشدین

حسن ٥ کردار و عمل

الشیخ خالد البیطار

مترجم

مولانا سعید الرحمٰن علوی

مکتبۂ جمالؒ
تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار لاہور
Cell: 0300-8834610/ Ph: 042-37232731
mjamal09@gmail.com

Marfat.com

۳۹۷،۹۹۴۲
۱۹ خ ح

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

۹۵۶۳۱
۲/ر

نام کتاب: .... خلفائے راشدین (حسن کردار وعمل)

مصنف : .... الشیخ خالد البیطار

مترجم : .... مترجم مولانا سعید الرحمٰن علوی

اہتمام : .... میاں غلام مرتضےٰ کھٹانہ

ناشر: .... مکتبہ جمال o لاہور

مطبع: .... تایا سنز پرنٹرز o لاہور

اشاعت : 2011ء

قیمت: .... 350 روپے

ملنے کا پتہ:

مکتبۂ جمال
تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
Cell: 0300-8834610/ Ph: 042-37232731
maktabajamal@yahoo.com.pk
mjamal09@gmail.com

Marfat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ	9
حرفے چند	11
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	
خلیفہ اول، پہلا مسلمان، یار غار	30
ابتدائیہ	30
الصدیق!	31
قبول اسلام	33
ہاتھ بڑھائیں کہ میں بیعت اسلام کروں	33
رسول اکرمؐ سے ابوبکرؓ کی محبت	34
دعوت دین کی راہ اور ابوبکرؓ کا مالی ایثار	38
جناب ابوبکرؓ کی صفات	40
سیدنا ابوبکرؓ کی شجاعت و ثابت قدمی	43
پہلا موقعہ اعلان اسلام	44
دوسرا موقعہ دو مرحلہ اپنے احباب کو دعوت اسلام	46
تیسرا موقعہ رسول اکرمؐ کا دفاع	48
چوتھا موقعہ ہجرت	49
پانچواں مرحلہ رسول اکرمؐ کے ساتھ جنگوں میں شرکت	50
چھٹا مرحلہ: وفات رسولؐ کا موقعہ	53
اطاعت رسولؐ اور آپ کے ارشادات کی تکمیل	55
صلح حدیبیہ عمرؓ اپنے دائرہ میں رہو	56
جیش اسامہؓ کی روانگی تم چاہتے ہو میں اسے معزول کردوں	60
مرتدین سے لڑائیاں میرے جیتے جی دین میں کمی ہو	64
سیدہ فاطمہؓ اور وراثت نبویؐ	67
قرآن عزیز کو جمع کرنا میں یہ کام کیسے کروں	69
ابوبکرؓ خلیفہ ہوتے ہیں	70
امیر یا مامور؟	71
نبی کرمؐ کے مصلی پر ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی دوسرا کھڑا ہو اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں	72
ہاتھ بڑھائیں کہ میں بیعت کرلوں	74

Marfat.com

میں تم سے اچھا نہیں ہوں 75

ابوبکرؓ کا دور خلافت اور فتوحات 76

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ 77

مرتدین اور جھوٹ مدعیان نبوت کے خلاف لشکر کشی 78

عرق کی طرف 80

شام کی طرف 81

وصیت صدیقی 83

میں نے اپنے کسی عزیز و والئ حکومت مقرر نہیں کیا! 83

چند سطور 84

مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ 85

سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ 86

تمہید 86

شخصی تذکرہ 87

کردار و عمل کی چند جھلکیاں 87

عزۃ الاسلام 98

ہجرت کے دوران شاہت الوجوہ 95

مدینہ منورہ 96

بدر کے قیدی 98

صلح حدیبیہ میں 101

فتح مکہ 104

مَھْلًا یاعباس

مع المنافقین دعنی اضرب عنقہٗ!

اَنَّ الرَّجُلَ قَدْ نَافَقَ!

عَلٰی عدو اللّٰہ تصلّی!

خصوصیات فاروقی 112

شدت فی الحق 113

ھَیْبَتُہٗ قُوْمَا فَاغْسِلَا وُجُوْھَکُمَا

تواضعہ لوغیرک یقولھا

فھمہ الدقیق ما حملک علی ھذا؟!

قرآن حضرت عمرؓ کی موافقت میں 124

خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی وزارت میں 126

الاستشارہ! 127

جمع القرآن 130

سیدنا عمر الفاروقؓ منصب خلافت پر 131

البیعۃ و التخوف! 132

Marfat.com

اعلان الخطبہ...... وَالمِئنان 134
لاتُمتْ عَلَینَا دَیننا 139
یااسلم اِنَّ الجُوعَ ابکاھم 140
ام سلیل احقّ بہ! 148
حکومتی ڈھانچہ 150
الاساس
اشیروا علیٰ بمن ابدأ 152
ویحک لاتعجلیہ! 155
مزیدان کے اعمال اور ضوابط 157
دورفاروقی کی فتوحات 158
عراق کی فتح 158
شام کی فتح 164
فتح بیت المقدس 165
فتح مصر 167
سیدنا الفاروقؓ سفر آخرت پر زخمی ہوتے ہیں 168
فھو الخلیفۃ! 172
چند سطریں 175
حضرت عثمان غنیؓ 180
خاندانی وشخصی تعارف 180
اموی قریشی 180

سیدنا عثمانؓ اسلام کی آغوش میں 181
عثمانؓ مہاجر فی سبیل اللہ 183
جنت کی خوشخبری 184
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ 186
میدان جہاد میں رسول معصوم کی رفاقت 186
غزوہ بدر الکبریٰ 186
احد وحنین کے معرکے اور سیدنا عثمانؓ 188
رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ
سیدنا عثمانؓ کا ہاتھ 190
مدینہ منورہ کا دور راہ حق میں مالی ایثار
صفت حیا اور ذوق عبادت 192
اب عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی بات نہیں
نقصان نہ پہنچائے گی 192
عثمانؓ کے لیے جنتی کنواں 193
اجر تو تمہارے ہی لیے ہے 194
شرم وحیا کا پتلا 195
کیا تمہارے پاس اس سے بڑھ کر نفع ہے 197
ایک رکعت کی کمائی 199
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ
وامیر المومنین کے طور پر 200

Marfat.com

میں تم سے اچھا نہیں ہوں	75	بدر کے قیدی	98
ابوبکرؓ کا دور خلافت اور فتوحات	76	صلح حدیبیہ میں	101
جیش اسامہ رضی اللہ عنہ	77	فتح مکہ	104
مرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوت		مَهْلًا یاعباس	—
کے خلاف لشکرکشی	78	مع المنافقين دعني اضرب عنقهٗ!	
عرق کی طرف	80	اَنَّ الرَّجُلَ قَدْ نَافَقَ!	
شام کی طرف	81	عَلٰى عدو الله تصلّى!	
وصیت صدیقی	83	خصوصیات فاروقی	112
میں نے اپنے کسی عزیز و والئ		شدت فی الحق	113
حکومت مقرر نہیں کیا!	83	هَيْبَتُهٗ قُوْمَا فَاغْسِلَا وُجُوهَكُمَا	
چند سطور	84	تواضعه لوغيرک يقولها	
مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ	85	فهمه الدقیق ما حملک علی هذا؟	
سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ	86	قرآن حضرت عمرؓ کی موافقت میں	124
تمہید	86	خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ	
شخصی تذکرہ	87	کی وزارت میں	126
کردار و عمل کی چند جھلکیاں	87	الاستشارہ!	127
عزۃ الاسلام	98	جمع القرآن	130
ہجرت کے دوران شاہت الوجوہ	95	سیدنا عمر الفاروقؓ منصب خلافت پر	131
مدینہ منورہ	96	البیعۃ و التخوف!	132

Marfat.com

اعلان الخطه...... وَالْمِئنان 134

لاتُمتُ عَلَینا دَیننا 139

یااسلم اِنَّ الْجُوعَ ابکاھم 140

ام سلیل احق بہ! 148

حکومتی ڈھانچہ 150

الاساس

اشیروا علیٰ بمن ابدأ 152

ویحک لاتعجلیه! 155

مزیدان کے اعمال اور ضوابط 157

دور فاروقی کی فتوحات 158

عراق کی فتح 158

شام کی فتح 164

فتح بیت المقدس 165

فتح مصر 167

سیدنا الفاروقؓ سفر آخرت پر زخمی ہوتے ہیں 168

فھو الخلیفة! 172

چند سطریں 175

حضرت عثمان غنیؓ 180

خاندانی وشخصی تعارف 180

اموی قریشی 180

سیدنا عثمانؓ اسلام کی آغوش میں 181

عثمانؓ مہاجر فی سبیل اللہ 183

جنت کی خوشخبری 184

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ 186

میدان جہاد میں رسول معصوم کی رفاقت 186

غزوہ بدرالکبریٰ 186

احد وحنین کے معرکے اور سیدنا عثمانؓ 188

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ سیدنا عثمانؓ کا ہاتھ 190

مدینہ منورہ کا دور راہ حق میں مالی ایثار

صفت حیا اور ذوق عبادت 192

اب عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی بات نہیں نقصان نہ پہنچائے گی 192

عثمانؓ کے لیے جنتی کنواں 193

اجر تو تمہارے ہی لیے ہے 194

شرم وحیا کا پتلا 195

کیا تمہارے پاس اس سے بڑھ کر نفع ہے 197

ایک رکعت کی کمائی 199

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ وامیر المومنین کے طور پر 200

Marfat.com

جناب ابوبکرؓ وعمرؓ کے راز دار و مشیر	200
سیدنا عمرؓ صحابہ سے راضی ہو گئے	202
خلافت کی ابتداء	207
گورنروں کے نام	213
اس امت کو بچائیں	215
دور عثما کی فتوحات	218
جوانوں کی سی ہمت	218
جیش عراق	220
جیش شام	223
بحری لڑائی	224
جیش مصر	227
الفتنہ	229
ابتداء ہوتی ہے	230
پہلا سبب	230
دوسرا سبب	230
تیسرا سبب	231
چوتھا سبب	231
پانچواں سبب	232
چھٹا سبب	232
ساتواں سبب	232
آٹھواں سبب	233
نواں سبب	233
فتنہ پروروں کی سرگرمیاں	234
الزامات	240
منحوس خبر	247
الاول	249
دوسرا احتمال	249
جنتی مہمان	250
اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب رحمتیں	
عثمان رضی اللہ عنہ پر	254
حیات مبارکہ چند سطروں میں	255
سیدنا علی رضی اللہ عنہ	258
اقوال زریں	258
تمہید!	259
سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی	261
رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی	261
مسلمان بچہ	263
فداکار نوجوان	265
سیدنا علی رضی اللہ عنہ مدنی زندگی	268
رسول مکرمؐ سے ملاقات	268

Marfat.com

مواخات و بھائی چارگی	270
علیؓ......رسول اکرمؐ کے داماد	272
سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیرت و کردار اور علمی مقام	274
کردار و سیرت مختصر خاکہ	274
قوت و شجاعت	276
سیدنا علیؓ ورع و زہد کے حوالہ سے!	278
سیدنا علیؓ علم و فقہ کے میدان میں	280
علیؓ کے لیے جنت کی بشارت	284
سیدنا علیؓ معرکہ ہائے جہاد	285
دور رسالت	285
علی رضی اللہ عنہ اٹھو	286
میں ''ابوالقصم'' ہوں	287
نیچے اترو	289
کل کو جھنڈا میں اسے دوں گا	290
غزوہ تبوک: مدینہ میں رہ کر میری نیابت کرو!	292
علیؓ ذرا سعد کو روکو!	294
سیدنا علیؓ خلفاء سابقین کے دور میں	296
سانحہ ارتحال نبویؐ کے وقت	296
شیخین: سیدنا صدیقؓ و فاروقؓ کا دور	296
دور عثمانیؓ	299
سیدنا علیؓ دور خلافت	302
سیدنا علیؓ بیعت کا مرحلہ	302
مصائب و آلام	304
گورنروں کی تبدیلی	307
فتنہ	309
پہلی بات	309
دوسری بات	310
تیسری بات	310
حضرت علیؓ متحرک ہوتے ہیں	310
سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی مہم	310
واقعہ جمل	314
صفین کا معرکہ	320
حکم حضرات کا اجتماع	326
خوارج سے آمنا سامنا	331
نہروان کا معرکہ	333
آخری فتنہ	335
حیات مبارکہ ایک خلاصہ	337
سیدنا علیؓ کے نور نظر حسنؓ	339

Marfat.com

تمہید	339
سیدنا علیؓ کے گھر بہار آئی	340
سیدہ فاطمہؓ کی اولاد اور نبی مکرمؐ	342
سیدنا حسنؓ ایک سعادت مند فرزند اور مثالی انسان	344
سیدنا حسنؓ کارگاہ حیات	345
پہلا دور	345
دوسرا دور	346
تیسرا دور	347
چوتھا دور	348
پانچواں دور سیدنا حسن خلیفہ ہوتے ہیں	351
سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبرداری	353
صلح کی شرائط:	355
سیدنا حسنؓ سیدنا معاویہؓ کے دور میں	357
سیدنا حسنؓ آخری سفر پر	358
آغوش لحد	359
روح حسنیؓ کا پیغام	361
سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان الامویؓ	362
تمہید	362
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:	363
خاندان معاویہؓ	364
معاویہؓ کا اسلام	366
دربار رسالت میں	367
دور صدیقی	369
دور فاروقیؓ اور سیدنا معاویہؓ	371
دور عثمانیؓ اور سیدنا معاویہؓ	374
مدینہ قیصر اور ارشاد رسالت	375
سیدنا علیؓ کا دور خلافت	376
دور حسنیؓ	379
سیدنا معاویہؓ بطور خلیفہ	381
بحری مہمات	383
ولی عہدی کی بحث	387
سیدنا معاویہؓ آخرت کے سفر	392
حواشی	394

Marfat.com

پیش لفظ

تاریخ مسلمانوں کا ہمیشہ موضوع رہا ہے۔ مسلمان بحیثیت ملت تاریخ ساز ہے اور تاریخ نویس بھی۔ حقائق کی دنیا میں جیت ہمیشہ سچ کی رہی ہے لیکن اغیار کی فریب کاریوں نے مسلمانوں میں تفریق وانتشار کے بیج بوئے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ تاریخ ملت اسلامیہ کو مسخ کرنے میں ہمارے ہی لوگ آلہ کار بن گئے۔ ایک روشن اور انقلابی تاریخ کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کا دور اسلامی حکومت کے خدوخال کا واضح نمونہ ہے۔ انہوں نے اپنے سیاسی بصیرت اور غیر متزلزل استقلال سے ایک اسلامی حکومت قائم کی۔ یہ قدسی حضرات جذب مسلمانی اور عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے۔ قول وفعل صدق و صفا' اخلاق و وفا جیسی صفات سے متصف تھے۔ ان کے نادر یقین و اعتماد اس قدر تھا کہ انتہائی نامساعد حالات میں بھی ملت اسلامیہ کی راہنمائی کرتے رہے۔ یہی وہ مقدس حضرات ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطے بنے کہ دین آج ہم تک پہنچ پایا ہے۔ ''خیر البریہ'' اور ''خیر اہل الارض'' کا لقب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ایمان اور اپنے عمل سے پایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اصحاب رسول کی سیرت ہمیشہ زندہ رہے گی اور مسلمانوں میں حرارت ایمانی کا چراغ روشن رکھے گی۔

برا ہو فرقہ واریت کا کہ صحابہ کرامؓ کے مقام عالی کو پہچان نہ سکی۔ سیاسی اختلافات نے جب مسلک ومذہب کا روپ دھارا تو یہ حد سے بڑھ گئی اس نے صحابہ کرامؓ سے قلبی بغض وعناد کی آبیاری کی یوں تاریخ صحابہؓ متنازعہ بنا دی گئی۔ مصر کے فاضل علامہ محب الدین الخطیب نے صحیح لکھا ''اس امت پر تعجب ہے کہ یہ اپنے خاص اور نمایاں ترین اکابر کی برائی کرتی ہے۔ اپنی تاریخ کے حسن و جمال کو بدنما بناتی ہے اور اپنی بزرگی کو مٹاتی ہے۔ جیسا کہ ان میں سے اشرار کرتے ہیں پھر ان کا مکر وفریب یہاں تک پھیلتا ہے کہ اخیار بھی یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہی حق اور صحیح ہے۔''

ہر دور میں اور ہر علاقہ میں تاریک صحابہؓ موضوع رہی ہے اردو میں بھی کمی نہیں ہے عربی میں بھی کافی مواد موجود ہے۔ ۱۹۹۱ء میں محترم چوہدری ثناء اللہ بھٹہ مرحوم نے الشیخ خالد البیطار کی

Marfat.com

کتاب کا اردو ترجمہ برادر عزیز مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی مرحوم سے کرا کر شائع کیا۔ علمی حلقوں میں موضوع کے لحاظ سے ترجمہ کو بڑی پذیرائی ملی۔ کتاب کی افادیت اور تقاضا کے تحت دوبارہ اشاعت کا پروگرام بنایا گیا۔ محترم چوہدری ثناء اللہ بھٹہ نے اپنی علالت کے باعث اس کی اشاعت ثانی کی اجازت دی۔ کچھ میری مصروفیات اور کچھ اشاعت کے مراحل نے تاخیر کر دی۔ اب ''خلفائے راشدین' حسن کردار و عمل'' کا نقش ثانی پیش ہے۔ اس کی اشاعت میں جناب میاں مختار احمد کھٹانہ صاحب مکتبہ جمال لاہور کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے معیاری کمپوزنگ اور خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ شائع کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب الکریم مصنف اور مترجم کو رحمت و حسنات سے نوازے' کتاب کی اشاعت میں شریک تمام احباب کو اجر خیر عطا کرے اور ہمیں تاریخ صحابہؓ سے صحیح آگاہی دے تاکہ صحابہ کرامؓ سے ہمارا تعلق مزید گہرا ہو۔ آمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

(مولانا) حافظ محمد عزیز الرحمٰن خورشید

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

بھیرہ

Marfat.com

حرفِ چند

خلافت راشدہ سے متعلق ضروری گذارشات

محترم چودھری ثناء اللہ صاحب بھٹہ ایک ناشر و تاجر نصابی کتب کی حیثیت سے لاہور کی جانی پہچانی شخصیت ہیں، ایک طویل عرصہ سے وہ اس دشت کی سیاحی میں مصروف ہیں، انہوں نے جہاں ''نصابی کتب'' کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے وہاں دوسرے اصناف ادب کی نشر و اشاعت میں بھی بڑی معقول اور مؤثر خدمت سرانجام دی۔

سال گذشتہ وہ اپنے سفر حج کے دوران مکہ کی مارکیٹ سے بعض اچھی کتابیں خرید کر لائے اور واپس آ کر جماعتی تعلق کے حوالہ سے مجھ سے ان کے ترجمہ کی فرمائش کی...... اس فرمائش میں حکم کی قوت تھی کہ وہ میرے والد گرامی حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد رمضان العلوی نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے قدیمی جماعتی دوست اور مخلص اہل تعلق ہیں، اس لحاظ سے ان کا حق تھا...... میں نے اپنی برخوردارانہ حیثیت سے ان کے حق کو پہچانا اور کام میں لگ گیا، جس کی پہلی کڑی ''اہل بیت'' کے عنوان سے چھپ کر مارکیٹ میں آ چکی ہے۔ جس کی ابتداء میں بندہ نے ایک تحریر سپرد قلم کی جس میں ''اہل بیت'' کے حوالہ سے گفتگو کی، اشاعت سے قبل وہ گفتگو میں نے بعض بزرگوں اور اہل علم کو دکھلائی۔ جنہوں نے اسے بہت پسند فرمایا۔

❋❋❋

مجھے اس بات کا نہایت ہی افسوس ہے کہ اہل بیت کی اشاعت سے قبل میرے والد گرامی، میرے محسن، میرے مربی، میرے شیخ اور فی الحقیقت میرے یار مہربان ۱۸ جنوری ۱۹۹۰ء رات ۲ بجے ایک سڑک کے حادثہ کے سبب اس دنیا سے اچانک رخصت ہو گئے...... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ ۱۶ جنوری شام مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں ایک دوسرے عالم دین کے پاس مشورہ کے لیے جاتے ہوئے مری روڈ راولپنڈی پر سڑک کے حادثہ میں زخمی ہوئے وہ رات اور ۱۷ جنوری کا

Marfat.com

سارا دن بکمال درجہ صبر و ہمت اپنے زخموں کو برداشت کر کے ہنسی خوشی وقت گذارا بلکہ یہ سلسلہ رات گئے بھی رہا لیکن رات ۱۱ بجے وقت اور قبلہ کا رخ معلوم کر کے جو خاموش ہوئے تو پھر ۲ بجے وہ خاموشی دائمی ہوگئی اور یوں زندگی کی ستر ۷۰ بہاریں دیکھ کر شہادت کی موت سے سرفراز ہو کر ہم وابستگان کو داغ مفارقت دے گئے۔

کراچی کے ایک مخلص و مہربان اور خدا ترس عالم کے بقول صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مقدس معاشرہ کی جھلک اللہ تعالیٰ نے آنے والی نسلوں کو دکھانے کے لیے ہر صدی اور قرن میں بعض لوگ دنیا میں بھیجے۔ انہی میں ان کے بقول والد گرامی بھی تھے بیٹا ہونے کے ناطہ سے شاید میری بات مبالغہ آرائی پر محمول ہو لیکن میں اپنے رب کو حاضر و ناظر جان کر یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ وہ واقعی ایسے ہی تھے، مضبوط اور گہرے علم کے حامل، حفظِ قرآن کی نعمت سے مالا مال، عمل صالح کا مرقع، اخلاق فاضلہ کی چلتی پھرتی تصویر اور ایک معاصر کے بقول ''سراپا اخلاص''......وہ میری اس کاوش کو دیکھتے تو کس قدر خوش ہوتے...... مجھے یقین ہے کہ میری یہ ناچیز خدمت قبر میں بھی ان کی مسرتوں کا سبب بنے گی۔

***

اور اب اس سلسلہ کی دوسری کڑی ''حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حسن کردار و عمل'' پر عرب مؤلف جناب الشیخ البیطار کے رسائل کا ترجمہ پیش خدمت ہے جو ''نامور مسلم رہنما'' سلسلہ کے حوالہ سے اردن سے شائع ہوئے۔

ان کے ترجمہ کے سلسلہ میں چند گذارشات کو ابتداء ہی میں نظر میں رکھ لیں تو بہتر ہوگا۔

الف: یہ رسائل حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی مربوط اور باقاعدہ سوانح حیات پر مشتمل نہیں بلکہ فی الحقیقت ان بزرگوں کی خدمات جلیلہ اور اخلاق فاضلہ کی ایک جھلک ہے، اس لیے ہم نے اس کا نام خلفاء راشدین...... حسن کردار و عمل...... تجویز کیا، جو امید ہے کہ ارباب بصیرت پسند فرمائیں گے۔

ب: جناب مؤلف نے علمی ادبی اور کتابی زبان کے بجائے جدید ادبی اسلوب میں اپنے دیار کے نوجوانوں کے لیے یہ سلسلہ مرتب کیا ہے تاکہ آج کے افسانوی لٹریچر کا رسیا نوجوان دلچسپی سے اس سلسلہ کو پڑھ کر اس سے بہرہ مند ہو سکے......ہم نے ترجمہ میں وہی انداز اختیار کیا ہے۔

Marfat.com

ہلکے پھلکے اور شستہ انداز میں با محاورہ ترجمہ کرنے کی غرض یہی ہے کہ ان دیار کے عزیزان ملت کے لیے اس میں دلچسپی کا سامان ہو اور وہ خوشی خوشی اس سے استفادہ کر سکیں۔

ج: جناب مؤلف نے سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا فارروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کے حوالہ سے چار رسائل مرتب فرمائے...... خلافت راشدہ کے حوالہ سے اکثر حضرات کا قلم یہیں آ کر رک جاتا ہے اور دو بزرگ صحابی خلفاء سیدنا حسن بن علی الہاشمی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ اجمعین ابی سفیان الاموی رضی اللہ عنہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے لیکن تحقیق و دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ ان حضرات کی خلافت کو لازماً اس سلسلہ میں شامل رکھا جائے۔

ہمارے عمومی مزاج کی بے اعتدالی کا کرشمہ یہ ہے کہ نہیں مانتے تو حسن رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ...... سلام اللہ تعالیٰ علیہما ورضوانہ...... کو خلیفہ راشد نہیں مانتے اور ماننے پر آتے ہیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ الاموی کو بالعموم مان لیا جاتا ہے جب کہ اب حال ہی میں ہندوستان کے مشہور اہل قلم مولانا علی میاں نے اپنی تازہ تالیف ''المرتضیٰ'' میں اپنے کسی عرب دانشور کے حوالہ سے مرحوم اورنگ زیب عالمگیر کو چھٹا خلیفہ راشد مان لیا ہے...... اورنگ زیب مرحوم بلاشبہ قابل احترام حکمران تھے۔ اپنے دور کے حوالہ سے ان کی خدمات بہت زیادہ اور بہت اہم ہیں جب کہ اپنے والد کی قید اور اپنے بھائیوں کے قتل کا الزام بھی حکومت مصلحتوں کے تحت مرحوم کے سر ہے...... اگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ چھٹے خلیفہ راشد مولانا علی میاں جیسے صاحب صلاح وتقویٰ بزرگ کی نظر میں ہیں تو صحابیت کا شرف رکھنے والے بزرگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ کیوں خلیفہ راشد نہیں؟

اس لیے ہم نے دو بزرگ حضرات کا تذکرہ جناب البیطار کے ہی انداز میں اپنے طور پر سپرد قلم کر کے اس کتاب کا حصہ بنا دیا ہے۔ اس کے لیے مستند مآخذ کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور صرف انہی روایات پر اعتماد کیا ہے جو روایت و درایت کے اصولوں پر مستند شمار ہوتی ہیں۔

د: چونکہ ہم نے جناب مؤلف کے سلسلہ پر ''اضافہ ء خیر'' کی طرح ڈالی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس حوالہ سے ہم اپنے معزز قارئین کی علمی رہنمائی کا مشکل فریضہ بھی سرانجام دیں تا کہ ''خلافت راشدہ'' کی حقیقت دلائل کے ساتھ سامنے آ سکے اور ہم جیسے طالب علموں کا نقطہ واضح ہو

Marfat.com

سکے...... ''مسلم علم الکلام'' میں ''مقام صحابہ'' کی نزاکتوں سے آگاہ حضرات کے لیے یہ تحریر انشاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگی اور مخصوص عوامل کے تحت صدیوں کی تہہ بہ تہہ تاریکی چھٹ سکے گی...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو جادہ اعتدال کا راہی بنا کر اس دنیا میں اور آنے والی دنیا میں اپنے انعام یافتہ بندوں کا ساتھی بنائے اور عاقبت کو بہتری کا سامان میسر ہو سکے:

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

تو اب آئیں خلافت راشدہ اور خلفاء راشدین پر اس تحریر کا مطالعہ کریں جس کا درج بالا سطور میں وعدہ ہے ''خلافت'' کا مسئلہ اسلامی نقطہ نظر سے بہت ہی اہم ہے......ایک مسلم مفکر کے بقول:

اسلام کا قانون شرعی یہ ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ اور امام ہونا چاہیے خلیفہ سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان بادشاہ اور صاحب حکومت ومملکت ہے جو مسلمانوں اور ان کی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراو نفاذ کی پوری قدرت رکھتا ہو اور دشمنوں کے مقابلہ کے لیے پوری طرح طاقتور ہو۔'' (مسئلہ خلافت وجزیرۃ العرب ص ۲۶۵ مطبوعہ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۶۱ء)

قرآن مجید نے واضح لفظوں میں بتلایا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا انسان خلیفہ ہی بن کر آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش سے قبل اس کے متعلق جو اعلان فرمایا وہ یہی تھا کہ:

''میں اللہ تعالیٰ زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' (البقرہ:۳۰)

سیدنا داؤد علیہ السلام جیسے صاحب کتاب نبی کے لیے بھی قرآن عزیز نے ''خلافت سے سرفرازی'' کا ذکر کیا۔ (ص:۲۶)

اور سورۂ نور میں ایمان وعمل صالح کی شرط پر ''خلافت واستخلاف'' کا وعدہ ہے۔ (ص:۵۵)

اور خلافت مل جائے تو اس کے ثمرات اسی آیت میں یوں ارشاد فرمائے گئے:

پسندیدہ دین کا تمکن

خوف کی فضا ختم کر کے اس کی جگہ امن کی فضا کا قیام۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ وہ ہوگا۔ جس میں درج ذیل اوصاف ہوں:

☆ ایمان کی دولت لازوال اور عمل صالح کی نعمت بے کراں سے سرفراز ہو۔

Marfat.com

☆ تمکین فی الارض (زمین میں قوت وطاقت) اسے حاصل ہو۔

☆ اس کا دائرہ اقتدار خوف کے بجائے امن کا گہوارہ ہو۔

☆ اس کی حدود مملکت میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی ہو اور ہر قسم کے شرک کا قلع قمع ہو جائے۔

یاد رہے کہ یہ وعدہ اس وقت مسلمانوں سے کیا گیا جب وہ بظاہر کمزور تھے اور عام حالات میں اس قسم کی تبدیلی کا دور دور امکان نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا رہا اور دنیا نے جلد ہی اس پیشین گوئی اور وعدہ ربانی کی سچائی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی...... نبی محترم و معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ خادمان دین وملت سریر آرائے خلافت ہوئے۔ جنھوں نے معاشرے کا واقعی رنگ بدل دیا...... حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اجتماعی اور حکومتی ذمہ داریاں سنبھالنے والے ان ارباب وفا کے لیے ہی ارشاد فرمایا کہ:

''تم لوگوں پر میری سنت اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کا اتباع لازم ہے۔''

جس پس منظر میں یہ ارشاد نبوی سامنے آیا وہ بھی ذرا دیکھ لیں تا کہ آج کے فساد زدہ معاشرہ میں ہم اپنے حالات کا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کر سکیں۔

''سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی...... نماز کے بعد ہماری طرف توجہ فرمائی اور ایک نہایت مؤثر اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا...... اثر پذیری کا یہ حال تھا کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل دہل کر رہ گئے...... ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گویا الوداعی خطبہ ہے تو مستقبل کے لیے ہمیں وصیت ہی فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

☆ میں تمہیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

نظم جماعت اور اپنے حکمرانوں کی سمع و طاعت (ان کی بات سننا اور ماننا) کی ہدایت کرتا ہوں۔ قطعَ نظر اس کے کہ وہ کون ہوں؟ حتیٰ کہ کالا کلوٹا غلام بھی حکمران ہو تو بھی سمع و طاعت کا ہی وطیرہ اختیار کرنا اور اختلاف و انشقاق سے بچنا۔ کیونکہ میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہے گا اسے وقت گزرنے کے ساتھ

Marfat.com

ساتھ بہت ہی اختلافات دیکھنا پڑیں گے...... اختلافات کے حل کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ میری اور خلفاء راشدین ومہدیین کی سنت کولازم پکڑ لینا اور ان کی اتباع کرنا (تاکید کے نقطہ نظر سے اور اہمیت جتلانے کی غرض سے فرمایا کہ) میری اور خلفاء کی سنت وطریق پر جم جانا اور ان کو اس طرح مضبوطی سے پکڑ لینا جیسے داڑھوں سے کوئی چیز مضبوطی سے پکڑی جاتی ہے۔

اور یاد رکھنا، دین میں نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ دین میں اختراع وجدت پسندی بدعت ہے اور ہر بدعت نری گمراہی ہے۔

(مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بحوالہ ومشکوٰۃ ج ۱: ص ۵۸ حدیث ۱۶۵ نسخہ محققہ الشیخ الالبانی مطبوعہ بیروت ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء)

ائمہ حدیث نے اس ارشاد نبوی کو سند کے اعتبار سے بہت ہی صحیح قرار دیا اور روایت کے اعتبار سے بھی یہ وہ آبدار موتی ہے جس کی چمک آج بھی ہمارے اجڑے دلوں کو منور کرسکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم انتشار وافتراق کے ''کافرانہ طرز عمل[1]'' کو خیر باد کہہ کر باہمی اخوت واحترام کے جذبات سے سرشار ہو جائیں اور بات بات پر اپنی اپچ کو درمیان میں لائے بغیر اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور اس مقدس رسول کے مقدس خلفاء وعمائدین ملت اسلامیہ کے نقوش پا پر چل کھڑے ہوں، ایسے ہی ارشادات جن میں ''خلفاء راشدین'' کا تذکرہ ہے...... وہاں سے ''خلافت راشدہ'' کی اصطلاح سامنے آئی اور پھر اس پر بحث شروع ہوگئی کہ اس ضمن میں کن کن حضرات کو شامل کیا جاسکتا ہے؟

بہت سے حضرات رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وسلم کے بعد محض تیس سال کے عرصہ ''خلافتِ راشدہ'' مان کر یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ باب بند ہوگیا...... بعد میں مسلمانوں کا اجتماعی نظم رہا، خلفاء کے نام سے، ملوک کے نام سے اور مختلف حوالوں سے لیکن بہر حال ''خلافِ راشدہ'' کا چہرہ نظر نہیں آیا۔

ایسے حضرات جب یہ بات کہتے ہیں تو وہ مطلق یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کا آخری دین جو پوری دنیا کے لیے نازل ہوا اور قیامت تک محفوظ ومصوٗن رہے گا...... اور جس کے لیے پیغمبر خاتم و معصوم نے بے حد اذیتیں برداشت کیں، اپنے قابل قدر رفقاء کی جانی قربانی کا صدمہ برداشت کیا، وہ دین ایسا ہی تھا کہ بس تیس سال گزرنے پر اس کا تیا پانچہ ہوگیا اور اس کی روح سے پوری

Marfat.com

امت محروم ہوگئی...... حتیٰ کہ آپ کے تربیت یافتہ حضرات کے دور میں ہی روح اسلام فنا ہوگئی اور اس پر ادبار وتنزل کے بادل منڈلانے لگے......؟

کس قدر سادہ ہیں مسلمان کہ اپنے گھر اپنے ہی ہاتھوں پھونکنے کا تماشہ کرتے اور اپنے ملی دشمنوں کی خوشیوں کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ یہ تیس سالہ تصور ہمارے یہاں کیسے ابھرا؟ اس کے لیے ایک روایت کو بنیاد بنایا جاتا ہے جو ''صحاح ستہ'' میں شامل ایک اہم کتاب ''ترمذی'' میں بایں الفاظ موجود ہے:

> ''حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے اس روایت کا مفہوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی، اس کے بعد ملوکیت ہوجائے گی۔'' سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد کے بقول، اس روایت کی بنا پر سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہا نے مجھے فرمایا کہ تم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کا حساب کرلو، ہم نے حساب کیا تو تیس سال بنتے تھے...... (سعید سفینہ کا شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ بنوامیہ کا خیال ہے کہ ان میں بھی خلافت ہے؟
> تو سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں وہ حقیقت میں بڑے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔'' (ترمذی جلد ۴ ص ۴۳۶ تحقیق کمال الدین یوسف مطبوعہ بیروت ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۷ء)

اس حدیث پر گفتگو سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ حضرات محدثین جنہوں نے ارشادات رسالت کو جمع کرنے میں زندگیاں کھپائیں وہ اس امت کے محسن ہیں اور امت صبح قیامت تک ان کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہوسکتی لیکن وہ بہرحال معصوم نہ تھے۔ بشری تقاضوں کے سبب اونچ نیچ کا امکان ہر جگہ ہے اور ضروری نہیں کہ جو انہوں نے اپنی کتابوں میں درج کیا وہ بعینہ صحیح ہو، جن کتابوں کو صحیح کہا جاتا ہے ان میں سے ''بخاری'' کو سب سے زیادہ صحیح سمجھا جاتا ہے جب کہ حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی جیسے حضرات کے نزدیک ''موطا امام مالک'' صحیح ترین کتاب ہے باقی سب کا نمبر اس کے بعد ہے لیکن ''موطا'' باقی چھ صحیح کتابوں کا نہ یہ معنی ہے کہ ان کی ہر ہر روایت صحیح ہے اور نہ یہ معنی کہ ان کے علاوہ اور کوئی کتاب صحیح نہیں یا کسی

Marfat.com

کتاب میں صحیح روایات نہیں......جن کتابوں کو"صحیح" کہا جاتا ہے ان کا مفہوم بھی یہ ہے کہ ان میں غالب حصہ صحیح ہے، کئی سو یا ہزار روایات کے مجموعہ میں چند روایات کا اس معیار پر پورا اترنا ان کتابوں کی صحت کو متاثر نہیں کرتا، خود بخاری میں ایسی روایات ہیں جو محل نظر ہیں مثلاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے منسوب تین جھوٹ والی حدیث......کہ ایک مخلص مسلم مفکر کے بقول:

"سیدنا ابراہیم خلیل اللہ جیسے معصوم نبی کو کذب کی تہمت سے بچانا حضرت الامام بخاریؒ جیسے غیر معصوم امام حدیث کی عظمت سے بہر حال بالا ہے...... پیغمبر کی طرف جھوٹ کی نسبت سے ان کی عصمت داغدار ہوگی جو قرآن و سنت کی رو سے نبی کے لیے لازم ہے، امام بخاری کی جمع کردہ چھ ہزار احادیث میں سے چند ایک درج کتاب ہوگئیں تو تقاضائے بشریت سے ممکن ہے کہ وہ معصوم نہیں۔"

اسی طرح ان چھ کتب صحاح کے علاوہ بھی متعدد حدیثی مجموعے ہیں، جن میں صحیح روایات بکثرت موجود ہیں اور حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کے تحفظ کا اس قدر اہتمام کیا کہ انہوں نے موضوع روایات کے مجموعے بھی مرتب کر ڈالے تاکہ لوگ محتاط رہیں اور اپنی کتابوں میں درج کردہ روایات کے لیے بھی درجات متعین کر دیئے کہ ان کی فنی حیثیت کیا ہے۔[۲]

بطور خاص حضرت الامام ترمذیؒ نے تو اس کا بے حد اہتمام کیا......اسی روایت کے نقل کے بعد ایک تو وہ خود فرماتے ہیں:

"کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بقول خلافت کے معاملہ میں اس حوالہ سے (مدت کے لحاظ سے) کوئی بات منقول نہیں۔" (حوالہ بالا)

اور دوسری بات یہ فرماتے ہیں:

"کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے جناب سعید بن جمہان ہی ایسے بزرگ ہیں۔ جن سے یہ روایت منقول ہے......اور کسی سے منقول نہیں جو دلیل ہے اس بات کی کہ معاملہ گڑبڑ ہے کہ اتنی اہم بات آخر ایک ہی بزرگ سے کیوں؟ (حوالہ بالا)

Marfat.com

درایت کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو کیا پیغمبر معصوم ایسی بات فرما سکتے تھے، جس کا مفہوم یہ ہو کہ میری سالوں کی عظیم الشان محنت میرے بعد بس تیس سال اپنا رنگ دکھلائے گی، پھر سارا معاملہ چوپٹ ہو جائے گا؟

اور خود حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا جیسے جلیل المرتبت صحابی ''بنوامیہ'' کو مطلقاً جھوٹا کہہ سکتے تھے......؟ ...... جب کہ وہ جانتے تھے کہ بنوامیہ میں جلیل القدر صحابہ موجود ہیں، جن کی تعداد ان گنت ہے اور جن میں سے بہت سے حضرات سے رسول محترم کی رشتہ داریاں ہیں...... نبی معصوم نے وحی کی کتابت، بتوں کے استیصال، جنگی مہمات اور مختلف اجتماعی ذمہ داریوں میں ان پر اعتماد کیا ایسا تو نہیں چونکہ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں...... ان کے بیٹے جناب یزید کے ہاتھ پر بھی بیعت کی...... دیکھیں ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ...... شخصیت و کردار۔ (ج ۲: ص ۲۵۶ مطبوعہ ملتان ۱۴۰۷ھ)

اس لیے یاروں نے انہی کو ملوث کر ڈالا اور انہی کی زبان سے بنوامیہ کو ''شرملوک'' (برے حکمران) کہلوا ڈالا:

چہ دلا دراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

ویسے اس روایت کے غیر صحیح ہونے پر محدث کبیر قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تصریح موجود ہے۔ (العواصم من القواصم ص ۲۰۱ مطبوعہ لاہور سہیل اکیڈمی ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء)

اور نامور مصری فاضل علامہ محب الدین الخطیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے متعلق لکھا ''اس روایت کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے بعض حضرات ان کی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں''...... جب کہ شیخ ابوحاتمؒ کے بقول ان کی روایت حجت نہیں کہ ان کی سند میں ایک راوی حشرج بن بناتہ الواسطی ہیں...... جنہیں امام نسائی نے غیر قوی قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل اس روایت کو سوید الطحان سے روایت کرتے ہیں جو حدیث میں حد درجہ کمزور ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ حدیث اس صحیح، صریح اور فصیح حدیث کے خلاف ہے جو حضرت امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''کتاب الامارۃ'' میں نقل کی، جس کے راوی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہیں...... وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے سنا کہ آپ نے فرمایا:

Marfat.com

"یہ معاملہ انجام پذیر نہ ہوگا جب تک اس میں بارہ خلیفے نہ ہو جائیں۔"

پھر آپ نے آہستہ سے کچھ کہا...... میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا...... تو انہوں نے کہا:

"کہ آپ نے فرمایا وہ سب قریش ہوں گے[۳]"

ایسی ہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (شیخ صحابہ) سے نقل کرتے ہیں۔ جس میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ:

یہ امر (امر خلافت) اس وقت تک قریش میں رہے گا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم رکھیں گے۔"

اور متصل دوسری روایت میں محض اتنا ہے کہ:

"صرف دو قریشی (صحیح الاسلام) رہیں گے تو بھی یہ معاملہ انہیں میں رہے گا[۴]۔"

بخاری کی پہلی روایت کے حوالہ سے قریش میں امر خلافت کا وعدہ اقامت دین کے ساتھ مقید و مشروط ہے تو دوسری روایت کا بھی بنیادی مفہوم یہی ہے پھر سوال یہ ہے کہ "تیس سالہ خلافت" کا کیا مفہوم ہے؟ صاف بات یہ ہے کہ وہ روایت صحیح نہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق ماننے والے بزرگ صحابی حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے کندھے پر بندوق رکھ کر مفسدہ پرداز لوگوں نے اپنا الو سیدھا کرنا چاہا۔

"بارہ خلفاء" کے حوالہ سے ایک دوسری روایت حضرت مسروقؒ سیدنا المخدوم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ قدیم الاسلام صحابی رسول، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ:

"اے ابوعبدالرحمٰن (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت) آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ اس امت میں کتنے حضرات خلافت (حقہ و صادقہ) کے علمبردار ہوں گے؟"

تو آپ نے فرمایا...... ہاں میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"بارہ خلیفے ہوں گے جیسے بنی اسرائیل کے بارہ نقیب (سردار) تھے۔" (مجمع الزوائد ج ۵: ص ۱۹۰ مسند احمد ج ۵: ص ۸۶، ۸۷)

Marfat.com

اور آگے بڑھیں تو ان بارہ خلفاء کے متعلق ایک خاص بات حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت یہ آئی ہے کہ:

''ان خلفاء کی شان یہ ہوگی کہ پوری امت ان سب پر جمع ہوگی'' (سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۴: ص ۱۷۰)

بارہ خلفاء کا تذکرہ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے کر کے لکھا: 'یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔'' (ترمذی ج ۴: ص ۴۳۴)

اس تفصیل سے تیس سال والی بات بالکل بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہے اور بارہ خلفاء والی بات منقح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس حوالہ سے صحیح ترین روایات کا بڑا ذخیرہ ہم نے نقل کر دیا، جن میں ''اقامت دین'' کی شرط صاف طور پر نظر آتی ہے۔ جو اس کو ثابت کرتی ہے کہ پیغمبر اسلام و مسلمین صلی اللہ علیہ وسلم امت کی خیریت و بہتری اور خلافت کی صادقہ و راشدہ حیثیت کے معاملہ میں کم و بیش ایک صدی کی بات فرما رہے ہیں...... ایک صدی کے حوالہ سے ہم آئندہ چل کر گفتگو کریں گے...... مناسب خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں ذرا ''بارہ خلفاء'' کے متعلق تھوڑی سی تفصیل عرض کر دیں:

...... مفسر کبیر و مورخ شہیر حضرت امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس حدیث کے معنی میں بارہ نیک اور صالح خلفاء کی بشارت مضمر ہے جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل و انصاف برپا کریں گے۔ (ابن کثیر ج ۲: ص ۳۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳)

اور مشہور حنفی فقیہ و محدث ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان بارہ حضرات کے نام بھی متعین کر دیئے جو حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب مشہور رسالہ ''فقہ اکبر'' کی شرح کے علاوہ بھی بعض کتب میں دیکھے جا سکتے ہیں...... ان کے مطابق ان میں:

''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ، عبد الملک بن مروان، ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک اور

Marfat.com

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ورحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔" (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۴،
شرح عقیدہ الطحاویہ ص ۵۵۳ اور فتح الباری ج ۳: ص ۱۸۲)

اس فہرست میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کے نام کا شامل نہ ہونا ہمارے خیال میں اس لیے ہوسکتا ہے کہ ان کی خلافت اپنے والد گرامی کی خلافت کا ایک طرح کا تتمہ و تکملہ ہے...... کہ انہوں نے محض عبوری طور پر افتراق وانتشار کی خلیج پانے کی غرض سے اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا "کثرت سے خلفاء" کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے:

"بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء کرتے جب کسی نبی کی وفات ہوجاتی تو اللہ تعالیٰ کسی اور نبی کو بھیج دیتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفا ہوں گے اور بہت ہوں گے......" صحابہ نے پوچھا، ان کے بارہ میں ہمیں کیا حکم ہے؟ فرمایا:
"ہر ایک کی بیعت پر ثابت قدمی سے جمے رہو اور عہد وفا کو نبھاؤ" (بخاری ج ۱:
ص ۴۹۱ مسلم ج ۲: ص ۱۲۶ امسند احمد ج ۲: ص ۲۹۷)

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ "اقامت دین" کی سعادت سے بہرہ ور خلفاء بارہ ہوں گے۔ (حدیث بنی اسرائیل میں بکثرت کا ذکر ہے) تو ان میں جو حضرات شرف صحابیت سے بہرہ ور ہیں...... ان کی خلافت کو "خلافت راشدہ" ماننے بغیر چارہ نہیں۔

مسلمانوں کے اجتماعی سسٹم اور نظام کا حقیقی عنوان "خلافت" ہی ہے اس لیے ہم نے اس گفتگو کی ابتدا اسلام میں مسئلہ خلافت کی اہمیت سے کی...... بادی النظر میں تاریخی طور پر دیکھا جائے تو ابتدائے اسلام سے ۱۹۲۴ء تک "ادارہ خلافت" کسی نہ کسی حوالہ سے قائم رہا، ۱۹۲۴ء میں حالات کے جبر کا شکار ترکوں نے قبائے خلافت تار تار کر دی...... حالات کے جبر میں سامراجی طاقتوں کا مکروہ رویہ دنیا پر بندر بانٹ کے اصول کے ذریعہ اپنی بالا دستی قائم رکھنے کی سوچ کے ساتھ "عرب دنیا" کا بھی ایک خاص رول ہے، بدقسمتی سے برادران عرب نے خاص سوچ کے تحت سمجھ لیا کہ ہم پر ایک غیر عربی طبقہ خلافت کے عنوان سے مسلط کیوں ہو؟ انہوں نے سامراجی سورماؤں کے فریب میں آ کر عرب دنیا کے چھوٹے چھوٹے ملکوں کی سربراہی قبول کر لی اور وہی حالات آج ان کے گلے کا ہار بن گئے ہیں...... خیر یہ الگ بحث ہے، اصل سوال خلافت کا وہ حصہ جو آئیڈیل اور مثالی ہے اسے "خلافت راشدہ" کا عنوان دیا جاتا ہے...... اس میں سے پھر معیاری

Marfat.com

دور بقول شاہ ولی اللہؒ خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ ہے، جس کا سلسلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گیا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کا دوران کی صحابیت کے پیش نظر ''خلافت راشدہ'' کا دور ہے کہ ہر صحابی قرآن عزیز کے نقطہ نظر سے ''الراشد'' ہے ''الراشدون'' کے طبقہ پاکباز کا جو جو فرد خلافت کے منصب پر سرفراز ہوا اور انسانیت کی خدمت سے تاریخ کا چہرہ روشن و منور کیا، ان کی خلافت تو ''خلافت راشدہ'' ہے بعد کے مزید چھ قریشی خلفاء اپنی خدمات صادقہ وحقہ کے حوالہ سے بارہ خلفاء اور یک صدی والی حدیث کا مصداق ہیں، اس کے بعد بھی ایک ہزار سال سے زائد عرصہ خلافت کا ادارہ قائم رہا...... اور امت کی بہتری اور صلاح وفلاح شاید آج بھی اسی اجتماعی سسٹم کا منہ دیکھ رہی ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت ایک مسلمہ حقیقت ہے...... جو حضرات اس بات پر مصر ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام قبول، انہی کی مان لی جائے تو بھی صحابیت تو مسلم ہے اور ہر صحابی کو اللہ تعالیٰ نے ''راشدہ'' کہا، اسی لیے ہم نے عرض کیا کہ شرف صحابیت سے بہرہ ور بزرگوں کو ''خلیفہ راشد'' ماننا پڑے گا...... سورۂ حجرات کی آیت ۷،۸ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے احباب ورفقاء کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے، اس کو تمہارے دلوں میں اچھا کر دکھایا ہے اور تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی نفرت ڈال دی ہے، یہی لوگ ''الراشدون'' (ہدایت یافتہ) ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔'' (ترجمہ مولانا احمد علیؒ)

اس آیت کے ضمن میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ''یہاں ایمان میں فرائض، مستحبات وغیرہ کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی گئی اور اس کے مقابلہ میں کفر، فسوق اور عصیان کی تفصیل اختیار کی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل فرائض ومستحبات کے مجموعہ کا نام ہے، اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلاتفصیل اس کے تمام احکام کی محبت ہو اس کے مقابل حالت بسا اوقات کفر کی ہوگی اور بعض مرتبہ محض فسق وعصیان کی...... مومن کامل پر لازم ہے کہ وہ محض کفر ہی سے نہیں۔ فسق وعصیان سے بھی نفرت رکھے الخ'' (کتاب الایمان ص ۷۱ مطبوعہ مصر)

Marfat.com

کفر و فسق و عصیان ہر طرح کی خرابیوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے رفقاء کو محفوظ رکھا اور اسے ان کے حق میں اپنا فضل خاص اور نعمت عظمیٰ قرار دے کر آخر میں انہیں ''الراشدون'' کا سرٹیفکیٹ دیا اور یہ سرٹیفکیٹ کسی ایک دو، دس بیس یا سو پچاس کے لیے نہیں۔ اس قافلہ مقدسہ کے ہر ہر فرد کے لیے ہے جسے صحبت نبوی میسر آئی اور صحبت کے حوالہ سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہر شک و شبہ سے بالا ہے...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو شرف صحبت نبوی حاصل ہے۔'' (بخاری ج ۱: ص ۵۳۱)

اور صرف صحابیت کا ہی شرف حاصل نہیں بلکہ ''وحی کی کتابت'' کی سعادت بھی انہیں میسر آئی، جس کا انکار ممکن نہیں...... تو پھر وہ ان ''خلفاء راشدین و مہدیین'' میں کیوں شامل نہیں، جن کی سنت و طریق پر مضبوطی سے جمے رہنے کا نبی مکرم نے حکم دیا......؟

''سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین''...... کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر جم جانے کے ضمن میں بعض کتب احادیث کا حوالہ گزرا مزید حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

(ترمذی ج ۲: ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، ابوداؤد ج ۲: ص ۲۷۹، مستدرک حاکم ج ۱: ص ۹۵، مسند دارمی ص ۲۶ اور مسند احمد ج ۴: ص ۳۷)۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ...... بوجہ صحابی رسول، قرآن عزیز کے ارشاد کے مطابق ''الراشدون'' میں شامل ہیں...... تو ''المہدیین'' میں بایں طور شامل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سچے، آخری اور محبوب نبی نے...... جو بلاشبہ مستجاب الدعوات تھے...... اپنے اس عزیز صحابی کے لیے بارگاہ رب العزت میں دعا کی:

''اے اللہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہادی و مہدی (ہدایت کا مبلغ و ہدایت یافتہ) بنا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت کا سامان فرما۔'' (ترمذی ج ۲: ص ۲۴۷، اسد الغابہ ج ۴: ص ۳۸۶)

جب اللہ تعالیٰ کے رسول، ان کے لیے ہادی و مہدی ہونے کی دعا کر رہے ہیں۔ تو ان کے ہادی و مہدی ہونے میں کیا شبہ ہے، ہمارا ایمان ہے کہ دعا قبول ہوئی اور ضرور...... اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس شرف سے نوازا اور ان کا وجود امت کے لیے سراپا خیر و برکت بن گیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں...... دولت و حکومت بنو امیہ کی خیر و بھلائی کے لیے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی مد نظر رکھیں جس میں وہ نبی معصوم و پیغمبر خاتم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

Marfat.com

اسلام کی چکی ۳۵ یا ۳۶ یا ۳۷ سال کے بعد بند ہو جائے گی۔ پھر اگر لوگ ہلاک ہو گئے تو ان کا بھی وہی راستہ ہے جو دوسرے ہلاک ہونے والوں کا ہے اور اگر ان کا دین ان کے لیے قائم رہ گیا تو ستر برس تک قائم رہے گا...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، گذشتہ زمانہ ملا کر ستر برس یا صرف آئندہ کے؟ جنابِ سرورِ کائنات نے فرمایا...... صرف آئندہ کے! (فتح الباری شرح بخاری ج ۳: ص ۱۸۱ ازالۃ الخفا، ج ۱: ص ۲۶۷)

اب اس حدیث کے متعلق فیلسوف ہند سیدنا الامام ولی اللہ الدہلویؒ کو سنیں...... فرماتے ہیں:

اس حدیث کا مضمون خارج میں یوں ظاہر ہوا کہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان الاموی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر جہاد کا نظام درہم برہم ہو گیا ہجرت کے بعد دس برس سے کچھ زائد خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے، جن میں جہاد کا معاملہ پوری قوت سے جاری رہا اور ۲۵ سال خلفاء ثلاثہ کے یہ ۳۵ سال یا کسی قدر زائد عرصہ بنتا ہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جہاد کا انتظام قائم ہوا اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا تا آنکہ اس تاریخ سے ستر برس کے بعد دولت و حکومت بنوامیہ زائل ہو گئی۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱: ص ۲۶۷)

سچی بات تو یہی ہے کہ حضرت الامام سیدنا علی رضی اللہ عنہ (خلیفہ رابع و راشد) کا دورِ خلافت شدید اختلاف و انشقاق کا دور ہے؟ جس میں قدم قدم پر مسلمانوں کی باہمی خونریزی کے المناک مناظر تو نظر آتے ہیں۔ جہاد کا قصہ کہیں نظر نہیں آتا، اس لیے حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی یہ نہایت صحیح تشریح فرمائی اور خلافت کی دو قسمیں کر کے ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' اور اس کے برعکس میں تقسیم کر کے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' کو ختم قرار دے دیا جو بالکل مبنی برحق ہے۔ (تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاج ۱: ص ۳۰۶)

اور اس سے متصل وہ ایک اور اصطلاح ''خلافت خاصہ'' کی استعمال فرماتے ہیں، جس کا مفہوم یہ فرماتے ہیں کہ:

''خلیفہ خاص موجود ہو اور سب مسلمان متفق ہوں اور اس کا حکم چلتا ہو۔'' (ازالہ ج ۱ ص ۱۳۰)

Marfat.com

خلیفہ کی موجودگی اور اس کے حکم کا چلنا...... دو وصف جو شاہ صاحب نے بیان فرمائے، ان میں سے پہلا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہے تو دوسرا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد ان میں دونوں باتیں موجود ہو جاتی ہیں...... اس لیے بھی کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ''راشدہ'' مانا جائے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو راشدہ ماننے سے انکار کر دیا جائے۔

حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے عبقری نبیرہ حضرت مجاہد فی سبیل اللہ شاہ محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ کی دو قسمیں ''منتظمہ اور غیر منتظمہ'' کے عنوان سے ذکر فرمائیں۔

ایک اور حوالہ سے دیکھیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بہترین زمانہ اپنے زمانہ کو قرار دیا اور اس سے متصل دو اور قرن (زمانے) بہترین قرار دیئے (درجہ بدرجہ)'' (مسلم ج ۲: ص ۳۰۹ ترمذی ج ۲: ص ۴۵)

اس طرح مسلم میں ہے کہ اچھے لوگوں کے سوال پر فرمایا کہ:

''میرے زمانہ کے لوگ سب سے اچھے ہیں پھر متصل زمانہ کے، پھر متصل زمانہ کے۔'' (ج ۲: ص ۳۱۰)

ان تین زمانوں کا صحیح تعین وہ ہے جو مسلم کے شارح محدث کبیر امام نوویؒ نے ذکر کیا کہ:

آپ کا دور صحابہ کا دور ہے پھر تابعین کا زمانہ اور پھر تبع تابعین کا۔ (نووی شرح مسلم ج ۴: ص ۳۰۹)

اور ٹھیک یہی بات بخاری کے شارح حافظ ابن حجرؒ نے فرمائی۔ (فتح الباری ج ۱: ص ۴۴)

قرن یعنی زمانے کے تعین میں اس کی عمر مراد لی گئی...... تو قرنی (میرے زمانہ) سے مراد دور صحابہ ہے اور یہ طے ہے کہ صحابہ کی پاکیزہ جماعت کے آخری فرد ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی جیسا کہ ''الصواعق المحرقۃ'' کے مصنف کا دعویٰ ہے...... (ص ۲۱۲)

لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی ...... (تقریب التہذیب ص ۱۸۷)

۱۱۰ھ والی بات کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا ارشاد

Marfat.com

بھی دلیل بن سکتا ہے...... آپ نے اپنے دور آخر میں فرمایا...... وفات سے صرف ایک ماہ قبل:

جو لوگ آج زمین پر رہ رہے ہیں، ان میں سے سو سال کے بعد کوئی نہ ہوگا۔ (مسلم ج ۲: ص ۳۱۰، الصواعق المحرقہ ص ۲۱۲)

اس روایت کے حوالہ سے حضرت ابوطفیل کا سانحہ ارتحال ۱۱۰ھ ہی بنتا[5] ہے...... اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت ۴۱ھ میں منعقد ہوئی...... ۵ سال کے تشتت اور افتراق کے بعد امت جمع و متحد ہوئی...... خوف و دہشت کی فضا چھٹ کر امن و سکون کا دور آیا...... جہاد کا درہم برہم نظام بحال ہوا...... ان گنت جلیل القدر و جلیل المرتبت صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی...... پھر وہ خلیفہ راشد کیوں نہیں؟

اصل یہ ہے کہ ''قلم برکف دشمن است'' والی بات بن گئی...... محقق محب الدین الخطیب المصری کے بقول:

''تاریخ اسلامی کی تدوین بنوامیہ کے زوال کے بعد ہوتی ہے مدون تاریخ گروہوں میں پہلا گروہ انہی کا تھا۔ جن کا مقصد بنوامیہ کے کیریکٹر میں کیڑے نکال کر بنوعباس کا قرب حاصل کرنا تھا۔'' (العواصم من القواصم ص ۱۷۷ حاشیہ)

یہ بات دار المصنفین اعظم گڑھ (یو۔ پی) کے فاضل شاہ معین الدین ندوی نے لکھی اور انہوں نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ:

''مورخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوصف اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکے اور پولیٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے واقعات تاریخ کا حصہ بن گئے۔'' (سیر الصحابہ، ج ۶: ص ۹۳)

تدوین تاریخ کے ادوار میں جو لوگ برسر اقتدار تھے، ان میں آل بویہ بھی تھے ان کے زمانہ میں (۳۵۱ھ) بغداد کی مساجد پر قانون اور ڈنڈے کے زور سے نہ صرف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بلکہ حضرات خلفاء ثلاثہ اور امیر مروان پر لعنت کے الفاظ کندہ کرائے گئے...... اس بد اندیش حکمران کا نام ''معز الدولہ'' تھا۔ جس نے پھر ۳۵۲ھ میں ''بدعات محرم'' کا اہتمام کیا۔'' (ابن کثیر ج ۱۱: ص ۱۴۳)

اور سید امیر علی جیسے اثنا عشری مورخ نے بھی اس کے ظالمانہ اقتدار اور بدعات محرم کو رواج دینے کا ذکر کیا ہے۔ (انگریزی ایڈیشن تاریخ اسلام ص ۳۰۳ مطبوعہ لندن)

Marfat.com

تاریخ اس بات کا انکشاف کرتی ہے کہ معز الدولہ نے اپنے وزیر محمد المہلبی کے سمجھانے سے باقی حضرات کے نام بنام لعنت کے الفاظ مٹوا کر یہ لکھوایا:

''ان پر لعنت جنہوں نے آل رسول پر ظلم کیا''۔

لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام پھر بھی قائم رہا۔ یہ تو ہوا تاریخ کا معاملہ...... ستم یہ ہوا کہ حضور سرور کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ترین اصحاب کے خلاف بیہودگی کا بھرپور مظاہرہ کر کے اسے رسالت مآب کے کھاتہ میں ڈال دیا گیا...... انا للہ و انا الیہ راجعون۔

چنانچہ ایک روایت گھڑ کر مشہور کی گئی کہ آپ نے فرمایا:

''میرے منبر پر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھو تو اسے قتل کر دو۔''

حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معروف زمانہ کتاب ''تطہیر الجنان'' ص ۱۹ پر نقل کیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

''میرے منبر پر معاویہؓ کو دیکھو تو اس کی بات کو قبول کرو۔''

میں ''قبلوہ'' کے لفظ کو ''فاقتلو'' سے بدل دیا گیا فیاحسرتا اور یہ کارستانی ایک بدترین دشمن صحابہ عباد بن یعقوب الرواجنی کی ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸)

اس ایک جھوٹ پر کیا منحصر ہے...... محدث وفقیہ امت ملا علی القاری الحنفیؒ کے بقول بہت کچھ ہوا، اس لیے فرماتے ہیں:

''وہ تمام احادیث موضوعات میں سے ہیں (محض گھڑی ہوئی) جن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص اور دیگر بنو امیہ کی مذمت اور منصور و سفاح (عباسی خلفاء) کی تعریف پائی جاتی ہے۔ اسی طرح یزید، ولید اور مروان کی مذمت میں جو احادیث مشہور کی گئیں سب موضوعات ہیں۔''

(الموضوعات الکبیر ص ۱۷۰-۱۶۹)

جہاں تاریخ چھوڑ کر احادیث کے عنوان سے یہ غضب ڈھایا گیا ہو وہاں آپ کیا توقع رکھ سکتے ہیں......؟ ستم یہ ہے کہ خود برادران اہلسنت اپنی دینی غیرت وحمیت کے تقاضے پورے نہ کر سکے...... مداہنت کا شکار ہو گئے، یا بعض اکابر کی محبت میں غلو کا شکار ہو کر بعض دوسرے حضرات اور اکابر سے دشمنی کرنے لگے (اور یہ دونوں ہی رویے غلط ہیں) اور اعتدال کی راہ سے بھٹک

Marfat.com

گئے...... اہل سنت و جماعت کہلانے والے قرآن عزیز کی ان گنت ارشادات کی متعدد آیات کو نظر انداز کر بیٹھے...... سرور کائنات کے ان گنت ارشادات کو انہوں نے بھلا دیا...... آسمان ہدایت کے ان ستاروں کی جگمگاہٹ انہیں نظر آئی نہ راہ حق میں ان حضرات کی قربانیوں کا لحاظ کیا گیا...... ''اہل بصیرت'' نے تو یہاں تک احتیاط برتی کہ فرمایا:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنا، باہمی جنگوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی راہ صواب اور ان سے اختلاف کرنے والوں کو راہ خطا پر قرار دینا بھی سنت نہیں شیعہ ازم ہے...... اگرچہ ایسے لوگ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو افضل ہی سمجھتے ہوں۔'' (شیخ ابن حجر عسقلانیؒ۔ تہذیب التہذیب، ج ۱: ص ۹۴)

لیکن اہل سنت کہلانے والے بے بصیرت اہل قلم، واعظین اور ایسے ہی عناصر کی عقلیں ماری گئیں اور وہ ایسی ایسی ہانکنے لگے کہ پناہ بخدا! ہم آخر میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول نقل کر کے اپنی بات ختم کرتے ہیں شاید کہ یہ بات کسی کی آنکھیں کھول دے۔

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے پردہ ہیں جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا اور پھاڑ دے گا تو اس پردہ کے پیچھے موجود لوگوں (باقی صحابہ کرام) پر بھی اس کی ہمت و جرأت بڑھ جائے گی (اللہ تعالیٰ اس بے جا جرأت و ہمت سے بچائے)۔'' (تاریخ بغداد ج ۱: ص ۲۰۹)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن عزیز کے احکامات کی اتباع و تابعداری کی توفیق سے سرفراز فرمائیں...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پاکباز رفقاء بالخصوص خلفاء راشدین مہدیین کی سنن ہدیٰ پر عمل کی توفیق بخشیں:

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اپنے باتمکین قارئین سے اپنے والد گرامی سمیت جملہ مرحوم اعزہ اور بزرگوں اور تمام مرحوم مسلمانوں کی مغفرت۔ نیز جناب مؤلف و ناشر اور اس حقیر مترجم اور رہائی کے جملہ متعلقین کے لیے دعا کی درخواست کروں گا...... اس نیکی کی بہترین جزا اللہ تعالیٰ عنایت فرمائیں گے۔

۱۲۔ اے شاہ جمال لاہور　　　　خاکپائے رسول و اصحاب رسول

۸/ صفر الخیر ۱۴۱۱ھ　　　　۳۰/ اگست ۱۹۹۰ء　　　　محمد سعید الرحمٰن علوی

***

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

خلیفہ اول، پہلا مسلمان، یار غار

محدث امت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ...... رسول اکرم خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''ہمارے ساتھ جس کسی نے بھی کوئی احسان کیا ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا، ہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے مستثنیٰ ہیں...... ان کے ہم پر جو احسانات ہیں ان کا بدلہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صبح قیامت اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائیں گے۔''

مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مادی امداد نے جتنا نفع دیا اتنا نفع کسی کے تعاون نے نہیں دیا اور اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دوست بناتا تو یہ اعزاز ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہی حصہ میں آتا...... یاد رکھو تمہارا نبی (حقیقت میں تو بس) اللہ تعالیٰ ہی کا دوست ہے۔ (ترمذی)

ابتدائیہ

لوگ آپس میں مصروف گفتگو تھے...... موضوع گفتگو آپ کا وہ سفر تھا جس میں آپ بیت المقدس تشریف لے گئے، پھر آسمانوں پر...... کچھ تو پریشان اور سہمے سہمے تھے کہ لوگ آپ کو اس سفر کی وجہ سے جھٹلائیں گے (اور کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے) اور بعض لوگ خوش تھے کہ ان کے خیال میں اس سفر کو بنیاد بنا کر لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑا جا سکتا ہے۔

دوسرے فریق میں سے کچھ لوگ بھاگم بھاگ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین دوست کے پاس پہنچے اور ان سے کہا جناب آپ نے سنا! آپ کے دوست کیا کہہ رہے ہیں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا...... کیا کہہ رہے ہیں؟

کفار نے کہا...... وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رات میں بیت المقدس تک سیر کی۔

ابوبکر نے کہا...... واقعی انہوں نے ایسا فرمایا

Marfat.com

کفار نے کہا...... ہاں ہاں!

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا...... اگر انہوں نے ایسا فرمایا تو سچ فرمایا کفار نے کہا...... تم یہ بات مان سکتے ہو کہ آدمی رات رات میں بیت المقدس تک جا کر صبح سے قبل واپس آ جائے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا...... میں اس سے زیادہ عجیب بات کی تصدیق کرتا ہوں...... یعنی رات دن میں آسمان سے آنے والی خبروں کی! یہ بات (آسمانی خبریں) اس بات سے زیادہ قابل تعجب ہے جس نے تمہیں حیران کر رکھا ہے۔

اس سے بڑھ کر ایمان کی مضبوطی کیا ہوگی؟

اور اس سے بڑھ کر محکم کلام کیا ہوگا؟

(پر سوال یہ ہے کہ) یہ بات کہنے والا کون بڑا آدمی تھا؟ اور یہ کس صحابی جلیل کی بات ہے؟ اس کی عظمت کا راز کیا ہے اور کیا باتیں ہیں جنہیں سنہری حروف سے لکھا جا سکتا ہے؟

اور کون رسول کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی اسلام کے لیے سد سکندری تھا؟

یہ تو بہت معروف شخصیت ہے...... جناب ابوبکر صدیق اکبر...... رضی اللہ عنہ

غار میں رسول محترم کے ساتھی، رسول مکرم کے دوست، رسول رحمت کے خلیفہ، عشرہ مبشرہ میں سے ایک اور خلفاء راشدین میں سے پہلے...... رضی اللہ عنہ۔

الصدیق!

عبداللہ بن عثمان...... عثمان کی کنیت ابوقحافہ تھی۔ اس لیے آپ عبداللہ بن ابی قحافہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

مرہ بن کعب میں جا کر ان کا نسب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے...... حسب و نسب کے اعتبار سے ذی مرتبت قریشی!

عام الفیل کے بعد تیسرے سال میں پیدا ہوئے...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سال چھوٹے تھے۔

ان کی تربیت اسی طرح ہوئی جس طرح شرفاء مکہ کے بچوں کی ہوتی...... عزت و وقار کے ساتھ بھرپور نگہبانی!

Marfat.com

گورا چٹا رنگ، دبلا پتلا جسم، رخسار خفیف، درمیان سے ناک کشادہ...... پیشانی چوڑی...... سر کے بال گھنے، لوگوں میں چلتے تو کسی قدر چھوٹے قد کے معلوم ہوتے...... ویسے متوسط قد تھا۔

اسلام سے قبل بہت ہی مالدار تاجر، معاشرت کے اعتبار سے قریش کے تمام قبائل میں محبوب، ان کی تالیف قلب کا اہتمام کرنے والے اور ''دیت'' کے معاملات کے ذمہ دار...... قریش کے انساب کے سب سے بڑے عالم، یہ بھی جانتے کہ کس قبیلہ میں کیا خوبیاں ہیں اور کیا کمزوریاں...... جب کوئی کام کرتے تو قریش اس کی تصدیق کرتے، موافقت کا رویہ اختیار کرتے...... انہوں نے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اموی نے بعثت رسول سے قبل بھی شراب نوشی کو اپنے اوپر حرام قرار دے رکھا تھا[6]۔

صدق و وفا میں ان کا جواب نہ تھا...... جوانی کے زمانہ سے ہی محمد بن عبد اللہ کے جگری دوست تھے...... رسول محترم نے ان سے معاملہ کیا تو انہیں سراپا صدق پایا...... امانت کی بات آئی تو امانت داری میں اپنی مثال آپ نکلے...... یہی وجہ ہے کہ رسول محترم کی دعوت اسلام و ایمان کا مثبت جواب دینے میں بال برابر تاخیر کی نہ کسی قسم کے تردد و شک کا شکار ہوئے...... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وسلم فرماتے ہیں:

> میں نے جس کسی کو بھی اسلام کے لیے دعوت دی تو اس نے کسی نہ کسی درجہ میں سوچا، غور کیا اور تردد سے کام لیا...... سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے...... جونہی میں نے ان سے اس آسمانی دعوت کا ذکر کیا انہوں نے کسی قسم کے توقف و انتظار کے بغیر اسے قبول کر لیا۔ رہ گیا تردد اور شک تو وہ ان کے قریب سے بھی نہیں گزرے[7]۔

جیسا کہ عرض کیا گیا رسول محترم سے ان کی دوستی و تعلق کی ابتدا جوانی سے ہی ہوگئی اور جب تجارت کے لیے رسول اکرم کے ساتھ شام کا سفر کیا تو اس میں حد درجہ پختگی آ گئی...... ایسی کہ پھر کبھی دراڑ نہ پڑی...... کیونکہ انہوں نے آپ کی ذات گرامی میں آپ کے معاملات بیع و شراء میں امانت، وفا، صدق اور حسن اخلاق کے وہ عجائبات دیکھے کہ باید و شاید؟...... انہی خصائل و عادات شریفہ کے سبب آپ کی آنکھ میں ان کی محبت بڑھ گئی اور دل میں قرب و تعلق حد درجہ راسخ و استوار ہو گیا۔

Marfat.com

قبول اسلام

کچھ قریشی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

ابوبکر! تمہارے دوست (مراد محمد عربی) جنون کا شکار ہو گئے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ! کیسے؟

قریش! وہ ایک معبود کی عبادت کی دعوت دیتے اور اپنے متعلق نبی ہونے کا گمان رکھتے ہیں۔

ابوبکر! انہوں نے واقعی ایسا کہا؟

قریش! ہاں ہاں۔

اس گفتگو کے بعد جناب ابوبکر...... محمد عربی کے پاس گئے...... دروازہ کھٹکھٹایا...... محمد کریم تشریف لائے تو ابوبکر گویا ہوئے۔

ابوالقاسم! آپ کی نسبت سے مجھے کیا خبر ملی؟

پیغمبر اقدس! کیا خبر معلوم ہوئی؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایک معبود کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے مدعی ہیں...... نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم! ہاں ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے بشیر و نذیر بنایا بنائے...... کعبہ کے وقت ابراہیم علیہ السلام نے ایک نبی کی بعثت کے لیے جو دعا مانگی، مجھے اس کا مصداق بنایا اور مجھے تمام انسانوں کے لیے رسول ہونے کا شرف بخشا۔

ابوبکر نے کہا...... میں نے آپ سے جھوٹ کا کبھی بھی تجربہ نہیں کیا امانت داری، صلہ رحمی اور حسن افعال کے سبب آپ رسالت جیسے عظیم منصب کے اہل بھی ہیں...... اور یہ قبا آپ پر سجتی ہے۔

ہاتھ بڑھائیں کہ میں بیعت اسلام کروں

سید کائنات نے ہاتھ بڑھایا...... ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور اس بات کا اقرار کیا کہ آپ جو لائے وہ سچ ہے۔ ابوبکر نے دعوت اسلام کا جواب دینے میں کسی قسم کی تاخیر روا نہ رکھی اور فوراً بیعت کر لی...... اسی لیے "السابقون الاولون" میں سے ہیں...... نہیں بلکہ مردوں کی برادری میں سے سب سے پہلے جنہوں نے اسلام قبول کیا، آپ کی رسالت کی تصدیق کی، آپ کے ہاتھ مضبوط کئے اور اپنا مال ہی نہیں جسم و جان بھی دین اسلام کے لیے خرچ کرنے سے گریز نہیں کیا۔

Marfat.com

یہی ابوبکر ہیں......صدیق اکبر رضی اللہ عنہ......اور سب سے پہلے مسلمان ہونے کی داستان یوں ہے کہ حق کو دیکھا تو اتباع میں دیر نہ کی، داعی کی ذات اقدس کو پہچانا تو لمحہ بھر کی تاخیر کے بغیر تصدیق کی......پھر اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس دین اور داعی کی ہر رکاوٹ کو پوری قوت سے دور کیا......رضی اللہ عنہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کی ذات گرامی سے جو محبت تھی۔ اس نے ان کے دل میں گھر کر لیا تھا......وہ اپنی ذات اہل وعیال اور مال سے ہی نہیں......بلکہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر آپ کو محبوب رکھتے!

ایک دن رسول محترم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان مسجد میں جمع ہو کر اعلانیہ دعوت کا فرض سرانجام دیں......اس وقت مسلمان ۴۰ سے زیادہ نہ تھے......جب مسلمان کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اعلان ودعوت کا کام شروع کیا تو مشرکین مکہ ٹوٹ پڑے، مسلمانوں کو مارا، انہیں اذیت پہنچائی اور تہدید، وعید اور اہانت کی حد کر دی۔ عتبہ بن ربیعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پل پڑا۔ بھاری بھرکم جوتوں سے آپ کو مارا حتیٰ کہ آپ کا چہرہ متورم ہوگیا۔ دیکھنے والوں کے لیے پہچان مشکل ہوگئی۔

آپ کے قبیلہ بنو تمیم کے لوگوں کو علم ہوا تو انہوں نے بعجلت تمام آ کر دشمنوں کے چنگل سے آپ کو بچایا، پھر کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو گھر لے گئے، انہیں ابوبکر کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا......ان میں سے ایک نے مسجد حرام میں کھلے بندوں اعلان کیا۔

"بخدا!! اگر ابوبکر کی موت واقع ہوگئی تو عتبہ بن ربیعہ کو ہم قتل کیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل قبیلہ ان کے پاس بیٹھے مصروف گفتگو تھے اور ان سے بھی گفتگو کی کوشش کر رہے تھے کہ بڑی تاخیر سے افاقہ ہوا تو اس حال میں انہوں نے سب سے پہلے جو گفتگو کی وہ یہ تھی کہ:

"رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟"

قبیلہ کے افراد نے ظاہر ہے کہ اس رویہ پر انہیں سخت سست کہا برا منایا، ان کی والدہ نے کچھ کھلانے پلانے کی بات کی......لیکن انہوں نے کچھ کھانے پینے سے انکار کر دیا......تاوقتیکہ معلوم نہ ہو جائے کہ نبی علیہ السلام کا کیا حال ہے؟

Marfat.com

ماں نے کہا...... بخدا مجھے معلوم نہیں کہ تمہارے دوست کا کیا حال ہے؟

ابوبکر نے کہا...... امی بنت الخطاب کے پاس جا کر رسول اکرم کا حال معلوم کریں۔

جناب ابوبکر کی والدہ، بنت الخطاب کے پاس گئیں تو انہوں نے ناواقفیت کی بنا پر احتیاط سے کام لیا...... مبادا کوئی قریشی دیکھ رہا ہو...... جو بعد میں اذیت کا سبب بنے، اس لیے انہوں نے کہا...... ابوبکر اور محمد بن عبداللہ کو میں نہیں پہچانتی...... محمد رسول اللہ نہیں کہا۔

پھر بنت الخطاب سے کہا تم ذرا ابوبکر کے پاس چلی چلو، ان کی بات سن لو اور ان کی گفتگو سے اطمینان حاصل کر لو...... چنانچہ بنت الخطاب ابوبکر کی والدہ کے ساتھ ان کے پاس گئیں تو انہیں زخموں سے چور پایا...... درد کی شدت سے برا حال...... بنت الخطاب کا دل بھر آیا، وہ چیخ اٹھیں اور کہنے لگیں:

''تیری قوم کے افراد نے تیرے ساتھ بہت ہی ناروا اور فاسقانہ سلوک کیا اور مجھے یقین ہے کہ تیری طرف سے اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا۔''

اس سے زیادہ بات نہ ہوئی حتیٰ کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بے ہوشی سے افاقہ ہو گیا تو انہوں نے فوراً ہی بات پوچھی...... رسول محترم کا کیا حال ہے؟''

بنت الخطاب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے...... کہا...... ان پر ایک قسم کا خوف طاری تھا...... تیری والدہ سن رہی ہے۔

ابوبکر نے کہا...... ان کی توجہ تمہاری طرف نہیں۔

بنت الخطاب نے کہا...... اللہ تعالیٰ کے رسول، بحمد اللہ تعالیٰ مع الخیر ہیں...... ابوبکر اتنے پر مطمئن نہیں ہوئے...... وہ آپ کے دیکھنے کے خواہشمند تھے اس لیے پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟

بنت الخطاب نے کہا...... دار ارقم میں۔

ابوبکر نے چاہا کہ وہاں جایا جائے...... لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی والدہ اس حالت میں جانے کے حق میں نہیں...... تب ابوبکر نے قسم کھائی...... اور کہا...... رسول اللہ کو دیکھے بغیر کھانے پینے کو ہاتھ لگانے کا سوال ہی نہیں۔

چنانچہ وہ (دونوں والدہ ابی بکر اور بنت الخطاب) ان کو لے کر گھر سے اس وقت نکلیں جب لوگ ٹھکانے لگ چکے تھے...... ابوبکر نے ان دونوں کا سہارا لیا ہوا تھا، اپنے سہارے ان کے لیے

Marfat.com

چلنا مشکل تھا...... اسی حال میں رسول محترم کے پاس وہ انہیں لے کر پہنچیں تو جناب ابوبکر...... رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گویا گر پڑے، آپ کو چومنا شروع کر دیا اور عرض کیا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان...... الحمد للہ میں بالکل ٹھیک ہوں البتہ اس دشمن خدا نے میرے چہرے کو لہولہان کر دیا۔''

بہرحال جناب ابوبکر کو رسالت مآب سے جو محبت تھی اس کا اظہار ہر جگہ ہر قدم پر اور ہر بات میں ہوتا...... رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کعبۃ اللہ میں مشرکین کے حملہ کے وقت تنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دفاع کیا اور ان سے فرمایا:

''تم اس مرد کامل کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب ایک اللہ ہے۔''

پھر بطور خاص اس کا اظہار ہجرت کے وقت ہوا جب جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غار میں داخل ہوئے تا کہ حشرات الارض اور موذی جانوروں سے اس کو صاف کر سکیں...... اور اظہار محبت کا ایک خاص موقعہ ہجرت ہی کے دوران راستہ میں ہوا جب جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی آپ کے پیچھے چلتے تو کبھی آگے، کبھی دائیں چلتے تو کبھی بائیں...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا...... ابوبکر...... یہ کیوں؟ جواباً عرض کیا کہ:

''میں پیچھے سے خطرہ محسوس کرتا ہوں اور کسی کی آہٹ سنتا ہوں تو پیچھے چلنا شروع ہو جاتا ہوں اور اسی طرح کسی دوسری جانب سے آہٹ پاتا ہوں تو اس طرف ہو جاتا ہوں۔''

اس کا اظہار ہجرت کے اختتام پر بھی ہوا جب شدید گرمی اور سورج کی کرنوں سے بچانے کی غرض سے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ...... نے آپ پر اپنی چادر تان لی اور زندگی بھر ساتھ رہنا، ہر معاملہ میں بڑھ چڑھ کر اطاعت کا اظہار اور آپ کی اتباع پر حریص ہونا بھی اسی محبت کا اظہار ہے۔

محبت کا وہ کون سا پہلو ہے...... جس سے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ متصف نہیں ہوئے...... ہر وہ مقام جہاں رسول محترم کی محبت نے تقاضا کیا...... ابوبکر...... سب سے آگے تھے، اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں!

Marfat.com

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت کا جواب اللہ تعالیٰ کے نبی نے اسی طرح محبت و پیار سے دیا......اس سلسلہ میں آپ کا یہ قول سب سے بڑی سند ہے۔

''اگر میں کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو ابوبکر ہی اس اعزاز کے مستحق ہوتے......
لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں[8]۔''

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا آپ کو سب سے بڑھ کر محبوب کون ہے تو فرمایا ''عائشہ رضی اللہ عنہا'' سوال ہوا مردوں میں سے؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد[9]۔

محبت کے باب میں اس سے بڑھ کر کوئی صراحت نہیں......اور یہ بات ابوبکر اور ان کی صاحبزادی کے لیے بڑا اعزاز ہے (رضی اللہ عنہما)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چل رہا تھا فرمایا......اس شخص کے آگے نہ چلو جو تم سے ہر اعتبار سے بہتر ہے...... بے شک ابوبکر ایسی بابرکت شخصیت ہیں کہ (انبیاء علیہم السلام) کے سوا کسی ایسی صاحب خیر شخصیت پر سورج طلوع یا غروب نہیں ہوا[10]۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خصائل وصفات......جو ان کے حق میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا باعث بنیں ان پر ایک نظر آپ نے فرمایا:

''مصاحت و مال کے حوالہ سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے، اگر میں کسی کو دوست بناتا (الخ)۔''

ایک جگہ ارشاد فرمایا (آخری بیماری کے زمانہ میں)

''مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے سوا سب کے دروازے کھڑکیاں بند کر دی جائیں[11]۔''

مزید ارشاد ہے:

Marfat.com

ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مجھ پر کسی کا احسان نہیں، انہوں نے اپنی جان و مال پر ہر طرح مجھے ترجیح دی اور اپنی صاحبزادی میرے حبالہ عقد میں دے دی۔[12]

ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں...... فرمایا:

"مجھ پر جس نے بھی کوئی احسان کیا، میں نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ اس کلیہ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ مستثنیٰ ہیں کہ ان کے احسانات کا بدلہ صبح قیامت اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے...... اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال سے بڑھ کر مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دی۔[13]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ارشادات جن میں حقائق کا اعتراف ہے اور آپ کی یہ محبت اور وفا و پیار...... ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے فخر ہے...... اس سے بڑھ کر ان کے لیے کیا فخر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا نبی یوں ارشاد فرمائے...... یہ تو کھلی تصریحات ہیں۔

زمانہ رسالت میں لوگ اس تعلق خاطر کو خوب پہچانتے...... ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہا اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے معاملہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے...... جب دونوں کے درمیان نزاع کی شکل پیدا ہوئی۔ ربیعہ کی قوم کے مسلم افراد، ان کے پاس آئے تا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شکایت دربار رسالت میں کی جائے...... ربیعہ نے ان سے فرمایا:

"معلوم ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ کون ہے...... وہ ثانی اثنین ہیں، اسلام میں قدیم ترین، جن کے مقابلہ میں تمہارے آدمی کی کوئی حیثیت نہیں...... قوم نے انہیں بھڑکانا چاہا لیکن وہ متاثر نہ ہوئے (ارشاد فرمایا) تم چاہتے ہو کہ ان کے مقابلہ میں اقدام کروں، اس کا انجام ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ناراضی ہو گا اور سلسلہ یہیں نہ رکے گا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ناراضی سے رسول اکرم بھی ناراض ہوں گے اور ان دونوں (نبی اکرم اور جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ) کی ناراضی...... اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہو گی...... اور اس کا انجام ربیعہ کی ہلاکت ہو گی۔"

دعوت دین کی راہ اور جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مالی ایثار

جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ وافر مقدار میں مال رکھنے والے تاجر تھے، ساتھ ہی ساتھ انہیں قدر و منزلت بھی نصیب تھی اور معاشرہ میں ان کی بات کا احترام بھی تھا۔ انہوں نے اپنے مال کا بڑا حصہ

Marfat.com

راہ حق میں خرچ کر ڈالا اور اپنے سماجی مقام ومرتبہ سے بھی اس راہ میں فائدہ اٹھایا۔کوئی ایسا موقعہ نہ تھا جب اللہ تعالیٰ کے رسول نے انہیں مال ودولت کے لیے توجہ دلائی ہو اور انہوں نے اس مطالبہ کو پورا نہ کیا ہو۔

''یوم العسرۃ'' (غزوہ تبوک کی تیاری کا دن) میں جب ان سے مال کے لیے کہا گیا تو وہ سارا ہی مال اٹھا لائے......رسول محترم علیہ التحیۃ والتسلیم نے پوچھا:

''گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا......؟......عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت! تب اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا، اس میں سے کچھ اہل وعیال کے لیے لے جائیں۔''

اور ان کا خرچ کرنا اسی پر نہ تھا کہ ان سے مطالبہ کیا جائے اور توجہ دلائی جائے...... بلکہ اس کے بغیر بھی وہ کوشاں رہتے اور ہر ممکن خرچ کرتے۔

بلال بن رباح (حبشی رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ ان کا ظالم آقا ''امیہ بن خلف'' وادی میں عین دوپہر کے وقت گرم ریت پر لٹا کر انہیں مبتلائے تعذیب کرتا ہے تو آپ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور چیخ اٹھے اور فرمایا:

''کہ اس شخص کو محض اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے؟''

امیہ نے کہا کہ تم نے اور تمہارے دوست محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے غلام کو بگاڑ دیا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... جتنے پیسے مطلوب ہیں لے لو اور اس کو آزاد کر دو۔

امیہ نے پانچ اوقیہ سونا طلب کیا...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطلوبہ رقم ادا کر دی اور اہل شرک کی ایذا دہی سے جناب بلال کو آزاد کرا دیا۔امیہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد دیکھا تو تمسخر کرتے ہوئے کہا:

''اس کو لے لو لات وعزیٰ کی قسم اگر تم اتنی رقم دینے سے انکار کرتے اور بات محض ایک اوقیہ پر آ کر رکتی تو بھی میں اس کو بیچ ڈالتا۔''

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مالک حقیقی کی عزت وکبریائی کی قسم! اگر تو سو اوقیہ کا بھی مطالبہ کرتا تو میں ادا کر دیتا۔''

Marfat.com

جناب بلال رضی اللہ عنہ...... رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ آپ کو خوشخبری ہو، میں آزاد ہو گیا اور یہ کہ یہ سعادت و نیکی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی...... جناب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے...... خوشی اس بات کی کہ بلال رضی اللہ عنہ آزاد ہو گئے اور عذاب سے نجات حاصل کی...... اور خوشی اس بات کی کہ اس راہ میں یہ سعادت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقدر ٹھہری اسی طرح آپ نے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کرایا...... زنیرہ، نہدیہ، ان کی بیٹی اور باندی جو بنو مومل سے تعلق رکھتی تھی اور ام عبیس رضی اللہ عنہا کی آزادی کا سروسامان کیا...... جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والدان سے کہتے:

''بیٹے! ان کمزور غلاموں اور عورتوں کے بجائے تم توانا اور تنومند غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تو کسی مشکل وقت تمہارے کام آتے...... تمہارا ہاتھ بٹاتے۔''

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے:

''ابا! میں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کے اجر کا محتاج ہوں۔''

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال میں اس طرح تصرف فرماتے جس طرح کوئی شخص اپنے مال میں تصرف کرتا ہے۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نواسے حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نانا جان نے جب اسلام قبول کیا وہ چالیس ہزار کے سرمایہ کے مالک تھے جو سارے کا سارا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالا[14]۔''

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صفات

آپ بہت ہی محبت کرنے والے، سراپا مؤدت، حسن معاشرۃ کے علمبردار اور متواضع مزاج کے مالک تھے...... دور جاہلیت اور دور اسلام میں کبھی کسی کے سامنے آپ نے متکبرانہ انداز اختیار نہیں کیا......

کوئی تعریف کرتا تو آپ کہتے:

''اے اللہ! تو مجھ سے زیادہ مجھے جانتا ہے...... پروردگار، لوگ جیسا میرے متعلق خیال کرتے ہیں، ان سے بھی کہیں بہتر مجھے بنا دے، میرے گناہ لوگوں

Marfat.com

کو معلوم نہیں ان میں بھی میری مغفرت کا سامان کر دے ...... اور لوگوں کی باتوں سے میرا مواخذہ نہ فرما"

آپ فخر و غرور سے بغض رکھنے والے اور اسے مطلق پسند نہ فرماتے اور اس بات سے ڈرتے کہ اس مکروہ صفت سے آپ کو متصف کیا جائے ...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص نے ازرہ غرور و تکبر اپنے شلوار، پاجامہ یا تہہ بند کو زمین پر لٹکایا، اللہ تعالیٰ صبح قیامت میں اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائیں گے۔"

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک پہلو میں ڈھیلا پن تھا جس کے سبب تہہ بند نیچے لٹک جاتا۔ اس کو آپ کو شدید احساس تھا۔ اس پر نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابوبکر رضی اللہ عنہ ...... آپ ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ حرکت ازرہ تکبر و غرور کرتے ہیں (بلکہ یہ عذر ہے) [15]۔"

معاشرہ کے پسے ہوئے طبقات کے افراد، فقیر اور غلام اور بچوں تک کے سامنے بھی آپ تکبر کا اظہار نہ فرماتے ...... اور کبھی اگر کسی کے متعلق اپنے جی میں اس قسم کا برائے نام تصور بھی آ جاتا تو اس شخص سے عفو و درگذر کی درخواست کرتے۔

آپ کھانے پینے اور لباس میں ہر ممکن حد تک حلال کا خیال کرتے ...... آپ کی صاحبزادی سیدنا عائشہ صدیقہ حمیرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"ابا حضور کے ایک غلام تھے، وہ اپنی مزدوری کا ایک خاص حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا جو آپ کی خوراک میں کام آتا ...... ایک دن وہ کچھ لایا، آپ نے اسے تناول فرمایا اس نے پوچھا معلوم ہے یہ کیا تھا؟ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تھا؟ اس نے کہا میں دور جاہلیت میں ایک شخص کے لیے کہانت جادو ٹونہ جیسے مشاغل کرتا ...... بات ٹھکانے لگ گئی ...... میں نے محض اس کے ساتھ دھوکہ کیا، اس کے معاوضہ کے طور پر اس نے مجھے یہ دیا جو آپ نے کھایا ہے۔"

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈالا اور فوراً اسے قے کر دیا [16]۔

دوسری روایت میں ہے ...... ان سے کہا گیا:

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے...... اس ایک لقمہ کی وجہ سے پیٹ میں جو کچھ تھا وہ نکال دیا؟ فرمایا اس سے میری جان بھی چلی جاتی تو سستا سودا تھا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا...... آپ فرماتے تھے...... جو جسم حرام مال سے نمو پاتا ہے۔ اس کے لیے جہنم کی آگ زیادہ موزوں ہے...... اس لیے میں ڈر گیا کہیں وہ لقمہ میرے جسم کی نمو کا سبب نہ بن جائے [17]''

حق کے اتباع میں حد درجہ حریص تھے...... اور اس کے نفاذ کے لیے بے حد بہادر و شجاع تھے...... اس موضوع پر مستقلاً آگے گفتگو ہوگی۔

نیکی اور بھلائی کے کاموں میں آپ سبقت کرنے والے تھے...... سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی تلقین فرمائی...... اس موقعہ پر اتفاق سے میرے پاس معقول سرمایہ تھا، میں نے کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بازی لے جانے کا آج ہی وقت ہے، سو میں اپنا نصف سرمایہ اٹھا لایا...... نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا...... اتنا ہی...... اب ابوبکر رضی اللہ عنہ سارا ہی سرمایہ اٹھا لائے ان سے سوال ہوا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام کی برکت؟ میں سمجھ گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بازی لے جانا ممکن ہی نہیں۔ [18]''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''آج صبح روزہ کس نے رکھا...... ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...... میں نے...... اگلا سوال تھا آج کے دن جنازہ میں شرکت کس نے کی...... یہاں بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی آگے بڑھے...... پھر مسکین کو کھانا کھلانے اور مریض کی عیادت اور تیمارداری کا سوال ہوا تو بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی اس سعادت کے حق دار تھے...... اس پر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... جس میں یہ سب باتیں جمع ہو گئیں وہ جنتی ہو گیا۔ [19]''

نیکیوں میں مسابقت اور تواضع کی ایک مثال وہ ہے جس کے راوی جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں کہ مدینہ منورہ کے نواح میں ایک بہت ہی معمر بڑھیا...... جو نابینا بھی تھی...... کی خدمت کا

Marfat.com

میرے اندر داعیہ اٹھا کہ اس کے لیے پانی کا انتظام کردوں اور دوسری گھریلو ضروریات کا اہتمام کردوں جب بھی میں آتا تو مجھ سے پہلے ہی کوئی صاحب کام کر کے جا چکے ہوتے...... ایک مرتبہ میں بہت ہی جلدی آیا...... خیال یہ تھا کہ اس سے جلدی کون آئے گا...... لیکن آنے والا آ چکا تھا...... اس سے ٹکراؤ ہو گیا، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے...... حالت یہ تھی کہ اب خلافت کی ذمہ داریاں ان پر تھیں لیکن پھر بھی اس خدمت کو اپنے ذمہ لیے رکھا...... دیکھا تو جناب عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

> ''اچھا تو اس سعادت کے مستحق بھی آپ ہی ہیں...... میری عمر کی قسم، آپ ہی ایسا کر سکتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے بکثرت رونا بھی آپ کی امتیازی صفت تھی...... یہ صفت کسی چیز پر دلالت کرتی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ہے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پاک باطنی، صفائی قلب اور اخلاص!

ایک صفت یہ تھی کہ آپ میں ایک ایسی قوت تھی کہ وہ گناہ پر غالب تھی اور کمزور قسم کے افراد کی طرح گناہ آپ پر غالب نہ تھا...... گویا نفس امارہ کی لگام قوت ایمانی کے ہاتھ میں تھی۔

لیکن آپ کی سب سے بڑی اور مہتم بالشان صفت ''شجاعت'' تھی اور ثابت قدمی...... آئندہ اسی پر ایک نگاہ ڈالی جائے گی...... چند موضوعات کے حوالہ سے...... جس سے سننے والا تعجب کا شکار ہوگا...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت بڑھے گی اور ان کی عظمت کا راز معلوم ہو جائے گا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت و ثابت قدمی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور یہی ہے کہ وہ بہت نرم مزاج تھے...... ان کا دل شفقت و مہربانی اور جود و کرم کا منبع تھا...... آپ کی صاحبزادی سیدنا عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> ''ابا حضور بہت ہی نرم دل تھے، دوسروں کے لیے ان کا دل غمزدہ رہتا...... جب وہ (نماز کے لیے) رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوئے تو آہ و بکا کے سبب ان کی آواز سنائی نہ دیتی۔''

اس میں شک نہیں کہ یہ صفات واقعی ان میں تھیں...... تاہم ان کی حیات مبارکہ میں ہم ایسے مواقع دیکھتے ہیں جب شدت دور اندیشی اور شدید احتیاط نظر آتی ہے...... اس کی تفصیل کیا ہے اور ان دونوں موقف میں کون سا درست ہے؟ اصل قصہ یہ ہے:

Marfat.com

''ابوبکر رضی اللہ عنہ بلاشبہ بہت ہی نرم دل کے مالک تھے، جس کی طرف بدر کی جنگ کے اختتام پر قیدیوں کے بارے میں ان کی رائے پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا وہ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے کئی غلاموں کی آزادی کا سروسامان کیا...... وہ کمزور مسلمانوں کی تعذیب کا اندوہناک منظر دیکھ نہ سکتے تھے...... ادھر مرتدین کے معاملہ میں ان کے قتل کی رائے واضح ہے۔ ساتھ ہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجے جانے والے لشکر کی روانگی میں بھی انہوں نے کمال ہمت کا مظاہرہ کیا باوجود یکہ مقابلہ بہت شدید تھا...... گویا ان کے دو موقف تھے...... لیکن یہ دونوں موقف اپنی اپنی جگہ ایک حقیقت کا روپ دھارے ہوئے ہیں، ہر مقام کی اپنی حیثیت ہے...... اور ہر حال کے لیے الگ موقف، جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر موقعہ ومحل کو وہ مقام اور اہمیت دیتے جس کا وہ مستحق ہے...... نرمی تب ہوتی جب نرمی کا موقعہ ہوتا اور شدت وسختی اپنے مقام پر!

جب ہم ان کی شجاعت و بہادری اور ان کی ثابت قدمی پر گفتگو کرتے ہیں...... تو ہمارا مقصود وہی حالات ہوتے ہیں، جن کے وقت اس صفت کا ہونا ضروری ہے...... شدت و صلابت کے وقت ہم انہیں تمام لوگوں میں سے بڑھ کر بہادر اور مصائب پر ہر ایک سے بڑھ کر صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے والے پاتے ہیں...... اس موڑ پر وہ کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

ہم نے آنے والے صفحات میں چھ مقامات و مواقع کا ذکر کیا ہے...... تفصیل سے بات ہوگی اور اس زاویہ سے ان کی حیات مبارکہ کے روشن پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ بس یہی واقعات ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جو بیان ہوا وہ اصل کے مقابلہ میں بہت کم ہے گفتگو اسی ترتیب سے ہوگی...... کلمہ اسلام کی سربلندی...... اپنے...... احباب کو اسلام کی دعوت...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع...... ہجرۃ کا موقعہ...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات...... وفات رسول کے حادثہ پر صدیقی کردار۔

پہلا موقعہ اعلان اسلام

ابتداء میں جہاں قبول اسلام کی گفتگو ہوئی، وہاں یہ واضح کیا گیا کہ انہوں نے کس طرح بغیر کسی تردد وشک کے فی الفور دعوت اسلام کو قبول کیا۔ ایک لحظہ کی سوچ و بچار کے بغیر بس فوراً ہی آپ نے اسلام کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

اب اس زاویہ سے گفتگو ہوگی کہ اپنے اسلام کے اعلان میں ان کی شجاعت کا کیا حال تھا......رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جس کو بھی آپ نے اسلام کی دعوت دی اسی نے مہلت مانگی غور وفکر کر لے۔

بعض وہ لوگ تھے جو اپنے اہل وعیال اور خاندان کا حساب لگانے میں مصروف تھے......اور بعض تجارت کی فکر میں پڑ گئے کہ قبول اسلام کے بعد ان کا انجام کیا ہوگا ؟......بعض اپنی چودھراہٹ کے چکر میں پڑ گئے کہ مسلمان ہونے کے بعد یہ باقی رہے گی یا نہیں؟

غور وفکر کے بعد کچھ ایمان لائے......کچھ اعلان کرنے کی جرأت نہ کر سکے......بعض محض اتنی بات پر رہ گئے کہ یہ دعوت بڑی عجیب ہے اور کلام رسول کا حسن خوب ہے، اس سے آگے وہ قدم نہ اٹھا سکے......بعض شرائط لگانے لگے کہ آپ کے بعد نبوت اور حکومت کی وراثت ان کا حق ہو اور زمین کی چودھراہٹ انہیں ملے!......لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ......وہ اس طرح ایمان لائے کہ کسی چیز کی پرواہ نہ کی......لوگوں کے لیے جو خطرات تھے، وہ کوئی خطرہ ان کے سامنے نہ تھا۔ حالانکہ ان کی تجارت تھی، مال ومتاع تھا، نفع مندی کے مسائل تھے۔ معاشرتی وجاہت وعزت تھی۔ خاندان تھا، اہل وعیال تھے اور دوست احباب!

اس سب کچھ کے باوجود قبول اسلام کی راہ میں کوئی رکاوٹ آڑے نہ آ سکی......جب کہ یہ واضح تھا کہ اس کا حساب اس طرح سامنے آئے گا کہ ڈر ہوگا ظالمانہ رویہ ہوگا، تجارت میں مندا ہوگا، خاندان کی دشمنی ہوگی اور احباب کی دوری......(لیکن کسی چیز کی) پرواہ نہ کی ابوبکر......رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلام سنی تو دنیا اور اس کے جملہ مفادات کو پوری قوت وجرأت کے ساتھ پٹخ دیا......ابھی چالیس شخص بھی مسلمان نہ ہوئے تھے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقاضا فرمایا کہ دعوت دین کا کھلے بندوں اظہار ہو......مسجد میں اس کا اعلان ہو اس راہ میں جو ان پر گزری اسکا ذکر گزر چکا۔

جب حالات کی سنگینی نے مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو انہوں نے اس قربانی سے بھی دریغ نہ کیا......اس مرحلہ پر ''ابن الدغنہ'' انہیں واپس لائے اور کہا:

''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تمہارے جیسا آدمی نہ اپنی مرضی سے نکلے گا نہ اسے کوئی نکال سکے گا''۔

Marfat.com

ابن الدغنہ نے آپ کو پناہ دی، قریش نے اس پناہ کو قبول کیا......اس کی شرط یہ تھی کہ اپنے رب کی عبادت کریں لیکن اپنے گھر میں اور نماز پڑھیں ، جس مقدار میں چاہیں اور جو چاہیں پڑھیں......تلاوت......!

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی، اس میں وہ نماز ادا کرتے، خواتین اور ان کے بچے ان کی نماز کی کیفیت دیکھنے اور قرأت سننے کے لیے جمع ہو جاتے ، وہ رک جاتے ، آپ کو دیکھتے اور قرأت سنتے ! اس سے شرفاء قریش گھبرا گئے ابن الدغنہ کے پاس پیغام بھیجا اور کہا:

> ''ابوبکر رضی اللہ عنہ تو نماز وقراءت کا معاملہ کھلے بندوں کر رہے ہیں......ان سے کہیں کہ یہ کام مخفی طریق سے کریں یا آپ اپنی پناہ واپس لے لیں کہ ہمیں یہ کیفیت گوارا نہیں۔''

> ابن الدغنہ آئے اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ قریش کا یہ پیغام ہے......لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ کی پناہ سے نکل کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کی پناہ میں دیتا ہوں۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں اخفاء نہ تھا...... جو ہے کھلے بندوں ہے......اور نہ ہی کسی کا خوف ان کے مزاج میں تھا......اس لیے تو ابن الدغنہ کی پناہ سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ اور رسول کی پناہ میں آ گئے......اور پرواہ نہیں کی کہ کیا ہوگا......اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جو ہو سو ہو......حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے......آپ ایک جماعت میں گفتگو کر رہے تھے ان سے پوچھا:

> ''آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ؟......لوگ چپ رہے تو جناب علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کا ایک لمحہ آل فرعون کے لاتعداد مومنوں سے (چاہے اتنی مقدار میں ہوں کہ ان سے زمین بھر جائے) بہتر ہے......آل فرعون کا مومن اپنے ایمان کو چھپاتا تھا لیکن ابوبکر......رضی اللہ عنہ نے دھڑلے سے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔''

دوسرا موقعہ و مرحلہ اپنے احباب کو دعوت اسلام

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ...... نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا کہ دعوت کو کھلے بندوں قبول کیا......اعلانیہ نماز پڑھی......علانیہ قرأت کی بلکہ اپنے احباب کے پاس گئے اور انہیں کھلے بندوں

Marfat.com

دعوت دی...... اس کا نتیجہ واضح تھا کہ ان کے دوست احباب کم سے کم تر ہو گئے...... بلکہ انہوں نے دشمنی کا رویہ اختیار کیا، تمسخر واستہزا کا معمول اپنالیا اور قطع تعلقی کر لی...... لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہیں کی انہوں نے جس حق کا مشاہدہ کیا...... چاہا کہ اپنے احباب کو اس کا مشاہدہ کرائیں...... اس کے لیے ہر طریق اختیار کیا، یہ کیا تھا؟...... یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری تھی، آخر اس کوشش کے ثمرات بھی سامنے آئے اور اکابر صحابہ کی ایک جماعت نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا:

"عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، ابوعبیدہ بن الجراح، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن مظعون ابوسلمہ، الارقم اور خالد بن سعید...... رضی اللہ عنہ جیسے حضرات آپ کی ہی دعوت سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔"

قریش میں سے یہ حضرات اسلام کے لیے سورج کی روشنی کی مانند تھے...... اسلام کی بلند و بالا عمارت کے لیے یہ لوگ بنیاد کی اینٹیں تھیں...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی شجاعت و بہادری توفیق الٰہی پر منحصر تھی اور اس راہ میں یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے عظیم تر فضیلت ہے...... وہ راہ حق کی طرف اس طرح دعوت دیتے جس میں نہ خوف تھا نہ ڈر...... بڑی صراحت و وضاحت اور اخلاص کے ساتھ دعوت کا کام ان کی شان تھی۔

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا...... (قبول اسلام سے قبل) کہ وہ آگ کے کنارے کھڑے ہیں...... انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کے معاملات کی وسعت سمجھا...... یہ بھی دیکھا کہ ان کا باپ انہیں اس میں دھکیل رہا ہے اور رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ انہیں کولھو سے پکڑ رہے ہیں کہ گر نہ جائیں...... یہ نیند میں گھبرا گئے اور کہا کہ اس میں شک نہیں کہ بخدا یہ خواب سچا ہے...... پھر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات پر انہیں اس خواب سے آگاہ کیا...... انہوں نے فرمایا:

"میں تیری بہتری کا متمنی ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان کی اتباع کر لو، اسلام جہنم کی آگ سے تیرے بچاؤ کا سبب بنے گا...... تیرے باپ اس میں گریں گے۔"

پس خالد بن سعید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور پوچھا کہ آپ کی دعوت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا...... میں ایک سچے معبود جل و علیٰ مجدہ کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی کہ محمد...... اس کے بندے اور رسول ہیں۔

چنانچہ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور یوں شرف صحابیت حاصل کر لیا۔

Marfat.com

تیسرا موقعہ......رسول اکرم کا دفاع

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) سے پوچھا گیا اہل شرک کی طرف سے پیغمبر اسلام کے خلاف سب سے بڑھ کر ایذا رسانی کب ہوئی؟ حضرت اسماء نے بتلایا:

اہل شریک مسجد حرام میں بیٹھے تھے......ذکر تھا رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان باتوں کا جو اللہ تعالیٰ کے رسول، ان کے جھوٹے معبودوں کے متعلق فرماتے۔ اسی دوران رسول اکرم بھی وہاں تشریف لائے......کفار آپ کی طرف متوجہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے آپ سے بعض باتیں پوچھیں۔ آپ نے انہیں سچ بتلایا......پھر پوچھا آپ نے ہمارے معبودوں کے متعلق فلاں فلاں بات کہی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا...... بالکل کہی ہیں۔ وہ بدبخت آپ پر ٹوٹ پڑے، ایک چلانے والے نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پکارا کہ تمہارا دوست نرغہ میں ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے......ہوئے انہوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول تنہا ہیں اور لوگ آپ کے اردگرد جمع ہیں......گھیرا ہوا ہے......ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا......تمہارا خانہ خراب ہو......اس مرد کامل کو محض اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب ایک اللہ ہے جب کہ وہ اپنے مؤقف کی سچائی کے لیے اپنے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے۔ وہ نامراد رسول اکرم کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پل پڑے......انہیں مارنا شروع کر دیا۔

حضرت اسماء فرماتی ہیں......ابوبکر رضی اللہ عنہ اس حال میں لوٹے کہ کوئی زیادتی ایسی نہ تھی جو ان کے ساتھ روا نہ رکھی گئی ہو......لیکن ان کی زبان پر یہ تھا...... تبارکت یا ذوالجلال والاکرام......اے عزت و بزرگی والے رب، تو بڑی برکت والا ہے۔

ایک مرتبہ مشرکین مکہ......مکہ میں رسالت مآب کے گرد جمع ہو گئے، کوئی آپ کو پکڑ کر گھسیٹنے کی کوشش کرتا تو کوئی دوسرا پکڑ کر پھر دوسری طرف کھینچتا۔ ان کا کہنا تھا......کہ آپ ہمارے معبودوں کی نفی کر کے ایک معبود کی بات کرتے ہیں؟ بخدا اس وقت سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کوئی قریب نہ آیا......

ابوبکر رضی اللہ عنہ تن تنہا ان سے الجھ گئے کسی کو دھپا مار کر ادھر پھینکا تو کسی کو ادھر......اور فرمایا:

Marfat.com

''تمہارا ستیاناس ہو...... آپ کو اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ آپ کہتے ہیں
کہ میرا رب اللہ ہے۔''

کیا یہ جرأت رندانہ اور شجاعت مردانہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق کا ایسے وقت دفاع کرنا جب کہ معلوم ہو کہ اس کا انجام آلام و مصائب ہیں لیکن انہوں نے یہ کیا جو اس راہ میں مصیبت آئی اس پر صبر کا مظاہرہ کیا۔

آپ کو اتنا پیٹا کہ چہرہ کے نقوش ظاہر نہ ہوتے بلکہ سارا چہرہ سوج گیا۔ آپ کو شدید آلام کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

~~چوتھا موقعہ~~......ہجرت

کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپس میں مشورہ کیا کہ آپ کے معاملہ میں کیا رویہ اختیار کیا جائے اور آپ سے کیا سلوک کیا جائے؟ آپ کے رفقاء ترک وطن کر کے یثرب جا رہے ہیں...... یہ بھی ایک دن چلے جائیں گے، انہیں اس سے روکنا لازم ہے...... کیا کیا جائے...... قتل، قید، جلا وطنی......؟

باہم مشوروں کے بعد وہ اس بات پر متفق ہوئے کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک بہادر، جرأت مند اور حوصلہ مند جوان لیا جائے پھر ہر ایک کو ایک ایک تلوار دی جائے پھر وہ نوجوان آپ کے قتل کا قصد کریں اور ایک ہی ہلہ میں آپ کو قتل کر دیں...... اس طرح آپ کا خون کئی قبائل میں بٹ جائے گا اور آپ کا قبیلہ بنو عبد مناف ساری قوم سے بدلہ لینے پر قادر نہ ہوگا...... طے شدہ قرارداد کے مطابق وہ سب رسول اکرم کے دروازے پر جمع ہو گئے اور انتظار کرنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ان کے سامنے سے نکل کر جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور پھر اکٹھے اس سفر پر روانہ ہو گئے۔

رسول اللہ کی رفاقت...... ایسے حال میں جب کہ آپ کے خون کی قیمت لگ چکی ہو...... کون کر سکتا ہے...... مزید یہ کہ ہر جگہ آپ کی تلاش جاری ہو۔ ایسے میں رفاقت اختیار کرنے والا ساتھ ہی قتل ہوگا بلکہ آپ سے پہلے......؟

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی کون جرأت کر سکتا ہے؟ اور ایسے وقت میں جب کہ سارے کفار آپ کے قتل کی رائے پر مجتمع ہو چکے ہوں...... مکہ سے نکلنے کی تدبیر اور سامان سفر کون

Marfat.com

تیار کر سکتا ہے؟ اب کفار کی طرف سے کوئی کسر باقی نہ تھی......اب تو محض اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانا باقی تھا...... بلاشبہ وہ حوصلہ مند شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہو سکتے تھے......جنہوں نے کمال وخوشی و مسرت سے اقدام کیا......پس اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ ان سے، سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے جب بابا جان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی اجازت دے دی تو بابا نے آپ سے عرض کیا......اور میری رفاقت کا بھی حکم ہے؟

فرمایا......ہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ تمہاری رفاقت کا بھی حکم ہے۔

اماں عائشہ فرماتی ہیں......اللہ تعالیٰ کی قسم! اس سے قبل میں نے کسی کو خوشی سے روتے نہیں دیکھا......اس دن میرے بابا ابوبکر رضی اللہ عنہ خوشی سے رونے لگے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت، ہجرت کی راہ میں قدم قدم پر ظاہر ہوتی ہے......اپنے گھر سے رسول اکرم کے ساتھ نکلنا......غار ثور میں اس طرح داخل ہونا کہ نبی مکرم سے پہلے تشریف لے جانا تاکہ آپ کی حفاظت کا سامان کر سکیں اور اپنے آپ کو قربان کر سکیں...... غار سے نکل کر راستہ میں چلنا......اپنے اہل وعیال کو کافرانہ ماحول میں مکہ میں چھوڑنا...... جب کہ وہ جانتے تھے کہ کفار، اللہ تعالیٰ کے رسول سے ان کے تعلق کو جانتے ہیں اور اس کا انتقام اہل وعیال سے لے سکتے ہیں......اسی طرح کی اور باتیں۔

ساتھ ہی ان کی شجاعت کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ ان کا سارا خاندان...... نبی مکرم کی خدمت کے لیے سرگرم عمل ہے......بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا تین دن غار میں کھانا لے کر آتی ہیں تو بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ مکہ میں ہونے والے مشوروں اور فیصلوں سے مطلع کرتے رہے اور غلام عامر بن فہیرہ دن بھر بکریاں چرا کر سر شام غار کے پاس آجاتے کہ تازہ دودھ فراہم ہو سکے اور راہ ہجرت کے مسافر پی سکیں۔

بلاشبہ وہ صدیق ہی تھے......اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے......اس کے رسول سے محبت کا حق ادا کیا......اس طرح کہ دنیا اور متاع دنیا کی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ تھی......رضی اللہ عنہ۔

پانچواں مرحلہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شرکت

کسی جنگ میں جو قائد ورہنما ہوتا تھا......دشمن کا ہدف ونشانہ وہی ہوتا ہے، اسی کی ذات ہوتی ہے، جس کو ہر تیر وتلوار اور گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور مکر وفریب کے تمام جال اس کو قتل کرنے کے لیے اس کے گرد بچھائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

خطرات کی دنیا میں قائد انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑھ کر قریب جو شخصیت تھی اور آپ کے شانہ بشانہ پہلو بہ پہلو جو تھا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ تمام غزوات میں وہ آپ کے ہمراہ تھے کسی غزوہ میں...... بدر سے لے کر تبوک تک وہ نہ پیچھے رہے نہ دور!

غزوۂ بدر میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھپر کے نیچے تھے...... ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی وہیں تھے تاکہ آپ کی حفاظت کا فرض انجام دے سکیں...... آقا و نیاز مند ساتھ ساتھ تھے، یہ مہم بہت ہی صبر آزما تھی۔ اس کے لیے شجاعت و بہادری اور صبر و ثبات کی بے حد ضرورت تھی۔

سیدنا المخدوم علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی مجلس میں گفتگو ہوئی۔ کہ سوال یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر بہادر کون ہے؟ کسی نے کہا...... امیر المومنین آپ! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو صحیح ہے کہ جو میرے مدمقابل آیا میں اس پر غالب آیا اور اس سے نمٹا۔ لوگوں میں سب سے بڑھ کر بہادر تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، بدر کے دن ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھپر بنایا اور ہم نے کہا کہ آپ کے ساتھ کون رہے گا تاکہ مشرک آپ تک رسائی حاصل نہ کر سکیں...... اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم میں سے سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کوئی قریب نہ آیا۔ وہ اپنی تلوار ننگی کر کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے۔

اسی غزوہ میں ان کا بیٹا عبدالرحمٰن کافروں کے ساتھ تھا وہ بہت بہادر تھا اور اس کی نیزہ بازی کی دھاک تھی...... وہ صفیں چیرتا ہوا آگے بڑھا اور مقابلہ کی دعوت دی مقابلہ کے لیے اس کے باپ آگے بڑھے...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ...... لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے نہ بڑھو تمہاری ہمیں ضرورت ہے ہمیں اپنے وجود سے فائدہ پہنچاؤ۔"

اس سے بڑھ کر بہادری کیا ہو گی کہ ایک شخص...... اپنے ہی بیٹے کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا...... وہ بیٹا جو شجاعت و بہادری میں مشہور ہے، جرأت مند ہے، صاحب قوت ہے اور ساتھ ساتھ بھرپور جوانی کی منزل میں ہے (اس کے بالمقابل جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ لگ بھگ ۵۲ برس کے تھے)

اس نقطہ نظر سے دیکھو کہ اپنا بیٹا ہے جگر کا ٹکڑا ہے لیکن (عقیدہ اور نظریہ کے سبب ذرا برابر رحم دلی نہیں اور نہ ہی باپ ہونے کا رشتہ رکاوٹ بنتا ہے...... تو ان کی شجاعت و بہادری اور اپنے عقیدہ میں عزم و ثبات کی ایک نئی کہانی سامنے آتی ہے۔

Marfat.com

غزوہ احد اور غزوہ حنین...... میں آپ ان لوگوں میں شامل تھے۔ جو ہر حال میں ثابت قدم رہے...... اس وقت بھی جب لوگ گھبراہٹ کے سبب ثابت قدم نہ رہ سکے اور بڑے بڑے بہادر صدمہ کے سبب بکھر گئے۔

غزوۂ تبوک میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا جھنڈا جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تھمایا...... ظاہر ہے کہ ''علمبردار'' ایک ایسی شخصیت ہوتی ہے کہ وہ دشمن کے حملوں کی زد میں ہوتی ہے اور ساری جنگ اس کے ارد گرد لڑی جاتی ہے...... جھنڈا گر جانے کا معنی لشکر کی شکست ہے اس لیے جھنڈا وہی اٹھا سکتا ہے جو بہت ہی باہمت، بہادر اور شجاع ہو۔

فتح مکہ کے موقعہ پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایسی جگہ تھے (کیتبة الخضرء) جہاں صرف لوہے کے انگارے ہی نظر آتے تھے۔ اگر طوالت کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہم ایک ایک غزوہ کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو کرتے جس سے تسلی و تشفی کا سامان ہو جاتا لیکن یہ تحریر اس طوالت کی متحمل نہیں، اس لیے اشارہ ہی کافی ہے جس سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جرأت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر اس واقعہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس کا تعلق آپ کے خلیفہ بن جانے کے بعد ہے...... یعنی مدینہ منورہ اور اسلامی ریاست کو مرتدین کے حملوں سے بچانا اور اس کا مؤثر دفاع۔

جب یہ خبریں پہنچیں کہ طلحہ نامی مرتد اعظم کے اصحاب مدینہ کی بربادی کے لیے تہیہ کر چکے ہیں اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے روانہ ہو جانے کے بعد ان کی ہمتیں مزید بڑھ گئی ہیں تو آپ نے لشکر کا اہتمام کیا۔ پھر رات میں ہی آپ نکلے۔ لشکر کے سرے پر آپ خود تھے دائیں طرف نعمان بن مقرن اور بائیں طرف عبد الرحمٰن بن مقرن...... جب کہ آخر میں سوید بن مقرن...... رضی اللہ عنہم...... طلوع فجر ہوتے ہی آپ اور دشمن ایک ہی میدان میں تھے، مسلمانوں نے ان سے اس طرح بہت ہمت و جرأت سے مقابلہ کیا کہ وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ پھر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں چلے گئے...... آپ خود لشکر کی قیادت فرما رہے تھے ''ذوالقصہ'' نامی گاؤں (مدینہ منورہ کے قریب) پہنچ گئے...... اب بھی آپ کا عزم مصمم یہی تھا کہ خود ہی ان کا پیچھا فرمائیں لیکن مسلمانوں نے عرض کیا:

Marfat.com

''اے خلیفہ رسول...... ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں...... اگر آپ کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو لوگوں کے لیے کوئی نظام باقی نہ رہے گا، دارالحکومت میں آپ کو موجودگی دشمن کے خلاف زیادہ مفید و موثر ہوگی...... کسی دوسرے شخص کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجیں، وہ شہید ہو جائے گا تو دوسرا بھیجا جا سکتا ہے...... لیکن آپ خود (الخ)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی قسم! ایسا نہ ہوگا، نہ ہی اپنے آپ کو تم پر ترجیح دوں گا...... اس طرح آپ چلتے رہے حتیٰ کہ ''الابیرق'' نامی قصبہ (مدینہ کے قریب) جا پہنچے...... پھر دشمنوں سے مقابلہ ہوا، بنو بکر، بنو عبس اور بنو ذبیان نامی قبائل جو مدمقابل تھے، بری طرح شکست کھا گئے...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کئی دن اسی جگہ مقیم رہے...... اور پھر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے...... رضی اللہ عنہ۔

چھٹا مرحلہ: وفات رسول کا موقعہ

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن مسلمانوں کو سخت پریشانی سے دوچار ہونا پڑا، بہت سے حضرات اپنے حواس کھو بیٹھے...... حتیٰ کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا شخص جی ہار کر بیٹھ گیا اور کہا:

''منافقوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول انتقال کر گئے...... جب کہ اللہ تعالیٰ کے رسول پر موت نہیں آئی بلکہ آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ ایسے ہی جیسے موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تھے...... وہ اپنی مرضی سے چالیس دن غائب رہے پھر وہ واپس تشریف لائے...... جب کہ پروپیگنڈا یہی تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا...... اللہ تعالیٰ کی قسم، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور واپس تشریف لائیں گے، جیسے موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے، جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی موت کا پروپیگنڈا کر رہے تھے۔''

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مدمقابل آنے کی کس کو جرأت ہوئی؟......اور اس عظیم حادثہ کے اعلان کا حوصلہ کس نے کیا؟......

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات رسول کے دن صبح کے وقت آپ کی حالت بہتر دیکھی تو اجازت لے کر اپنے مکان تشریف لے گئے......آپ کا مکان ''السنح'' نامی جگہ واقع تھا جو مدینہ منورہ کے قریب ہے......جب وہاں انہیں یہ اندوہناک خبر ملی تو تشریف لائے مسجد کے دروازے پر پہنچے تو عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے مصروف گفتگو تھے......سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی طرف متوجہ ہوئے بغیر اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کے پاس تشریف لے گئے......کمرے کے درمیان اللہ تعالیٰ کے آخری نبی کپڑے میں لپٹے آرام فرما تھے......یمن کے علاقہ کی چادر آپ پر ڈھکی ہوئی تھی......جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ وجود مقدس کی طرف متوجہ ہوئے، چہرے انور کو ننگا کیا، اس پر متوجہ ہو کر اسے بوسہ دیا اور کہا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان اللہ تعالیٰ نے جو موت آپ کے لیے لکھی تھی
اس کا ذائقہ آپ نے چکھ لیا اس کے بعد آپ پر کبھی موت طاری نہ ہوگی''

پھر آپ کے چہرۂ انور پر چادر ڈال دی......اور باہر تشریف لائے، جناب عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک گفتگو فرما رہے تھے......آپ نے فرمایا......بس عمرؓ چپ کرو......لیکن وہ برابر گفتگو کرتے رہے جب جناب ابوبکر نے دیکھا کہ وہ چپ نہیں کرتے تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

لوگوں نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو وہ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تنہا چھوڑ دیا......اب جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، اس کی ثنا کی اور فرمایا:

''اے لوگو! جو شخص تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا......تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً انتقال کر گئے......اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ تعالیٰ زندہ ہیں، کبھی ان پر موت نہ آئے گی......پھر یہ آیت پڑھی......ترجمہ ہے:

''اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے رسول گزر چکے ہیں (جو اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے اور راہ حق کی دعوت دے کر دنیا سے چلے گئے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ وفات پائیں (اور بہر حال انہیں ایک دن وفات پانا ہے) یا فرض کرو (ایسا ہو کہ لڑائی میں قتل

Marfat.com

ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے) اور ان کے مرنے کے
ساتھ ہی تمہاری حق پرستی بھی ختم ہو جائے گی؟) اور جو کوئی راہ حق سے الٹے
پاؤں پھر جائے گا تو وہ (اپنا ہی نقصان کرے گا) خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، جو
لوگ شکرگزار ہیں (یعنی نعمت حق کی قدر سمجھنے والے ہیں) وہ وقت دور نہیں کہ
خدا انہیں ان کا اجر عطا فرمائے گا۔[20]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں...... اللہ کی قسم ایسے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ جانتے ہی نہیں کہ یہ آیت بھی نازل ہوئی ہے...... حتیٰ...... کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے تلاوت کیا...... تو گویا اب یہ آیت نازل ہوئی...... اور لوگوں نے یہ آیت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہی سیکھی...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مخاطب کر کے کہا:

''بخدا جونہی میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سنی تو میں حیران رہ گیا......
گویا اب میری سمجھ میں آیا...... میں زمین پر گر پڑا، میرے پاؤں نے میرا بوجھ
اٹھانے سے انکار کر دیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حادثہ
موت سے دوچار ہو چکے ہیں۔''

یقیناً مصیبت المناک تھی اور معاملہ سنگین اور حادثہ اندوہناک اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی وہ شخص تھے۔ جنہوں نے فیصلہ کن بات کی اور اس سنگین واقعہ کا اعلان کیا...... اس بات کی ہمت وہی کر سکتا ہے جسے مضبوط دل عطا کیا گیا ہو...... اور شجاعت سے وافر حصہ ملا ہو، طاقت بے پناہ اور زبردست عقل اور حکمت بالغہ[21] اس کا سرمایہ ہو۔

اور بلاشبہ اس کے مصداق صرف اور صرف سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے...... اللہ تعالیٰ کی ان پر بے حد و حساب رحمتیں!

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ارشادات کی تکمیل

لوگوں کی سچائی کا اندازہ مشکلات کے وقت ہوتا ہے اور سچ اور جھوٹ کی تمیز کا وقت شدائد و مصائب کے وقت ہوتا ہے...... جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد ثابت کیا کہ سچا مطیع و فرمانبردار وہ ہوتا ہے جو دائرہ اطاعت سے بال برابر ادھر ادھر نہ ہو۔

Marfat.com

اب اگر اللہ تعالیٰ کے رسول نے انہیں ''صدیق'' کا لقب دیا اور جہنم سے عتیق (آزاد) بتلایا اور انہیں جنت کی بشارت دی...... تو اس میں مطلق تعجب کی بات نہیں...... اور اس میں بھی تعجب کی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی جب اپنے عزیز ساتھی کو دیکھیں تو آپ کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو جائے اور اس میں بھی تعجب نہیں کہ کوئی شخص جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی بات کرے تو اللہ تعالیٰ کے نبی اس کا دفاع کریں اور شکایت کے انداز میں فرمائیں: حدیث مبارک ایک نظر میں لائیں:

''تو کیا تم مجھ سے میرے عزیز دوست کو الگ کرنا چاہتے ہو؟ [۲۲]''

اور جب ہم نے ان مواقع کو شمار کیا...... جن کا تعلق اطاعت و تابعداری سے ہے، تو ان مواقع کا شمار ممکن نہیں ہو سکا، اس لیے کہ آپ کی ساری زندگی اسی سے عبارت ہے...... کوئی کلمہ آپ کی زبان سے نکلا یا کوئی ایسا موقعہ آیا تو اس سے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جذبہ اطاعت کا ہی اندازہ ہوتا ہے...... محسوس ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں آپ کتنے حریص تھے اور کس قدر اس کی کوشش فرماتے...... یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں آپ ایک فرد نہیں...... ایک امت ہیں......

ہم محض پانچ مواقع کے حوالہ سے بعض تفصیلات کا ذکر کریں گے...... اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ تمام صحابہ کرام سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کس قدر ممیّز ہیں...... باوجودیکہ باقی حضرات کی فضیلت جذبہ اطاعت اور رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی بھی اپنی مثال آپ ہے۔

پانچ مواقع یہ ہیں...... صلح حدیبیہ...... جیش اسامہ کی روانگی...... ارتداد کی لڑائیاں...... سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وراثت طلب کرنا...... قرآن جمع کرنے کا مرحلہ......

صلح حدیبیہ...... اے عمر اپنے دائرہ میں رہو

اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام زیارت کعبہ کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے، مہاجر، انصار اور دوسرے عرب ہمراہ تھے، قربانی کے جانور اس پر مستزاد...... آپ نے عمرہ کا احرام باندھا تا کہ سب جان لیں کہ جنگ مقصد نہیں، بس کعبۃ اللہ کی زیارت اور اس کی تعظیم کے لیے یہ سفر ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان مطمئن اور بہت خوش تھے...... ایک طویل عرصہ کی محرومی کے بعد انہیں مناسک کا موقعہ مل رہا تھا...... زیادہ اطمینان اس وجہ سے تھا کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ

Marfat.com

آپ مکہ میں امن واطمینان سے داخل ہورہے ہیں...... اللہ تعالیٰ کے نبی کا خواب سچا ہوتا ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان اس کے جوں کے توں وقوع پذیر ہونے میں شک کا سوچ بھی نہ سکتے تھے، للہذا وہ بالکل مطمئن ہوکر سفر پر نکلے اطمینان کیوں نہ ہوتا؟...... اللہ تعالیٰ کے رسول ان کے ساتھ تھے...... قربانی کے جانور ہمراہ تھے...... وہ مکہ کے بہت قریب آ گئے، اب ان کے اور مکہ کے درمیان محض چند پہاڑ حائل تھے۔

ادھر مکہ میں ہل چل مچ گئی...... جب اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول تو گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں...... انہوں نے (اس حقیقت سے) انکار کردیا اور طے کرلیا کہ نبی علیہ السلام کبھی داخل نہ ہوسکیں گے...... یہ محض دشمنی اور ظالمانہ عداوت تھی...... انہوں نے امتناعی لشکر کا اہتمام کیا کہ جناب خالد بن الولید اس کے سربراہ تھے...... وہ ہنوز کافر تھے...... لشکریوں نے سوچنا شروع کردیا کہ راستہ کی مشکلات سے کیوں کر چھٹکارا حاصل ہو؟ اللہ تعالیٰ کے نبی جنگ نہیں...... محض عمرہ کا ارادہ رکھتے ہیں...... اور وہ (اہل مکہ) قطعاً آپ کو داخل نہیں ہونے دینا چاہتے...... تاکہ ان کی قدرومنزلت کا سکہ اہل عرب میں چلتا رہے اور ان کی سیادت پر حرف نہ آئے۔

مکہ معظمہ کی اردگرد کی دیہاتی آبادی...... اہل مکہ کے ساتھ متفق نہیں...... وہ نہیں چاہتے کہ اہل مکہ، رسول اللہ کے ساتھ جنگ لڑیں کیوں کہ وہ لوگ سن چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور ان کے رفقاء محض بیت اللہ کی تعظیم اور عمرہ کے لیے آرہے ہیں...... اہل دیہات اس پر متفق نہ تھے کہ اہل مکہ رسول اللہ کو روکیں۔ اس لیے ان کے سامنے سوائے صلح کے اور کوئی راستہ نہ تھا...... صلح اس پر کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اس سال لوٹ جائیں...... لیکن صلح کا طریقہ کیا ہو؟ نبی علیہ السلام مکہ معظمہ سے محض دو پڑاؤ پر تھے...... کعبہ سامنے لیکن پہنچنا محال...... یہ بات آپ کے رفقاء پر شاق گزر رہی تھی لیکن نبی محترم اچانک رک گئے، اونٹنی بیٹھ گئی۔ آپ نے اعلان فرمایا:

"اونٹنی تھک کر نہیں بیٹھی بلکہ اسے اسی ذات پاک (اللہ تعالیٰ) نے روک دیا جس نے کبھی ابرہہ کے ہاتھیوں کو مکہ سے روکا تھا۔"

اور فرمایا:

"آج کے دن قریش کسی ایسے مقصد کے لیے اگر مجھے دعوت دیں جس میں صلہ رحمی کا جذبہ ہوتو میں یقیناً مثبت جواب دوں گا۔"

Marfat.com

آپ نے احباب کو حکم فرمایا کہ وہ سواریوں سے اتر جائیں قیام کر لیں اسی اثناء میں قریش کے نمائندے آ گئے۔

بدیل بن ورقاء الخزاعی آئے...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں آئے ہیں، مقصد سفر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال درجہ سچائی سے اپنا مقصد واضح فرمایا...... وہ قریش کی طرف لوٹ کر چلا گیا اور انہیں گفتگو سے آگاہ کیا۔

پھر مکرز بن حفص آئے...... الحلیس بن علقمہ (الاحابلیس کے سردار) آئے...... عروہ بن مسعود آئے، سب نے جا کر قریش کو اطمینان دلایا لیکن قریش کا اصرار اپنی جگہ موجود رہا......

ادھر سے آپ نے حضرت عثمان بن عفان الاموی القریشی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ مقصد رسالت کی یہ بھی وضاحت کر سکیں...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں صورت حال بتلائی لیکن قریش مصر رہے کہ رسول اللہ داخل نہیں ہو سکتے اور وہ برابر بحث کرتے رہے کہ معاملہ کیسے ٹلے......

پھر قریش نے سہیل بن عمرو کا معاملہ دیکھا...... جوان کی قید میں تھے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدد لینے پہنچ گئے...... مسلمانوں کی غیرت اور عزم بڑھ گیا، انہیں محسوس ہوا کہ وعدے کا وقت قریب ہے، خاص طور پر جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پر موت کی بیعت کی...... اور جب قریش کے تیس نوجوان قیدی کی شکل میں سامنے آ گئے، ان کی آزادی کا اللہ تعالیٰ کے نبی نے عزم کر لیا۔ اپنے احباب سے مشورہ فرمایا...... حالات ایسے تھے کہ گویا توفیق الٰہی جنگ کی شکل میں مسلمانوں کے ساتھ ہے...... پھر ٹھیک انہی حالات میں سہیل بن عمرو مدد کے لیے آ پہنچے اللہ تعالیٰ کے نبی نے ان کا استقبال کیا، ان کی خواہش یہی تھی کہ اپنی قوم میں واپس نہ ہوں۔

سہیل نے لمبی گفتگو کی، ایسی شرائط پیش کیں جو صلح کے لیے مفید تھیں...... نبی علیہ السلام نے موافقت کا اظہار فرمایا۔ اب معاملہ بس اتنا تھا کہ تحریر تیار ہو، جس پر فریقین دستخط کر دیں۔

شرائط کی خبر پھیل گئی اور شرائط کی تفصیل بھی سامنے آ گئیں...... مسلمان ششدر رہ گئے کہ نبی علیہ السلام کیسے متفق ہو گئے؟ مکہ میں داخل ہونے کے وعدہ کا کیا بنا؟ مسلمان عمرہ کے بغیر کیسے واپس جائیں جبکہ وہ مکہ کے پھاٹک پر آ پہنچے ہیں اور قربانیوں کے جانور بھی ان کے ساتھ ہیں......

حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے، موقف برداشت کرنا مشکل تھا لیکن کیا کیا جائے؟

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، سر کے بال بکھرے ہوئے...... ان سے سوالات کیے...... ایسے سوالات ہیں جن کو زبان پر لانا مشکل تھا، دکھ اور اندوہ کے ساتھ۔

''ابوبکر رضی اللہ عنہ...... کیا ہمارے آقا رسول نہیں؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' ...... کیوں نہیں...... آپ رسول ہیں''۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ...... کیا ہم مسلمان نہیں؟

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ...... کیوں نہیں...... الحمدللہ ہم مسلمان ہیں۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ...... تو ہم اپنے دین کے معاملہ میں کسی سچائی کے علمبردار ہیں؟

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا...... اس موڑ پر ان کا موقف واضح ہوتا ہے، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان وابستگی اور اطاعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس مرحلہ پر حقائق واضح ہوتے ہیں...... جن میں افراد کی عقلوں کو ناپا جاتا ہے...... ان کی عقل، ثابت قدمی اور شعور وفہم کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... عمر رضی اللہ عنہ اپنے دائرہ میں رہو...... میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

یہ حکیمانہ کلام ہے ایک ایسے شخص کی طرف سے جو حکیم (دانا)...... ہے اس کے باوجود جناب عمر رضی اللہ عنہ...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ ذاتی طور پر گفتگو کی۔

آپ نے فرمایا...... اے عمر رضی اللہ عنہ...... میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں، اس کے حکم کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرا رب مجھے ضائع کرے گا۔'' پریشانی کا جو حال تھا اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنہا نہ تھے سبھی مسلمان پریشان تھے، جس انداز سے سفر کا اختتام ہو رہا تھا وہ ایک سنگین بوجھ تھا ان کی نظریں پتھرا چکی تھیں...... اس لیے جب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اٹھو اور قربانی کے جانور ذبح کر کے سر منڈا دو...... تو کوئی بھی نہ اٹھا...... مقصد یہ تھا کہ لوگ عمرہ کا لباس اتار کر حالت احرام سے نکل جائیں...... تین مرتبہ یہ بات دہرائی گئی...... یہ خوف اپنی جگہ تھا کہ نبوت کے حکم کی نافرمانی کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ اسی کش مکش میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ ان سے ذکر کیا کہ یہ صورت حال ہے تو انہوں نے عرض کیا:

Marfat.com

''میرا مشورہ پسند ہے؟ آپ کسی سے بات نہ کریں تشریف لے جائیں، قربانی فرما دیں اور حجام کو بلا کر سر منڈا دیں...... (اس سے لوگ خود بخود ایسا ہی کریں گے'')۔

چنانچہ آپ باہر تشریف لے گئے کسی سے بات کئے بغیر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر عمل کیا...... مسلمانوں نے دیکھا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ طبائع پر بوجھ کی وجہ سے عقلیں ذہول کا شکار تھیں۔ اس سے چھٹکارا ملا...... صحابہ نے محسوس کرلیا کہ اب ایسا نہ کرنا نبوت کی نافرمانی ہوگی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر قربانی میں لگ گئے اور ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے، حتیٰ کہ افراتفری میں نقصان کا احتمال نظر آنے لگا کہ حجامت کا ہتھیار ادھر ادھر آ کر زخمی کرنے کا سبب نہ بن جائے۔

سب لوگوں کا یہ حال تھا...... بے چینی، اضطراب، پریشانی، افراتفری...... لیکن تنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جن کا حال دوسرا تھا...... جن کی سوچ دوسری تھی:

''اے عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ میں رہو، اپنے کام سے کام رکھو...... بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں...... صلی اللہ علیہ وسلم...... و رضی اللہ عنہ!''

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی...... تم چاہتے ہو میں اسے معزول کردوں؟

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ محض ۱۸ برس کے تھے جب نبی علیہ السلام نے جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھما کر انہیں حدود شام کی طرف توجہ دینے کا ارشاد فرمایا تاکہ ''موتہ'' کے شہداء کا انتقام لیا جاسکے...... لشکر میں بڑے بڑے صحابہ تھے...... حتیٰ کہ عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اسی دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑ گئے مرض بڑھ گیا...... لوگ لشکر کی روانگی میں تاخیر سے کام لے رہے تھے...... سب کو اس بات کا ڈر تھا کہ کوئی حادثہ رونما ہو جائے...... ایسے محسوس ہوتا تھا کہ حالات کا اندازہ کرلیا گیا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تاخیر سے آگاہ ہو چکے تھے یہ بھی آپ نے معلوم کرلیا تھا کہ ایک نوخیز غلام کو اکابر مہاجرین وانصار کا قائد بنانے کو پسند نہیں کیا جارہا تھا...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے، سر میں درد کی شدت کے سبب پٹی بندھی تھی...... منبر پر تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے کا بعد فرمایا کہ:

''جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا فوری انتظام کرو...... میری عمر کی قسم اگر تم اس نوجوان کی امارت کے متعلق چہ میگوئیاں کر رہے ہو تو تم نے اس کے والد...... زید

Marfat.com

بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے متعلق بھی ایسا ہی کیا تھا لیکن جس طرح اس کا والد امارت کا اہل تھا۔ اسی طرح یہ نوجوان بھی اس منصب کا اہل ہے۔"

آپ منبر سے اتر آئے...... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لشکر سمیت چلے گئے چلتے چلتے "جرف" (مدینہ منورہ کا قریبی گاؤں) پہنچے تو اپنے لشکر کو رکنے کا حکم دیا تا کہ لوگ اپنے آپ کو منظم کر لیں اور تیاری مکمل کر لیں، تھوڑے بہت لوگ جو پیچھے ہیں وہ بھی آ جائیں...... ادھر رسول رحمت کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی تو احتیاطاً حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رک گئے...... تا کہ صورت حال کا اندازہ ہو سکے اور حکم الٰہی کیا ہے؟ اس کا پتہ چل سکے!

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سفر آخرت پر روانہ ہو گئے...... مسلمان حیرت و پریشانی میں ڈوب گئے...... بہت سے عرب اسلام کو چھوڑ کر ارتداد کی راہ پر چل نکلے، یہود و نصاریٰ کی گردنیں خوشی سے لمبی ہو گئیں...... مسلمان پریشان تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں...... اللہ تعالیٰ کے نبی چل بسے...... ان کی تعداد کم ہے دشمن بہت زیادہ۔

خلافت سنبھالنے کے بعد لوگوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا...... جیش اسامہ رضی اللہ عنہ ہی بس مسلمانوں کا لشکر ہے...... باقی عرب تو ارتداد کی راہ اختیار کر کے تتر بتر ہو گئے تو مسلمانوں کی اس جماعت سے آپ کی علیحدگی مناسب نہیں...... یعنی اس لشکر کی روانگی ملتوی کر دیں۔

اس مرحلہ پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا کرتے، کون سا راستہ اختیار...... کرتے؟ کیا وہ پہلے سے تیار اور مہم پر بھیجے جانے والے جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیتے اور مدینہ کو خالی چھوڑ دیتے یا لشکر کو مدینہ منورہ روک لیتے تا کہ مرکز اسلام کا دفاع ہو سکے...... اس شکل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا ہوتا جو آپ نے وفات سے کچھ ہی دیر پہلے فرمایا تھا...... کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو فوراً بھیج دو۔

پہلے تو لوگ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر معترض تھے...... دوسرے اس مرحلہ پر اس لشکر کی روانگی پر اعتراض تھا...... تیسرے ان حالات میں جماعت مسلمین کا مدینہ سے جدا ہونا اور کبار صحابہ کا خلیفہ وقت سے دور ہونا انہیں پسند نہ تھا...... چوتھے یہ خوف سامنے تھا کہ مرتدین عرب اور بدوی منافقین مدینہ میں جمع ہو جائیں گے...... ان حالات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مؤقف کیا تھا؟

Marfat.com

اس مرحلہ پر ان کا مؤقف سامنے آتا ہے...... اللہ تعالیٰ کے نبی کی اطاعت کا جذبہ اور ہر حال میں آپ سے وابستگی کا رنگ نکھرتا ہے...... وہ یاد کرتے ہیں کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی سے متعلق نبی محترم کے کیا جذبات تھے؟...... وہ یہ بھی یاد کرتے ہیں کہ اکثر اعتراض آپ کی زندگی میں بھی موجود تھے...... آپ نے سن لیا تھا اور سن کر فرمایا تھا...... کہ اسامہؓ کی امارت میں طعن ہے تو کیا ہوا، ان کے والد کے معاملہ میں بھی ایسا ہوا تھا!

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یاد کیا کہ اصل چیز اطاعت رسول ہے، نصرت و فلاح کا یہی سبب ہے اور آپ کی معصیت شکست و رسوائی کا سبب ہے......

یہ سب باتیں یاد کرنے کے بعد انہوں نے وہ مؤقف اختیار کیا جو ایک ثابت قدم مومن کا ہونا چاہیے...... جو طاعت کے لازمی جذبہ سے سرشار ہے...... جو لوگوں سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور مرحلہ سوال کے سامنے رکھتا ہے...... اس لشکر کے بھیجنے اور اس کے امیر کے متعلق اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''اس اللہ پاک کی قسم! جس کے قبضہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جان ہے اگر مجھے یہ خیال ہو کہ چوپائے اور درندے مجھے نوچ ڈالیں گے تو بھی جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کر کے رہوں گا...... جس طرح رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا''۔
بخدا اس جھنڈے کو بند نہیں کیا جا سکتا...... جسے رسول محترم نے خود لہرایا......
اگر چہ کتے امہات المومنین کے پاؤں سے الجھ پڑیں۔''

کیا عزم ہے؟...... کیا مصمم ارادہ ہے؟...... کیسی اطاعت و فرماں برداری ہے؟...... اور کیسی وابستگی ہے؟

جب انصار نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سنی، ان کے عزم کو دیکھا تو باہم جمع ہو کر مشورہ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نمائندہ بنا کر بھیجا تا کہ یہ قضیہ حل ہو۔

جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ...... خلیفہ مسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''انصار نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں ان کا پیغام پہنچاؤں...... ان کی خواہش ہے کہ ایسے شخص کو امیر بنایا جائے جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے عمر و تجربہ میں بڑھ کر ہو۔''

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے ان کی داڑھی پکڑ لی اور فرمایا:

''تیری ماں تجھے روئے...... اور تو معدوم ہو جائے...... اسامہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے نبی نے امیر بنایا اور تم چاہتے ہو کہ اسے معزول کر دوں!''

ادھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے خود چاہا کہ استعفیٰ دے دیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ کسی دوسرے کو امیر بنادیں...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیغام لانے والے کو فرمایا:

''کتے اور درندے مجھے نوچ ڈالیں تو بھی رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے طے شدہ فیصلہ کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔''

یہ تھا وہ موقف جس نے ارکان وعمال دولت (کارکنان حکومت) کو حوصلہ وثبات بخشا...... صحابہ نے محسوس کیا کہ ابوبکر ضعیف وکمزور شخص تھے...... لیکن اب وہ اتنے طاقتور، مضبوط، ثابت قدم اور پختہ ارادہ والے ثابت ہو رہے تھے کہ ہر حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو نافذ وروبہ عمل لانا چاہتے ہیں...... اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور تاویل انہیں گوارا ہے نہ ہی وہ ذرا برابر ڈر محسوس کرتے ہیں۔

لوگوں نے گمان کیا کہ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کمزور ہو گیا...... بعض لوگوں نے معاہدے توڑ ڈالے تو بعض مرتد ہو گئے اور شیطان نے بعض لوگوں کو یوں راستہ دکھایا کہ مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں لیکن جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کے متحرک ہونے اور رخصت ہونے کے ساتھ ہی یاروں کے تمام گمان ختم ہو گئے...... اس لشکر کی روانگی ایک ایسی مہم کی روانگی تھی جو بڑی اہم تھی اور رسول اللہ کے زمانہ میں اس کی روانگی طے ہو چکی تھی...... جو لوگ مسلمانوں کے خلاف اقدام کرنے کی سوچ بیٹھے تھے، ان کی توقعات پارہ پارہ ہو گئیں...... انہوں نے گمان کیا کہ مدینہ منورہ ہم میں ان کے پاس مستعد لوگ نہ ہوتے اور صاحب قدرت اور طاقت لشکر نہ ہوتے...... جو اسلام ومسلمانوں کی حمایت کے لیے سرگرم عمل ہوں...... تو مسلمان جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ نہ کرتے...... لہٰذا اسلام کے متعلق ضعف وکمزوری کی رائے رکھنے والوں کا منہ کالا ہو گیا اور پھر سے اسلام کی ہیبت نے ان کے اندر اپنی دھاک بٹھادی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جیش اسامہ رضی اللہ عنہ میں نہ تو کوئی تغیر کیا اور نہ ہی کسی قسم کی تبدیلی...... بلکہ جیسا اسے ابتداء میں ترتیب دیا گیا تھا ویسا ہی رکھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

مشایعت کے لیے جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کے لیے نکلے...... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور خلیفہ مسلمین پیدل، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ...... خلیفہ محترم کی سواری کی لگام ہاتھ میں لے کر چل رہے تھے...... جناب اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ سوار ہو جائیں یا میں بھی سواری سے اتر آتا ہوں''

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''دونوں کام نہ ہوں گے...... اگر لمحہ بھر کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں میرے قدم غبار آلود ہو جائیں تو کیا حرج ہے؟''

راستہ میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلتے رہے الوداع کہنے سے قبل ان سے فرمایا:

''اگر عمر رضی اللہ عنہ کو یہاں میری مدد کے لیے چھوڑ سکو تو ایسا کرنے کی درخواست ہے۔''

رسول اللہ کے نامزد امیر کا یہ احترام اور اس کے حکم کی یہ تابعداری......؟

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

سوچیں...... رسول اللہ کے خلیفہ، ان کا مقام و مرتبہ...... رعایا پر ان کا حق...... سب باتیں ہیں لیکن وہ اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگ رہے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو یہاں چھوڑ دیں۔ کیونکہ رسول اللہ کے فیصلہ کے مطابق جناب عمر رضی اللہ عنہ جیش اسامہ میں شامل تھے۔

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہی کمالات وصفات تھے جن کے سبب وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مستحق ٹھہرے...... وہ امت جس کے ایسے امیر ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی مستحق قرار پائی...... ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے:

جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مدد سے سرفراز فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی قوت والے اور غالب ہیں! (الحج: ۴۰)

مرتدین سے لڑائیاں میرے جیتے جی دین میں کمی ہو

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ ارتحال کے بعد بعض بے وقوفوں نے اس بات کی خواہش پلے باندھ لی کہ امر نبوت وقیادت اب ان کا حق ہے...... بہت سے لوگ ان احمقوں کے

Marfat.com

پیچھے ہو لیے متبعین نے یا تو قومی وعلاقائی تعصب کی بنا پر ایسا کیا یا انہیں خیال آیا کہ اس سے بہت سارے مالی فوائد حاصل ہوں گے۔

بعض لوگ ایسے تھے جن کے دلوں میں ابھی ایمان نے گھر نہیں کیا تھا...... انہوں نے چاہا کہ اب موقعہ ہے کہ بعض فرائض اور شرعی ذمہ داریوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے...... شیطان نے ان کی بداعمالیوں کو ان کی نگاہوں میں مزین کر دیا تھا، انہوں نے خشت اول کے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور کہا:

> ہم زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یوں تھا کہ:
>
> ''اے نبی ان کے مالوں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرلو۔ (التوبۃ:۱۰۳)
>
> اب رسول اللہ انتقال کر گئے زکوٰۃ کی وصولی کا حکم بس انہیں تک تھا۔ اب ہم پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم نہیں۔''

پہلی قسم اور دوسری قسم کے لوگوں کے لیے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مؤقف کیا تھا؟ اب وہ خلیفہ تھے...... ہر معاملہ کا سوال انہی سے ہونا تھا۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب ان کا جذبہ اطاعت ابھرا دین واسلام سے ان کی وابستگی کی حقیقت سامنے آئی اور ان کے فہم وادراک کی دھاک بیٹھی...... کیا لوگوں کو اسی حال میں چھوڑ دیا جائے...... اور ان سے تعرض نہ کیا جائے؟...... کیونکہ جو راہ ہدایت پر رہے گا اپنا فائدہ حاصل کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا...... یا حق پر ان کی ثابت قدمی کا اہتمام کیا جائے؟...... کیا مرتدین کو کھلا چھوڑ دیا جائے اور کل کلاں وہ شوکت وقوت حاصل کر لیں...... حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں صحابہ قتل ہو جائیں...... یا برے نتائج سے قبل ان سے نمٹ لیا جائے؟

اس مرحلہ پر بڑی مضبوط رائے یہ تھی کہ نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے روائتی رحمدلی کا مظاہرہ کیا جائے...... یہ بھی سبب ہے کہ مسلمان کمزور ہیں۔ جنگ ان کے بس میں نہیں۔ جن حضرات کی رائے تھی ان کے سرخیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے...... جو شدت اور رائے کی سلامتی میں مشہور تھے۔ اب کیا کیا جائے؟...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو طرح سے غور فرمایا۔

پہلی بات یہ تھی کہ مسلمان کمزور ہیں وہ کسی دوسری قوم اور طبقہ کی حمایت کے محتاج ہیں...... وہ مرتدین جو تلوار اٹھا چکے تھے، ان سے حمایت کا حصول ممکن نہ تھا...... وہ رات دن مدینہ پر چڑھائی کے خیال میں تھے...... یہ ان کی طرح نہ تھے جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا

Marfat.com

ہے......قوت کی ضرورت تھی، احتیاط کی ضرورت تھی تاکہ سب کے معاملات اپنی اپنی جگہ طے ہوسکیں اور سب کو روکا جاسکے!

دوسری بات یہ تھی کہ مانعین زکوٰۃ......اوران کے حالات یہ فتنہ جگا سکتے ہیں کہ کل کو کوئی طبقہ نماز کا انکار کردے اور کوئی دوسرا روزے چھوڑ بیٹھے......اسی طرح ان کی اپنی خواہش ورائے ہوگی۔ وہ اسی کی دعوت دے گا اور اس کے اردگرد ضعیف الایمان لوگوں کی ایک بھیڑ جمع ہو جائے گی...... یہ وہ لوگ ہوں گے جو فرائض اور ذمہ داریوں سے خلاصی چاہتے ہیں۔ اس طرح دین اسلام گھٹتا جائے گا اور ختم ہو جائے گا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استفادہ کیا جو آپ نے اس وقت فرمایا جب قبیلہ ثقیف کا وفد حاضر ہوا اور اس نے اس شرط پر قبولِ اسلام کی حامی بھری کہ انہیں نماز معاف کردی جائے......آپ نے فرمایا:

''اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں۔''

اور آپ نے ان کے اس اسلام کو قبول نہیں کیا جس میں نماز نہ ہو اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ بھی نماز کی مانند ہے۔

اسی طرح مسیلمہ کذاب کی اس مصالحانہ پیش کش کو مسترد کردیا۔ جس میں اس نے کہا تھا کہ زمین آپ کے اور اس کے درمیان تقسیم کردی جائے......آپ نے پیغام دیا:

''بلاشبہ زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس کو چاہتا ہے مالک بنا دیتا ہے۔
انجام کار بہتری اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔'' (الاعراف:۱۲۸)

اس مرحلہ پر مسیلمہ نے جنگ کا اعلان نہیں کیا لیکن اب جنگ کا اعلان کرڈالا، اس کے لیے ایک جماعت بھی فراہم ہوگئی، اس لیے اس سے لڑائی ناگزیر تھی۔ اسلام اور اس کی حفاظت......خلیفہ کے پاس امانت تھی، آپ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لیے جواب دہ تھے، اس لیے احتیاط لازم تھی......اسلام میں ترمیم کرنے والوں سے جنگ لازم تھی تو اسلام سے نکلنے والوں کا ارتداد کے جرم میں قتل بہت ضروری تھا۔

خلیفہ گرامی کے دوست اور مصاحب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آتے ہیں......عرض کرتے ہیں:

Marfat.com

رسول گرامی کے خلیفہ! لوگوں سے نرمی برتیں اور حسن سلوک کریں۔ آپ ان کے ساتھ کیوں کر جنگ کر سکتے ہیں جب کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے...... مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وقت تک جب تک وہ کلمہ نہ پڑھ لیں (یا مسلمانوں کی بالادستی قبول نہ کرلیں) جب کلمہ پڑھ لیں تو ان کے جان و مال ہم سے محفوظ ہو جائیں گے...... اب قتل ہوگا تو حق کی بنا پر (یعنی قتل کے جرم میں ایسے ہی جرم میں شرعاً لازم ہے)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غضبناک ہو کر فرمایا:

"ابن خطاب! جاہلیت میں تم بڑے سخت اور متشدد تھے، اب اسلام میں اتنے بزدل، میں تمہاری مدد کا متمنی ہوں اور تم میرے پاس رسوائی کا پروگرام لے کے آئے ہو؟...... اس میں شک نہیں کہ نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دین مکمل ہو گیا...... دین میں کمی کی جائے اور میں زندہ رہوں؟...... (ممکن نہیں) اللہ تعالیٰ کی قسم ان لوگوں سے میں ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے (جس طرح نماز جسم کا حق ہے اس طرح) زکوٰۃ مالی حق ہے...... اللہ تعالیٰ کی قسم اگر مانعین زکوٰۃ اس مد میں آنے والی ایک رسی بھی روکیں گے تو جو وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو دیتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔"

اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگ کا اعلان کر دیا...... معاملات کو مرتب کیا...... نصرت الٰہی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حلیف تھی...... مملکت مستحکم ہوگئی اور اسلام کے قدم جم گئے...... یہ سب کچھ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حزم و احتیاط اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے جذبہ اطاعت کا نتیجہ تھا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے...... (قول پیغمبر)

سیدہ فاطمہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس صاحبزادی کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اسی وجہ سے سب مسلمان انہیں بے حد قدر کی نگاہ سے دیکھتے...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول اور آپ کے محبوب اعزہ و

Marfat.com

احباب کے ساتھ سب سے بڑھ کر نیکی کرنے والے تھے...... لیکن محبت و بھلائی اور حق اور اس کی ادائیگی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

سانحہ ارتحال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئیں تاکہ ان کے بابا حضور کی میراث تقسیم ہو سکے...... ایک روایت کے مطابق سیدہ کے ساتھ حضرت عباس (رسول اللہ کے چچا) رضی اللہ عنہ بھی تھے...... مطالبہ ''فدک'' کے حوالہ سے تھا اور خیبر کے حصہ کے حوالہ سے:

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے، گروہ انبیاء کا معاملہ یہ ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، بلکہ جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ اس مال سے اپنے اکل و شرب کا سامان حاصل کرتا...... اللہ نے چاہا تو میں اس ذمہ داری سے صرف نظر نہیں کروں گا...... جو کام اللہ تعالیٰ کے رسول کرتے وہ میں ضرور کروں گا، آپ کے احکامات و ہدایات میں سے کوئی چیز میں نے ترک کر دی تو میں بہک جاؤں گا۔''

ان دونوں نے عرض کیا، آپ اس کو چھوڑ دیں، ہمارے قبضہ میں کر دیں...... یعنی وہ زمین و مال جو رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھا۔

آپ نے فرمایا...... یہ ممکن نہیں، میں ملی امور کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نگران ہوں، ان کی ذمہ داری نبھانے کا آپ سے زیادہ مستحق ہوں جن مواقع میں نبی علیہ السلام انہیں لگاتے میں بھی لگاؤں گا اور اسی ترتیب سے چلوں گا...... خلیفہ گرامی نے ان کا نظم ان حضرات کے سپرد کرنے سے انکار فرما دیا۔

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور صاحبزادی کے بالمقابل یہ محتاط اور مبنی برحق مؤقف یقیناً بڑی جرأت و بہادری کا معاملہ ہے...... یہ صحیح ترین مؤقف ہے، ایسا مؤقف جو صدق و دیانت، جذبہ اطاعت رسول اور دین اسلام سے سچی وابستگی پر مبنی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی آتی ہیں...... چچا آتے ہیں...... ان کا مطالبہ ہے کہ انہیں دیا جائے...... یہ ان کا حق ہے لیکن جناب صدیق رضی اللہ عنہ کلام رسول کے حافظ ہیں۔ ان کا

Marfat.com

مقصد حکم رسول کا نفاذ اور اس کو عملی جامہ پہنانا ہے...... معاملہ دین کا ہے محض چند شخصیات کی خوشی اور ان کی رعایت کا نہیں، باوجود یکہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کلام رسول خوب یاد تھا...... اور اس کا حکم واضح تھا لیکن پھر بھی آپ نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اجمعین کو جمع کیا...... ان سے فرمایا:

''وہ رب جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہیں...... اس کی قسم دے کر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

''ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

ان سب نے کہا...... بلاشبہ یہ بات صحیح ہے۔

چنانچہ آپ نے معاملہ کو اس طرح عملی جامہ پہنایا جیسے آپ کو یاد تھا اور جیسا کہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہ نے تاکیداً ارشاد فرمایا:

قرآن عزیز کو جمع کرنا...... میں یہ کام کیسے کروں؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب کوئی معاملہ نکھر کر ان کے سامنے آجاتا تو آپ اس کو ہر ممکن طریق سے عملی جامہ پہناتے۔ ایسا ہی معاملہ ایک مصحف میں قرآن عزیز کو جمع کرنے کا ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ:

''اہل یمامہ (مسیلمہ کذاب) سے ہونے والی جنگ کے بعد جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس موجود تھے۔

مجھے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے ہیں اور کہتے ہیں...... یمامہ کے دن تو قتل کا معاملہ بہت ہی شدت اختیار کر گیا اور مجھے ڈر ہے کہ چند مقامات پر اور اس طرح کی صورت حال پیدا ہوگئی تو قرآن کا بڑا حصہ ہم سے ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے لوگوں سے اس کا جمع کر لینا ضروری ہے'' جب کہ میں خلیفہ اول اس حق میں نہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مؤقف یہ تھا کہ میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ نے نہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ کام نری خیر ہے، جناب عمر رضی اللہ عنہ برابر اس طرف میری

Marfat.com

توجہ مبذول کراتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا...... تو میں نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے درست اور صحیح ہے۔

ایک ایسا موقف...... جسے وہ ابتدا میں درست نہیں خیال کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا، تسلی کا سامان ہونے پر انہوں نے اس کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا...... بلاشبہ یہ مشکل معاملہ تھا، نازک مہم تھی اور بعد کے حالات نے ایسا ثابت کر دیا۔

ابتداء میں خلیفہ گرامی اس کے حق میں نہ تھے کیونکہ ان کے خیال میں یہ کام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا، نہ اس کا حکم دیا تھا...... اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مزاج یہ تھا کہ وہ ان چیزوں کا لحاظ فرماتے جن کا آپ نے حدود کے اندر حکم دیا تھا...... آپ اس سے ڈرتے کہ آپ کے ارشادات میں کمی بیشی ہو...... لیکن آخر میں بار بار غور و فکر کرنے کے بعد اور مسلسل مشورت کے بعد آپ نے محسوس فرمایا کہ جیسے یہ کام ایسا ہے کہ حفاظت قرآن کے لیے اس کا کرنا ضروری ہے اور وہ گویا اس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہیں...... بس حقیقت سمجھ میں آنے کی دیر تھی کہ آپ اقدام پر تیار ہو گئے۔

بلاشبہ اس کام کی بڑی فضیلت ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز کو ضائع ہونے سے بچا لیا، اسلام کی حفاظت کا سامان ہوا...... مسلمان افتراق و انتشار سے بچ گئے۔ (اور یوں قرآن عزیز کی حفاظت کا وعدہ خداوندی پورا ہوا...... (دیکھیں الحجر)

ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوتے ہیں

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے...... آپ نے اس بات کا ذکر نہ فرمایا کہ آپ کے بعد مسلمانوں کے اجتماعی امور کا ذمہ دار کون ہو گا؟ نہ ہی کسی کو اس کی وصیت فرمائی...... اس لیے یہ معاملہ مناقشہ کا سبب تھا اور جدل و نزاع کا...... لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جدل و نزاع سے بچایا اور وہ جناب ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر متفق ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وابستگی اور ہمہ وقت تعلق پر جب ہم نظر دوڑاتے ہیں تو ہم دیکھتے یہ ہیں کہ نبی مکرم نے اہم ترین معاملات کی ذمہ داری حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سونپی۔

Marfat.com

یہ صورت حال اس بات کی غماز تھی کہ اگر کسی دوسرے کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تو عام لوگوں کو قابل قبول نہ ہوگی...... اور جونہی عام مسلمانوں نے یہ دیکھا کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپ دی گئی ہے تو وہ بے حد خوش ہوئے اور بلیوں اچھلنے لگے۔

یہ ذمہ داری جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سونپنے کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ علیہم الرضوان نے جب یہ محسوس کیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں نمازوں کی امامت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگائی تو اب حکومت بھی انہی کی ہونی لازم ہے...... چنانچہ بیعت کے وقت صحابہ نے عرض بھی کیا کہ:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین نماز کے لیے جنہیں پسند کیا کیا ہم اپنی دنیا امر خلافت...... کے لیے اسے پسند نہ کریں؟"

اس محکم نتیجہ کی وجہ سے تمام اختلاف ختم ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بلا اختلاف خلیفہ منتخب ہو گئے۔

بعد میں اجتماعی معاملات میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل نے ثابت کر دیا کہ وہی خلافت کے مستحق تھے...... اور یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کا جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع ہو جانا اللہ تعالیٰ کی توفیق کے سبب ہے...... گویا دین کی حفاظت اور اسلامی حکومت کے قیام کا سامان ہوگیا۔

ہم اس مرحلہ پر متعدد مہمات میں سے محض دو مہموں پر نظر ڈالیں گے...... جن سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محترم کی نگاہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہمیت وعظمت کا اندازہ ہوگا...... اور ثابت ہو جائے گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق تھے!

امیر یا مامور؟

۹ھ میں رسول محترم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو "امیر حج" بنا کر بھیجا تا کہ مسلمانوں کو مناسک حج ادا کرا سکیں...... چنانچہ وہ مدینہ منورہ سے چلے، قربانی کا جانور ہمراہ تھا...... مسجد حرام کی طرف توجہ!

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اوران کے رفقاء کے چلے جانے کے بعد ''سورۂ براۃ'' کے ایک حصہ کی وحی نازل ہوئی، نبی محترم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان آیات کے ساتھ بھیجا (اس میں مشرکین مکہ کے لیے اہم احکامات تھے، اس اجتماعی موقعہ پر ان تک ان احکامات کو پہنچانا ضروری تھا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات لے کر جاؤ، یوم نحر کو جب لوگ منیٰ میں جمع ہوں تو ان احکامات کا اعلان کرنا کہ ''کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا، نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کر سکے گا، نہ ہی کوئی ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کر سکے گا، جس کسی کے پاس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی معاہدہ یا عہد و پیمان ہے وہ بس اسی مدت کے لیے ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی ''عضباء'' پر تشریف لے گئے، راستہ میں ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انہوں نے پالیا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں دیکھا تو پوچھا کہ:

''آپ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...... نہیں مجھے مامور بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اب دونوں ساتھ ساتھ تھے...... ابوبکر رضی اللہ عنہ تو مناسک حج ادا کراتے اور علی رضی اللہ عنہ ان احکامات کی تبلیغ کرتے اور سورۂ براۃ کی آیات سناتے۔

اس اہم معاملہ پر غور فرمائیں تو یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے...... کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی پسند فرماتے...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ذمہ داریوں میں سے یہ ایک ذمہ داری تھی، جس آپ خود ادا فرماتے یا آپ کے بعد خلیفہ...... کہ مناسک حج کی ادائیگی اصل میں امیر اسلام یا اس کے نائب کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّٰی پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا کھڑا ہو...... اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں......

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بہت بڑھ گئی تو فرمایا:

Marfat.com

''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''آقا......ابا حضور کمزور دل کے مالک ہیں......قرآن کی تلاوت کے......وقت ان کے آنسو نہیں تھمتے......بہتر ہوگا کہ ان کے سوا کسی کو حکم فرمائیں......اصل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو پسند نہ کرتیں کہ لوگ باتیں بنائیں کہ سب سے پہلے یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑا ہوا (اہل نظر کے لیے تو اس میں سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا سب سے بڑھ کر کس پر اعتماد ہے......کہ اسے ہی اپنی جگہ کھڑا کیا لیکن ذہنی عدم بلوغت کے مریض اس کو نحوست سے تعبیر کریں گے)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو یا تین مرتبہ اپنی بات دہرائی تو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی حکم تھا کہ:

''نماز ابوبکر رضی اللہ عنہ پڑھائیں گے......یوسف علیہ السلام کو جس طرح باتوں میں کچھ خواتین نے الجھانے کی سعی کی تم بھی ایسا ہی کرنا چاہتی ہو''۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی......میں مسلمانوں کی ایک جماعت میں کھڑا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں نماز کا عرض کیا......فرمایا......اس کو حکم دو جو لوگوں کو نماز پڑھائے''۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ باہر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان موجود تھے، جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ غائب، میں نے عرض کیا، عمر رضی اللہ عنہ انھیں لوگوں کو نماز پڑھائیں......وہ آگے بڑھے تکبیر تحریمہ کہی......ان کی آواز بہت بلند تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سنی تو پوچھا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں......ان کے علاوہ کسی کو نہ تو اللہ تعالیٰ مانتے ہیں نہ مسلمان......دو مرتبہ آپ نے یہی بات ارشاد فرمائی۔

یہ بات اگر کسی چیز پر دلالت کرتی ہے تو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعا واضح تھا کہ لوگوں کو باور کرا دیا جائے کہ اس مہم کی اہلیت محض ابوبکر رضی اللہ عنہ میں ہے کسی اور میں نہیں......ایک مرحلہ پر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی جب کسی قدر طبیعت میں بہتری پیدا ہوئی تو آپ گھر سے نکل کر تشریف لائے......جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے پلٹ کر اپنی جگہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خالی کرنا چاہی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امامت پر قائم رہنے کا حکم فرمایا اور خود جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دائیں جانب بیٹھ گئے اور نماز ادا کی...... یہ آخری نماز تھی جو رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ ادا کی۔

اس سے بڑھ کر خوشی و مسرت کا وہ موقعہ تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا...... مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں...... آپ مسکرائے، پھر دوسری مرتبہ بھی پردہ اٹھایا، گویا آپ اطمینان محسوس فرما رہے ہوں کہ آپ کی محنت اور جدوجہد کا ثمرہ سامنے آ گیا...... اس سے بڑھ کر خوشی اس بات کی تھی کہ امانت کی ادائیگی ہوگئی اور تبلیغ رسالت کا فرض ادا ہو گیا...... اور سبحان اللہ کہ مسلمان نماز پڑھ رہے تھے...... اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے...... وہی ابوبکر رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں سب سے بڑھ کر محبت کا مظہر تھے۔

ہاتھ بڑھائیں کہ میں بیعت کرلوں

وفات رسول کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر غور و فکر کر رہے تھے کہ ان کا امیر و امام کون ہو؟ ان کے سر خیل حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے، مہاجرین کو خبر ملی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور وہاں تشریف لے گئے تاکہ حالات کا علم ہو سکے...... وہاں پہنچے تو ”خطیب انصار“ تقریر فرما رہے تھے کہ:

”ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں اور اسلام کی کوہان۔“

ان دونوں حضرات نے توجہ سے سنا پھر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے...... اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

> ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مہاجرین کی جماعت قبول اسلام کے اعتبار سے پہلے تھی پھر فرمایا، آپ حضرات نے اپنی جس خوبی کا ذکر کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے، آپ فی الوقت اس کے اہل ہیں لیکن عرب برادری خلافت کے معاملہ کا مستحق صرف قبیلہ قریش کو سمجھتی اور گردانتی ہے...... کہ قریش ہی نسب کے اعتبار سے اور مکانیت کے اعتبار سے اور تمام

Marfat.com

عربوں کے سرخیل ہیں...... میں ان دونوں حضرات کو تمہارے لیے پسند کرتا ہوں، تم ان میں جس سے چاہو بیعت کرلو...... یہ کہہ کر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح کے ہاتھ پکڑ لیے...... گویا ان دونوں میں سے کسی ایک کی بیعت کی توجہ دلا رہے تھے۔"

تبادلہ الفاظ بہت ہو گیا، آوازیں بلند ہونے لگیں...... اسی اثنا میں انصار میں سے ایک آواز اٹھی...... کہنے والے نے کہا:

"ایک امیر تم سے ہوگا ایک ہم میں سے!"

جواباً ایک مہاجر نے کہا...... یہ رویہ اسلام میں سب سے پہلی کمزوری کا باعث ہوگا...... جواباً کسی دوسرے نے کچھ اور کہا...... حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا:

"اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم ہم سب سے افضل ہو، غار کے مشکل مرحلہ میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے، ہاتھ بڑھائیں کہ میں آپ کی بیعت کرلوں۔"

سردار انصار بشیر بن سعد اٹھے...... سب سے پہلے انہوں نے بیعت کی، پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر تو بیعت کے لیے لوگ ٹوٹ پڑے۔

بیعت سے فارغ ہو کر مسجد نبوی میں واپسی ہوئی، آپ منبر پر بیٹھ گئے...... شام تک وہیں رہے، یوں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت و امامت پر جمع کر کے تفرقہ و انتشار سے بچالیا۔

میں تم سے اچھا نہیں ہوں

بیعت کی تکمیل کے بعد خلیفہ رسول نے خطبہ ارشاد فرمایا...... جس میں گویا حکومتی پالیسی اور طریق حکومت کا ذکر تھا...... فرمایا:

"مجھے تمہارا والی بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سے اچھا نہیں ہوں، پس اگر میں اچھے کام کروں تو میری اعانت و مدد کرنا اگر (خدانخواستہ) مجھ سے غلط کام ہو تو میری اصلاح کرنا اور مجھے درست کرنا...... سچائی امانت ہے، جھوٹ خیانت تم میں سے جو ضعیف (مظلوم) ہے۔ وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس

Marfat.com

کا حق لے کر نہ دوں...... اور تم میں سے جو قوی (ظلم وزیادتی کرنے والا) ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک اس سے دوسرے کا حق وصول نہ کر لوں...... جو قوم راہ حق میں جہاد کو چھوڑ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں اور جس قوم میں بے حیائی رواج پذیر ہو جاتی ہے۔ وہ مصیبتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہو جاتی ہے جب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو تم بھی میری اطاعت کرنا اور جب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرنی کروں تو تم پر میری اطاعت بالکل لازم نہیں۔''

اب ایک نیا سفر شروع ہوا...... ابتداء میں یہ کام آپ کے لیے بڑا بوجھ تھا اور آپ مضطرب تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آسان کر دیا اور استقرار کی کیفیت حاصل ہوگئی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی، آپ کی اخلاقی برتری، اہلیت اور حرارت ایمانی کے سبب تھا۔

بیعت سے اعراض کرنے والے بعض لوگوں سے سب سے پہلے نمٹنا ہوا، پھر مرتد ہونے والے قبائل اور جھوٹے مدعیان نبوت سے دو دو ہاتھ ہوئے، جیش اسامہ کا اہتمام فرمایا، نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور چچا کے مسئلہ کو نمٹایا...... ایسے ہی بہت سے بنیادی اور مشکل ترین امور سے واسطہ پڑا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ امت اسلامیہ کو نصرت الٰہی اور اپنے مضبوط وجود کے ساتھ ایران و روم کے شہروں تک لے جائیں...... لشکران اسلام کے بالآخر روم و ایران کے شہروں تک پہنچنے کی سبیل ہوگئی...... جگہ جگہ سے فتح کی خوشخبریاں آنے لگیں...... جیسا کہ آپ دیکھیں گے۔

آپ محض ۲ سال اور چند ماہ خلافت پر متمکن رہے حتیٰ کہ مسلمانوں نے خلافت کی برکت اور حکومت اسلامیہ کی قوت و مضبوطی کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا...... رضی اللہ عنہ۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اور فتوحات

جن فتوحات اور معرکوں کے سبب اسلام پھیلا اور اس کی روشنی سے ایک دنیا منور ہوئی، ان کی مستحکم ابتدا دور صدیقی میں ہوئی...... یہی معرکے اسلامی حکومت کی وسعت کا سبب بنے...... ان کی تلخیص آنے والے نقاط میں ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

جیش اسامہ۔

مرتدین اور مدعیان نبوت کے خلاف لشکر کشی۔

عراق کی طرف لشکر اسلام کی روانگی۔

شام کی طرف لشکر اسلام کی معرکہ آرائیاں۔

ہم اختصار سے چند گزارشات پیش کریں گے......رہ گئیں تفصیلات اور تشریحات تو ان کے لیے اس موضوع سے متعلق تفصیلی کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر انتظار میں مصروف ہو گئے......انہیں معلوم نہ ہو رہا تھا کہ کیا ہوگا، مہم جاری رہے گی یا انہیں واپس لوٹنے کا حکم ہوگا...... جناب صدیق خلیفہ منتخب ہو گئے، اب ان پر مسئولیت کی ذمہ داریاں تھیں......ادھر اسامہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ انہیں کیا حکم دیتے ہیں!

اس مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی، مناقشہ ہونے لگا......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مصر تھے کہ وہ اس لشکر کو بھیج کر رہیں گے......امیر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے......ان کا اصرار یہی تھا باوجودیکہ مد مقابل بڑے بڑے دلائل دیئے جا رہے تھے......جیسا کہ پہلے گذرا......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جذبات صادقہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

> ''رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر کیا اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں انہیں الگ کر دوں......جس جھنڈے کو خود اللہ تعالیٰ کے نبی نے باندھا میں اسے کیسے کھول دوں؟''

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ چلے تو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ الوداع کہنے کے لیے ساتھ تھے...... جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ خلیفہ رسول یا تو آپ سوار ہو جائیں یا مجھے اترنے کی اجازت دے دیں تاکہ آپ کے ساتھ پیدل چل سکوں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا...... دونوں میں سے ایک کام بھی نہ ہوگا......اور ارشاد فرمایا:

Marfat.com

''اگر لمحہ بھر کے لیے راہِ حق میں میرے قدم خاک ہو گئے تو کیا فرق پڑے گا؟''

پھر حضرت اسامہؓ کو وصیت فرمائی:

''خیانت نہ کرنا، غلو نہ کرنا، دھوکہ نہ کرنا، دشمنوں کا مثلہ نہ کرنا، (ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کاٹنے کو مثلہ کہتے ہیں...... یہ بات دشمنوں کے ساتھ عام تھی) باغات اور کھیتیاں نہ کاٹنا، نہ انہیں جلانا، بکری، گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا، ہاں خوراک کی ضرورت کی حد تک!''

پھر حضرت اسامہؓ سے فرمایا:

''جو کچھ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے، اس پر ہر حال میں عمل کرنا...... ''قضاعہ'' کے شہروں سے ابتدا کرنا، پھر ''آبلا'' میں جانا (شام کی حدود پر دونوں آبادیاں ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ہے اس میں مطلق کوتاہی نہ کرنا''۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، انہوں نے اپنی مہم کو عملی جامہ پہنایا...... آپ ۴۰ دن مدینہ منورہ سے غائب رہے اور اس طرح مدینہ منورہ لوٹے کہ ان کے ہمراہ بڑی غنیمت تھی...... اس لشکر کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا تو اس کا بڑا اثر ظاہر ہوا...... بڑا نفع سامنے آیا، کہ سرکش قبائل مسلمانوں پر چڑھائی کرنے سے رک گئے کیونکہ وہ خوف زدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر مسلمانوں کے پاس (اسلحی اور افرادی) قوت نہ ہوتی تو وہ ان حالات میں اس لشکر کو روانہ نہ کرتے۔

مرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف لشکر کشی

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بعض لوگوں نے نبوت کا اعلان کر دیا، بعض قبائل ان کی اتباع میں لگ گئے...... اس کا سبب محض خاندانی اور قبائل عصبیت تھی...... اس طرح وہ اسلام چھوڑ بیٹھے...... بعض لوگوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا، بعض لوگ متوقف ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں مسلمانوں پر کیا گزرتی ہے...... پھر جو غالب ہوگا اس کے ساتھ ہو جائیں گے...... بعض قبائل مدینہ منورہ پر چڑھائی کی نیت سے آگے بڑھے۔

Marfat.com

پھر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا کیا؟

(اس موقعہ پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت مضبوط مؤقف اختیار کیا...... تا کہ ان مشکل ترین حالات سے نمٹا جا سکے...... فرمایا:

"رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں حق کے طور پر دی جانے والی رسی کی ادائیگی سے جس نے انکار کیا تو میں ایسے لوگوں سے کھل کر جنگ لڑوں گا۔")

بعض قبائل کی طرف سے منورہ پر چڑھائی کا خطرہ سامنے آیا تو اطراف مدینہ کے ان حضرات کو مدینہ منورہ کی حفاظت پر لگا دیا گیا جو جیش اسامہ میں شامل نہ ہو سکے تھے...... اور اہل مدینہ کو مسجد نبوی میں حاضر رہنے کا حکم دے دیا گیا۔

چند دن کے بعد وہ حادثہ رونما ہوا جس کی توقع کی جا رہی تھی...... سرکش قبائل مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لیے دوڑے...... ان کے سرخیل طلیحہ نامی مدعی نبوت کے لوگ تھے۔ مدینہ منورہ کی چوکیداری کرنے والوں نے انہیں روکا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا، آپ نے مدینہ منورہ میں موجود لوگوں کو ساتھ لے کر حرکت کی، آپ خود ہی قائد لشکر تھے، رات ہی رات میں کوچ کر کے دشمن کو آلیا...... دشمن اور آپ ایک میدان میں سامنے آ گئے، دشمن شکست کھا گیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ انہیں تتر بتر کر دیا...... دشمن کو اس طرح خائب وخاسر لوٹا دینا یہ کامیابی ایک بڑا واقعہ تھا...... اس وقت جیش اسامہ مدینہ سے باہر تھا اس لیے اس واقعہ نے دشمنوں اور عام لوگوں کے دلوں میں رعب کی کیفیت پیدا کر دی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے تا کہ ان کی مہم مرتدین کے خلاف ہو سکے......

ادھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ غنیمت سمیت واپس آ گئے...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا استقبال کیا اور چند دن کی مہلت دی تا کہ لوگ ستا سکیں، پھر انہیں مرتدین کے ساتھ لڑائی کے لیے حکم دے دیا...... گیارہ جھنڈوں کا اہتمام کیا گیا...... ہر جھنڈے کو ایک لشکر سمیت ایک خطہ کے لیے وقف کیا گیا...... آپ نے انہیں ہدایات دیں اور انہیں مرتدین کے زعماء کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ لوگ بغاوت اور ارتداد سے باز آ جائیں...... لشکروں کی تفصیلات اس طرح تھی:

۱۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ...... طلیحة الاسدی کے تعاقب میں بھیجے گئے...... اس سے فارغ ہو کر ان کی ڈیوٹی مالک بن نویرہ کی طرف لگائی گئی۔

Marfat.com

۲- حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا گیا۔

۳- حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ اسود عنسی اور اس کے لشکریوں کے تعاقب میں گئے۔

۴- حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا گیا۔

۵- حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف روانہ کیا گیا...... وغیرہ ذالک (اہم مہمات کا ذکر کر دیا گیا ہے)۔

سبھی لشکر اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے اور کوشش کی کہ مرتدین خائب و خاسر ہو جائیں اور حکومت اسلامیہ مستحکم ہو جائے۔

ہر جگہ ہی گھمسان کا رن پڑا...... بالخصوص یمامہ کا معرکہ بہت سخت تھا۔ اس میں بہت سے صحابہ کرام شہید ہوئے...... اس معرکہ میں مسلمانوں کی قیادت حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے جب کہ مرتدین کا سرخیل مسیلمہ کذاب تھا...... مسلمانوں نے کوشش کی کہ اپنے دشمنوں کو ایک ایسے باغ میں محصور کر دیں، جس کا نام اس کے بعد "حدیقۃ الموت" (موت کا باغ) رکھا گیا، ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا، یہی وحشی تھے جو جنگ احد میں کافروں کے ساتھ تھے اور انہوں نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا...... کو قتل کیا تھا...... گویا جناب وحشی نے مسلمان ہو کر صحابیت کا شرف حاصل کر لیا اور ایک بڑے کافر...... مسیلمہ...... کو قتل کر کے جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا کفارہ ادا کر دیا۔

عراق کی طرف

بحرین میں مرتدین کے مقابلہ میں کامیابی کے بعد حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے خلافت سے اجازت طلب کی کہ وہ عراق کی طرف رخ کرنا چاہتے ہیں، وہ فتح یاب لشکر کا حصہ تھے، اس لیے حوصلہ بلند تھا...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ، ارض عراق کی طرف بڑھے ان کے ساتھ ۸ ہزار مجاہدین اور بہادر حضرات موجود تھے...... دریائے فرات کے ڈیلٹا میں وہ پہنچے...... بڑے مدمقابل سے ان کا واسطہ پڑا، وہ اس پر غلبہ کے متمنی تھے لیکن مدمقابل کا مسئلہ بہت سخت اور زیادہ تھا...... گھڑ سواروں کی جمعیت...... اس لیے آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی......

Marfat.com

حضرت خالد بن الولید جو یمامہ کے معرکہ سے فارغ ہو چکے تھے، انہیں بھیجا گیا...... دس ہزار بہادر انسان ہمراہ تھے۔

حضرت خالد عراق کی طرف متوجہ ہوئے...... حضرت مثنیٰ کے قدم بقدم...... گھڑ سوار دستہ سے ملاقات ہوئی...... کئی مواقع سامنے تھے ان کے متعلق بات ہوئی...... سب سے اہم جگہ ''ذات السلاسل'' کی تھی...... گھڑ سواروں کا سرخیل ''ہرمز'' تھا...... اس کا حضرت خالد سے آمنا سامنا ہوا، اس نے للکارا حضرت خالد نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی قوت منتشر کر دی...... اس کے بعد کئی معرکے رونما ہوئے...... جن کی انتہا حیرہ کے محاصرہ پر ہوئی...... اہل حیرہ نے وہ خالد کے سپرد کر دیا۔

اسی طرح حالات کی رفتار جاری رہی...... مسلمان برابر بڑھتے رہے دشمن کے حملہ آوروں کے داخلی اختلاف بھی ان کے لیے معین و مددگار ثابت ہوئے...... تھوڑے ہی وقت کے بعد حضرت صدیق نے جناب خالد کو طلب کر کے شام کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا...... دشمن کی فوج نے غنیمت سمجھا کہ خالد سے جان چھوٹی، اس لیے انہوں نے اپنی جمعیت کو اکٹھا کیا، اپنے حالات کی اصلاح کی اور ایک فیصلہ کن معرکہ کی تیاری کر لی...... حضرت مثنیٰ نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال سے مطلع کیا لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مرض الموت کا شکار تھے...... انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بیعت کے بعد فی الفور حضرت مثنیٰ کی مدد کے لیے لشکر بھیجا جائے، اس میں تاخیر نہ کی جائے...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا اور مدد کا اہتمام کیا۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد فتوحات میں ذکر کی جائے گی۔

شام کی طرف

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی فکر کی...... اوپر تلے کئی لشکر وہاں بھیجے...... پہلا لشکر خالد بن سعید بن العاص الاموی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا...... پھر اس سے متصل حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی قیادت میں...... کئی معرکوں کے بعد مسلمان قلب روم (رومی سلطنت کا اہم حصہ) تک جا پہنچے...... یہاں وہ رک کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نئے احکامات کا انتظار کرنے لگے...... انہوں نے تمام حالات و کیفیات کی تفصیلات بھی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھی...... پس آپ نے مسلسل امداد ارسال کی، آپ نے اس امداد کو حدود شام کی طرف چار

Marfat.com

طرف سے ارسال کیا اہم ترین جنگی بہادروں کو ہر لشکر کا سالار بنایا...... یعنی حضرت شرجیل بن حسنہ...... رضی اللہ عنہ، حضرت یزید بن ابی سفیان الاموی رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص...... رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح...... رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوعبیدہ کو مجموعی طور پر تمام لشکروں کی امارت ونگرانی سونپی...... ہر لشکر کی جہت اور اس کی ذمہ داریاں متعین فرمادیں...... ان جنگی سورماؤں کی مجموعی تعداد لگ بھگ ۲۴ ہزار تھی...... ان میں سے ہر لشکر متعینہ راہوں پر چل کھڑا ہوا...... اور سبھی ''یرموک'' کے مقام پر جمع ہو گئے...... جو ذمہ داری انہیں سونپی گئی تھی، اس کے پورا کرنے سے قبل ہی روم کی طرف سے ایک بڑا لشکر آدھمکا...... حضرت ابوعبیدہ نے حضرت صدیق کو صورت حال سے مطلع کر کے امداد طلب کی...... عراق میں مصروف جنگ حضرت خالد کو خلیفہ مسلمین نے لکھا کہ اپنی طاقت سمیت فوراً شام کا رخ کریں...... خالد بن الولید نے فوراً تعمیل حکم کی انہوں نے معروف راستہ کی بجائے...... جس پر بالعموم قافلے جاتے تھے مختصر راستہ اختیار کیا...... یہ راستہ اگرچہ مختصر تھا لیکن مشکل، انہیں اوران کے لشکر کو بہت مشکل پیش آئی لیکن سفر جلد طے ہو گیا اور یہ بڑی تیزی سے مہم کی جگہ جا پہنچے اور ثابت کر دیا کہ ان کا لشکر ایسا لشکر ہے جو حربی معاملات میں ماہر ہے اوران کی رائے بالکل صحیح اور درست ہے۔

حضرت خالد یرموک پہنچے وہاں ایک کے بجائے چار لشکر دیکھے...... جو لڑائی الگ الگ کریں گے لیکن تعاون ایک دوسرے سے کریں گے اور ہر لشکر اپنے قائد سے رہنمائی لے گا۔ حضرت خالدؓ اس صورت حال کو پسند نہ فرماتے، ان کے خیال میں تمام لشکروں کا باہم ضم ہو کر ایک فرد کی قیادت میں ہونا ضروری تھا...... ہر امیر کے لیے ایک دن ہو اس میں وہ لشکر کی قیادت کرے اور اسی کا حکم مانا جائے...... سب لوگ اس رائے سے متفق ہو گئے، امارت حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ انہوں نے لشکر کو بڑی دقیقہ سنجی سے مرتب کیا تا کہ اس میں وہ صلاحیت واستعداد ہو جو اس معرکہ کو فیصلہ کن بنا سکے...... یہ بات درست ثابت ہوئی اور یہی معرکہ بعد میں معرکہ یرموک کے نام سے مشہور ہوا۔

تیاری کے دوران میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رحلت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خبر آ گئی...... تفصیل دور فاروقی کی فتوحات میں...... اللہ تعالیٰ کے حکم سے!

Marfat.com

وصیت صدیقی

میں نے اپنے کسی عزیز کو والی حکومت مقرر نہیں کیا!

مدینہ منورہ اور اس کا اردگرد روشن ہو رہا تھا...... مسلسل خوشیوں کی خبریں آ رہی تھیں، لشکر بڑھ رہے تھے...... مسلمان جہاد، عمل اور دعوت الی اللہ کے فرائض میں مشغول تھے...... لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہی غالب ہے، جناب صدیق بیمار ہو گئے، ان کی موت کا وقت قریب محسوس ہونے لگا۔ انہیں اس امت کے اجتماعی معاملات کی فکر لاحق ہوگئی...... اب حالت یہ تھی کہ معاملات آگے بڑھ رہے تھے، خوشیوں کا دور دورہ تھا، اطمینان کی کیفیت تھی...... مقصد یہ تھا کہ خلا پیدا نہ ہو...... انہوں نے دقت نظر سے دیکھا کہ اگر وہ خلیفہ کو متعین نہ کریں تو ان کے بعد کیا ہوگا؟ پس انہوں نے مشورے شروع کر دیئے، آخر ان کی رائے اس معاملہ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کرنے پر ٹھہری۔ انہوں نے مرض الموت میں لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

"جس کو میں تمہارے لیے خلیفہ بناؤں اس پر راضی ہو گے؟ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے بھرپور طریق سے سوچا، جدوجہد کی...... اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ میں نے کسی عزیز کو والی نہیں بنایا، بلکہ میں نے جناب عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو یہ ذمہ داری سونپی ہے...... پس ان کی بات سنو اور ان کا کہا مانو۔"

لوگوں نے یکبارگی اور بیک زبان جواب دیا:

"ہم نے سنا اور ہم اطاعت شعار ہوں گے۔"

اس موقعہ پر آپ سے پوچھا گیا...... کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی سختی معلوم ہونے کے باوصف آپ نے انہیں خلیفہ بنایا؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا...... عرض کروں گا...... اے اللہ تیرے بندوں میں سے جس کو میں نے بہتر پایا اسے خلیفہ بنا دیا" آپ نے وصیت نامہ میں لکھوایا...... کاتب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے......"

"میں نے اپنے بعد عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے، تم ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو، میں نے سوچ بچار میں کمی نہیں چھوڑی، اگر میری سوچ صحیح رہی تو یہ میرے خیال کی تائید ہوگی، ایسا نہ ہوا تو ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ ملے گا......

Marfat.com

میں نے بہر حال بہتر ہی سوچا...... البتہ مجھے غیب کا علم نہیں (لیکن دانستہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی اور) ظالم...... نافرمان اور گناہ گار عن قریب جان لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پڑتے ہیں!"

(منگل کی شب، مغرب و عشاء کے درمیان آپ کا انتقال ہوا، ۲۲ جمادی الاخری ۱۳ ھ کی تاریخ تھی)...... جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا نعش مبارک مسجد نبوی میں قبر نبوی اور منبر کے درمیان تھی...... قبر رسول کے پہلو میں دفن کیا گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں آپ کی لحد کو نبی مکرم کی لحد سے ملحق کر دیا گیا...... حیات مبارکہ میں آخری کلمہ جو آپ کی زبان پر تھا...... وہ سورۂ یوسف کی آیت کا ٹکڑا تھا ترجمہ یہ ہے:

"پروردگار! حالت اسلام میں مجھے موت دے اور مجھے نیکوکاروں میں شامل کر دے"

چند سطور

وفات شریفہ کے وقت جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر ۶۳ برس تھی۔ خلافت کی مدت ۳ برس ۳ ماہ دس دن ہے۔

آپ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں...... عبداللہ، عبدالرحمان اور محمد...... عائشہ، اسماء، ام کلثوم رضی اللہ عنہم وعنہن۔

آپ کی والدہ نے ابتداء میں ہی...... دار ارقم کے زمانہ میں اسلام قبول کر لیا...... والد فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے۔

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے محض ۱۴۲/احادیث روایات کی ہیں...... باوجودیکہ آپ کو سب سے بڑھ کر صحبت نبوی میسر تھی اور ہمہ وقت آپ ساتھ رہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ خاموش رہنے کو ترجیح دیتے اور بہت ہی احتیاط برتتے...... آپ اپنی زبان کو پکڑ کر فرماتے:

"یہی ہے جو باعث ہلاکت مقامات سے دوچار کرتی ہے۔"

آپ سے منقول چند کلمات یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جہاں وعدے کیے وہاں وعید کا بھی ذکر ہے تاکہ بندہ کے لیے جہاں بخشش کی رغبت ہو، وہاں اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا خوف بھی ہو۔

Marfat.com

زیادہ بولنا غلط ہے کہ اس سے بعض باتیں بعض دوسری باتوں کے سبب بھول جاتی ہیں۔

دو باتیں بہت مرغوب تھیں...... اے کاش کہ میں درخت ہوتا جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا پھر جلا دیا جاتا...... رحمت حق سے رونا مصیبت نہیں...... خیر ہے۔

آپ کی زندگی کے اہم واقعات:

یمامہ کی جنگ جو ۱۱ھ میں مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کے درمیان ہوئی۔

مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ذات السلاسل کا معرکہ ۱۲ھ میں۔

مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ کی ابتداء۔

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے معرکے...... عراق میں جس میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا تعاون بھی شامل تھا۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ...... یرموک تشریف لے گئے تاکہ حضرت عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بٹا سکیں۔

والحمد للہ رب العالمین

***

Marfat.com

سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ

حضرت خاتم النبیین والمعصومین محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

☆ اللہ تعالیٰ نے ''حق'' کو عمر کی زبان پر جاری کر دیا اور ان کے دل میں پیوست فرمادیا۔

☆ عمر سے بہتر کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا۔ (ترمذی)

تمہید

ایک شدید تپتا ہوا گرم دن...... ایسا گرم کہ پتھر پگھل جائیں، سیدنا عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان سے جو بلندی پر واقع تھا۔ ایسا محسوس کیا کہ کوئی شخص ہے جو دو اونٹوں کو ہانک کر لا رہا ہے لو ایسی کہ چہرہ جھلسا جا رہا ہے...... جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہا...... یہ کون شخص ہے؟

کیا اس کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ شہر میں دم لے لیتا تا وقتیکہ گرمی کی حدت کم ہو جائے؟

اپنے گھریلو خادم سے فرمایا...... ذرا دیکھو، یہ دور سے آنے والا کون ہے؟

خادم نے مکان کے اندر سے ہی...... کھڑکی سے جھانکا گرمی اس قدر تھی کہ وہ باہر نہ نکل سکا۔

اس نے کہا کہ ایک شخص نظر آ رہا ہے، جس نے اپنی دستار سے اپنا چہرہ لپیٹ رکھا ہے...... گرمی سے بچنے کے لیے...... ابھی پہچاننا ممکن نہ تھا...... قریب آنے کا انتظار کرنے لگا...... پھر ایک دم چلایا...... وہ تو امیر المومنین ہیں...... جناب عمر رضی اللہ عنہ...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''امیر المومنین اس تلخ گھڑی میں باہر نکلنے کا سبب؟''

فرمایا...... صدقہ کے دو اونٹ چراگاہ سے نکل گئے...... مجھے ڈر لگا کہ ضائع نہ ہو جائیں...... ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...... اس کام کے لیے ہم کافی ہیں...... آپ کسی کو حکم فرما دیتے؟

لیکن امیر المومنین اپنی راہ چلتے رہے، ادھر توجہ ہی نہ کی...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

Marfat.com

"ایک بہادر و مضبوط امانت دار کو دیکھنے کا متمنی جناب عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے"۔

ایک ایسا شخص جس میں سبھی صفات موجود ہوں...... اس طرح کہ کسی دوسرے میں اس طرح نہ ہوں...... عدل کی بحث ہو، حق میں صلابت وشدت کی...... خرم واحتیاط کی...... عمر ہی کا نام ہوگا...... اور اسلام اور مسلمانوں کی عزت کے حوالہ سے صاحب فضیلت لوگوں کا ذکر ہوگا تو عمر رضی اللہ عنہ ان کے سرخیل ہوں گے...... حکومت اسلامیہ کے استحکام کی بات ہو یا ان لوگوں کا ذکر جن کی زبان پر حق وائر وسائر رہتا ہے...... یہاں بھی عمر رضی اللہ عنہ ہی کا نام گونجے گا...... حق اور وہ لازم ملزوم ہیں...... اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے بے خوفی کا معاملہ ہو کتاب اللہ کا فہم اور اس کی تفسیر میں درست رائے کا سوال ہو...... ان مردان حق آگاہ کا جن سے شیطان دور بھاگتا ہے...... یا ان کا جن کی دینی ہیبت سے...... ساری دنیا لرزہ براندام ہو...... یا عفت و پاکیزگی، تواضع اور نفس کے محاسبہ کی بات ہو...... الغرض عمر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے......

ایک ایسا شخص، جو ان سبھی صفات سے متصف ہو...... اس کا آپ ذکر کرنا چاہیں...... واجبی طور پر نہیں، بھرپور انداز سے تو نظر ایک ہی نام پر رکے گی...... وہ نامؔ ہے۔

"الفاروق عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا!"

ایسی شخصیت کے تذکرہ کی بحث ہو تو ہم محض اشارات پر اکتفا کر سکیں گے...... اس عظمت کے حامل انسان کا تفصیلی ذکر؟...... تو نہ ہماری ہمت...... نہ صفحات اس کے متحمل!

~~شخصی تذکرہ~~

کردار و عمل کی چند جھلکیاں الفاروق

~~عمر بن الخطاب...... قبیلہ بنوعدی سے تعلق رکھتے تھے، کعب بن لوی بن غالب، پر جا کر ان کا سلسلہ نسب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، وہ صاحب عزت وجاہ اور بلند نسب قریشی تھے...... بنومخزوم ان کے ننھیال عزیز!~~

بعثت نبوی سے ۲۷ برس قبل پیدا ہوئے، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۳ برس چھوٹے تھے۔ ان کی تربیت اسی طرح ہوئی جس طرح شرفاء قریش کے بچوں کی تربیت ہوئی۔ عزت وکرامت کے ساتھ، ناز ونعم میں گھڑ سواری کا اہتمام اور فصاحت و بلاغت کی فکر ابتدا ہی سے آپ کا جسم بھرا

Marfat.com

ہوا تھا، چلنے میں معلوم ہوتا جیسے زمین دب رہی ہے، آواز بلند تھی۔ قد خوب ابھرا ہوا تھا۔ لوگوں کے سامنے چلتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ وہ تو زمین پر چل رہے ہیں اور یہ سوار رنگت سفید جس میں سرخی چمکتی بال خوب سفید، ابرو پتلے، داڑھی کے بال معمولی سے کہیں زیادہ...... یعنی چہرے پر بھی، گویا خوب گھنی داڑھی، اسی طرح سینہ پر بہت بال...... بال ایسے حسین کہ اطراف سے اس طرح معلوم ہوتے جیسے سرخی وسفیدی کا حسین امتزاج ہو...... آپ ایسے محنتی اور بہادر تھے کہ اپنے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔

شہ سوار ایسے کہ ایک ہاتھ سے گھوڑے کا ایک کان دوسرے سے دوسرا قابو کرتے، پھر اچھل کر اس پر سوار ہو جاتے۔

قریش کی کسی دوسرے قبیلہ سے لڑائی ہو جاتی تو سفارت کے فرائض انہی کے ذمہ تھے اور جب کسی غیر قریشی سے کوئی بحث چھڑ جاتی یا اس کا فیصلہ مقصود ہوتا کہ زیادہ باعث فخر کون ہے تو یہ معرکہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سرانجام دیتے اور سبھی لوگ ان کے فیصلہ کو تسلیم کرتے۔ زبان میں بے پناہ فصاحت لیکن محض لفاظی نہیں بلکہ اس میں دلیل و حجت ہوتی، زور ہوتا۔

ذریعہ معاش ان کا تجارت تھا، ریشمی ملبوسات...... نہیں بلکہ ریشم کا ہمہ نوع کاروبار، اس کی تیاری، بناوٹ، خرید و فروخت، ریشم سے آپ کے اشغال کے حوالہ سے عصر حاضر کے ایک صاحب قلم لکھتے ہیں:

> ریشم کی تجارت آسان معاملہ نہیں، باریک بینی، حد درجہ احتیاط، نگہبانی اور محنت کے بغیر یہ کاروبار ممکن نہیں...... شاید یہ تمہید تھی اس عظیم تجارت کی جس سے آپ کا واسطہ اسلام کے بعد پڑنے والا تھا، آپ نے اسلام سے اپنے آپ کو ایسے ہی وابستہ نہیں کر لیا بلکہ خوب چھان پھٹک کر اور متعدد مراحل سے گزر کر اور پھر جہد عمل سے اسے بلندی، عظمت اور برتری بخشی...... اسلام وہاں پہنچ گیا کہ آپ کے دور میں اسلام کو چیلنج کرنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا[۲۳]۔

اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَام۔

خدایا! اسلام کو عزت نصیب فرما۔

Marfat.com

بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ۶ برس گزر گئے، چند حضرات کے سوا کسی نے آپ کی دعوت قبول نہ کی۔ ۴۰ سے زیادہ یہ تعداد نہ تھی، یہ حضرات الارقم بن الارقم رضی اللہ عنہ کے گھر خفیہ طریق سے تعلیم و تعلم اور عبادت کا فرض سرانجام دیتے، اسلام کے ظہور و اعلان سے خوف کھاتے!

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حضور التجا کی اور درخواست کی کہ اسلام کو عزت نصیب ہو...... اس طرح کہ ان دو افراد میں سے جو اسے محبوب ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ ہو جائے...... نام لے کر دعا کی گئی، عرض کیا:

''اے اللہ، ان دو شخصوں میں سے جو تجھے محبوب ہے، اس کے ذریعے اسلام کو عزت بخش...... ابوجہل کے ذریعہ یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ! [۲۴]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول کی...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اسلام کو عزت بخشی، آپ بہت بہادر، جری اور صاحب قوت مشہور تھے لیکن جب ان کے رب نے انہیں اسلام کی توفیق بخشی تو ان کے دل میں رقت بھی ڈال دی۔

ایک مسلمان خاتون کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا جب وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہوئیں...... ان کا اسم گرامی ''لیلیٰ بنت ابی حثمہ القرشیہ'' تھا۔ پوچھا...... ام عبداللہ کہاں؟

انہوں نے فرمایا...... تم نے ہمارے دین کے معاملہ میں ہمیں بڑی اذیت دی، ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زمین کی طرف چلے جائیں۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا...... سفر میں اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق و دوست ہو۔

حضرت لیلیٰ کے میاں تشریف لائے تو لیلیٰ نے انہیں بتلایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کیا کہا اور یہ کہ ان کے لب و لہجہ اور رویہ میں کتنی نرمی تھی؟

میاں نے تعجب سے کہا...... تمہارا خیال ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے؟

انہوں نے اسلام کا اعلان کیا تو اسلام کو غلبہ حاصل ہوا، عمر رضی اللہ عنہ نے یوں ہی چاہا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے سامنے وہ اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ ایک دن اپنی تلوار لٹکائے وہ چلے جا رہے تھے...... کہ بنو زہرہ کا ایک شخص ملا، پوچھا عمر کہاں کا قصد ہے؟

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا...... محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ ہے۔

Marfat.com

اس شخص نے کہا...... محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے انتقام سے تم کس طرح بچ جاؤ گے؟

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا...... تم دیکھتے نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم...... آبائی دین سے پھر گئے...... اور جس دین پر تم ہو اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا...... عمر رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے مسلمان ہونے کا علم نہ تھا۔

انس شخص نے کہا...... میں اس سے کہیں زیادہ عجیب بات بتلاتا ہوں...... ان کا مقصد یہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ اس ارادہ سے باز آ جائیں اور رسول اللہ کے قتل سے ان کا رخ دوسری طرف ہو جائے...... ''تیری بہن اور بہنوئی بھی آبائی دین سے پھر گئے اور تیرے دین کو چھوڑ دیا۔''

اب عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف چل کھڑے ہوئے، ان کے مکان پر آئے تو وہاں خباب بن الارت رضی اللہ عنہ موجود تھے خباب نے عمر رضی اللہ عنہ کی آمد محسوس کی تو خوف سے مکان میں چھپ گئے...... عمر رضی اللہ عنہ نے بہن اور بہنوئی سے پوچھا، جو میں نے تم سے سنا وہ کیا تھا...... عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسی آواز تھی۔ جو میں سمجھ نہ سکا...... وہ سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے...... انہوں نے کہا، تمہارا کیا تعلق ہم آپس میں محو گفتگو تھے۔

عمر غرائے...... شاید کہ تم بے دین ہو گئے...... آبائی دین چھوڑ دیا۔

بہنوئی نے کہا...... سعید بن زید رضی اللہ عنہ...... عشرہ مبشرہ میں سے...... ایک تمہارے نام نہاد دین کے سوا حق دوسری جگہ ہو۔ تو اس کے قبول کرنے میں کیا حرج ہے، کیا اعتراض ہے!

عمر رضی اللہ عنہ ایک دم اچھل کر بہنوئی پر جا گرے...... اسے دبوچ کر زمین پر لٹا دیا، اس پر چڑھ گئے، بہن آگے بڑھیں، اپنے ہاتھ سے عمر کو ہٹانا چاہا تو عمر رضی اللہ عنہ نے بہن کے چہرہ پر زور دار تھپڑ رسید کر دیا۔ شیر دل بہن نے پورے جلال و ہمت سے کہا:

''جو چاہو کرو، میں تو ایک ہی بات کی گواہی دیتی ہوں کہ معبود حقیقی ایک اللہ تعالیٰ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے بہن کا خون آلود چہرہ دیکھا، تو بہنوئی کو چھوڑ دیا، چارپائی پر بیٹھ گئے اور کہا...... جو اوراق تمہارے پاس ہیں، مجھے دو کہ میں پڑھوں۔

Marfat.com

بہن نے کہا...... تم ناپاک ہو، حالت شرک کے سبب یہ پاکیزہ کلام ہے، اسے پاکیزہ خصال لوگ ہی چھو سکتے ہیں جا کر غسل یا وضو کرو پھر...... عمر اٹھے وضو کیا، پھر وہ اوراق لے کر پڑھنے لگے:

بسم الله الرحمن الرحيم .

طٰـہٰ مَـا اَنْـزَلْـنَـا عَـلَيْـکَ الْـقُـرْاٰنَ لِتَشْـقٰـی...... اَقِـمِ الـصَّـلٰـوۃَ لِـذِکْـرِیْ.

(طٰہٰ آیات: ۱-۱۴)

طاہا (یعنی اے شخص مخاطب) ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ رنج و محنت میں پڑ۔ وہ تو اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو (دل انکار و بد عمل کے نتائج سے) ڈرنے والا ہے۔ اس کے لیے نصیحت ہو (جو ڈرنے والے نہیں وہ کبھی اس کی صداؤں پر کان نہیں دھریں گے) یہ اس ہستی کا اتارا ہوا ہے۔ جس نے زمین پیدا کی اور بلندی کے آسمان "الرحمٰن" کہ (جہاں داری کے) تخت پر متمکن ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، جو کچھ مٹی کے نیچے ہے۔ (یعنی زمین کے نیچے ہے سب اسی کا ہے اور اسی کے لیے ہے) اور اگر تم پکار کر بات کہو تو (اس کی سماعت محتاج نہیں کیونکہ) وہ بھیدوں کا جاننے والا ہے زیادہ سے زیادہ چھپے بھیدوں کا بھی، وہی اللہ ہے، کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف وہی، اس کے لیے حسن و خوبی کے نام ہیں اور (اے پیغمبر) موسیٰؑ کی حکایت تو نے سنی؟ جب اس نے (دور سے) آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہا، ٹھہرو! مجھے آگ دکھائی دی ہے (میں جاتا ہوں) ممکن ہے تمہارے لیے ایک انگارا لے آؤں یا (کم از کم) الاؤ پر کوئی راہ دکھانے والا ہی مل جائے، پھر جب وہ وہاں پہنچا تو اس وقت پکارا گیا (ایک آواز اٹھی کہ) اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار، پس اپنی جوتی اتار دے تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے (اور دیکھ) میں نے تجھے (اپنی رسالت کے لیے) چن لیا ہے۔ پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے (کان لگا کر) سن میں، ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی بندگی کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز قائم کر۔" (ترجمہ: مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ: ترجمان القرآن جلد: ص:)

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا...... کتنا اچھا اور پیارا کلام ہے...... حضرت خباب نے سنا تو سامنے آ گئے اور فرمایا:

''عمر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ کی قسم، مجھے امید تھی کہ نبی علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ تجھے ہی مختص کرے گا...... میں نے کل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا، رب کعبہ کے حضور آپ عرض کناں تھے۔

''اے اللہ اسلام کی تائید کا سامان فرما ابوالحکم بن ہشام کے ذریعہ یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ...... اے عمر رضی اللہ عنہ...... قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، بار دگر قسم...... تمہارا یہ رویہ اسی دعا کے سبب ہے۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا...... خباب! مجھے محمد کریم کے ٹھکانہ سے آگاہ کرو کہ ان کی خدمت میں جا کر اسلام کا اعلان کر سکوں۔

خباب نے کہا...... صفا پہاڑ کے قریب ایک مکان میں وہ تشریف فرما ہیں...... چند احباب سمیت! عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور چل کھڑے ہوئے...... مکان پر حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا، صحابہ نے ان کی آواز سنی تو ایک شخص نے دروازہ کے سوراخ سے دیکھا کہ ننگی تلوار لیے کون ہے...... رسول اللہ کی خدمت میں حاضری دی۔ کہنے والے پر خوف غالب تھا...... اس نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! یہ تو عمر بن الخطاب ہیں ننگی تلوار لٹکائے ہوئے۔''

حمزہ بن عبدالمطلب...... رسول اللہ کے چچا...... رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کوئی حرج نہیں اسے اجازت دے دے، اگر تو خیر کے ارادہ سے آیا ہے تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے اور اگر برائی کے ارادے سے آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دیں گے۔''

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... اسے اجازت دے دو۔

ایک صحابی نے دروازہ کھول کر انہیں آنے کی اجازت دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، کمرہ خاص میں ان سے ملاقات فرمائی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پوری قوت سے گریبان سے قابو کر لیا اور فرمایا:

Marfat.com

''عمر کیسے آنا ہوا...... اللہ تعالیٰ کی قسم، میرا خیال تھا کہ تیرا معاملہ تب انتہا کو پہنچے گا جب تجھ پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہوگی۔''

عمر نے عرض کیا...... رسول اللہ...... میں حاضر ہوا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ اور آپ پر ایمان لاؤں اور جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے، اس کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارلوں۔

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری قوت سے اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کا نعرہ لگایا...... اصحاب رسول کے گھر والے اس نعرہ سے سمجھ گئے کہ عمر مسلمان ہوگئے!

عزۃ الاسلام

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اسلام کے اعلان کے بعد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باہر نکل کر اس اعلان کی اجازت چاہی اور عرض کیا:

''رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم...... ہم حق پر نہیں...... رسول اقدس نے فرمایا......

کیوں نہیں...... عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...... پھر اخفا کیوں؟

پس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلنے کا فیصلہ کیا، احباب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ کے سرگروہ عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کے حمزہ رضی اللہ عنہ...... اس صورتحال کو دیکھ کر قریش پر جو گزری وہ جس طرح بل کھا کر رہ گئے...... اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''عمر...... رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ہماری عزت میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔''

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے...... فرماتے ہیں:

''عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اسلام غالب ہوگیا، اعلانیہ اسلام کی دعوت دی، ہم بیت اللہ کے گرد حلقہ کی شکل میں بیٹھے، ہم نے اسلام کی بات کی جو اس سے پہلے ہمارے لیے مشکل تھی اور ہمارے پاس بعض لوگ آنے لگے۔''

خود جناب عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے...... فرماتے ہیں:

''کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو اپنے آپ سے کہا کہ جو لوگ اسلام کے بدترین دشمن ہیں ان کے سامنے جاؤں گا کہ ان کا غیظ وغضب بھڑکے اور وہ اپنی ہی انگلیاں کاٹ کر رہ جائیں۔''

Marfat.com

چنانچہ میں ابوجہل کے پاس گیا، دروازہ پر آواز دی...... وہ نکلا...... کہا اے میری بہن کے بیٹے، تمہارا آنا مبارک، کیسے آئے؟ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حنتمہ بنت ہشام، ابوجہل کی بہن تھیں) میں نے کہا، تمہیں یہ بتلانے کہ میں اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول پر ایمان لے آیا اور اس وحی پر بھی جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے...... عمر فرماتے ہیں...... اس نے ایک دم دروازہ بند کرلیا اور کہا...... عمر اللہ تعالیٰ تجھے روسیاہ کرے اور جو خبر تو لایا اسے بھی...... اصل یہ ہے کہ عمر کا اسلام مقابلہ کے بغیر رہ سکتا تھا۔ تاہم وہ بہت احتیاط کرتے اور اپنے آپ کنٹرول کرتے حتیٰ کہ جو ان سے جھگڑنے کی تدبیر کرتا، اس سے گریز فرماتے کہ ابھی باقاعدہ مقابلہ کی اجازت نہ تھی...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

> ''جس ذات پاک نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا، اس کی قسم! جس جس جگہ اور مجلس میں میں حالت کفر میں بیٹھا اس میں اسلام کی حالت میں ضرور بیٹھوں گا...... ہر جگہ جاؤں گا۔''

چنانچہ بیت اللہ تشریف لے گئے، طواف کیا، پھر کفار کی مجلس میں گئے، انہیں للکارا، مشرک ان پر پل پڑے، آپ عتبہ بن ربیعہ پر پل پڑے اسے دبوچ لیا اور پٹائی شروع کردی اور اپنی انگلیاں اس کی آنکھوں میں چبھو دیں، وہ چلایا تو لوگ جناب عمر سے الگ ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، اب کسی میں قریب آنے کی ہمت نہ تھی۔ البتہ ایک شریف آدمی قریب آ گیا...... جیسے اس نے پناہ میں لیا حتیٰ کہ لوگ وہاں سے تتر بتر ہوگئے...... الغرض ہر مجلس میں جاتے اور اسلام کا اظہار کرتے۔

ایک روایت ہے کہ ان کے ماموں العاص بن وائل نے ان کی حمایت کی اور اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کردیا لیکن آپ نے بصد شکریہ پناہ سے آزاد ہونے کا اعلان کردیا اور برابر لوگوں سے دو دو ہاتھ کرتے رہے اپنے دین کا حق ادا کیا۔ اپنے نفس کی اصلاح کا سامنا کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کتنا خوبصورت قول ہے کہ:

> ''عمر اسلام لائے تو گویا دروازہ کھل گیا۔ ہجرت کی تو نصرت الٰہی کا باعث بن گئے۔ امیر وخلیفہ بنے تو رحمت حق ثابت ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ ہم بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے تاوقتیکہ عمر مسلمان نہ ہوگئے...... اب کوئی

Marfat.com

رکاوٹ نہ تھی۔ یہ مسلمان ہوئے تو کافروں سے الجھ پڑے۔حتیٰ کہ انہوں نے ہماری نماز میں رکاوٹ ڈالنا چھوڑ دیا۔''

اللہ تعالیٰ کے رسول نے انہیں ''الفاروق'' کے لقب سے نوازا...... کہ ان کے ذریعہ حق و باطل ممیز ہو گئے...... ظاہر ہے اس میں تعجب والی کوئی بات نہیں کیونکہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ میں سے ہر ایک کو ایسے امتیازی ناموں سے متصف فرماتے ہیں جن میں وہ ممتاز ہوتے...... چنانچہ ابوبکر...... رضی اللہ عنہ کو صدیق'' (سچا) اور ''عتیق'' (جہنم سے آزاد) فرمایا...... تو حضرت خالد بن الولید...... رضی اللہ عنہ کو ''سیف اللہ'' ...... اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کو ''الفاروق''...... رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ہجرت کے دوران شاہت الوجوہ

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے دوران انصار مدینہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی...... اس بات کی بیعت کہ وہ آپ کی مدد کریں گے، آپ کے رفقاء کی مدد کریں گے اور مسلمانوں کو اپنے یہاں ٹھکانا دیں گے...... چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقا کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی طرف نکل جائیں...... ہجرت کر جائیں اور اپنے دینی بھائیوں...... الانصار...... کے پاس پہنچ جائیں...... فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے انصار کو تمہارے لیے بھائی بنا دیا، ان کے شہر کو تمہارے لیے گھر بنا دیا...... جہاں تمہارے لیے امن وطمانیت کا سامان ہوگا۔''

خود اللہ تعالیٰ کے نبی ابھی مکہ میں مقیم تھے...... یہاں سے نکلنے اور ہجرت کے حکم کا انتظار فرما رہے تھے۔ صحابہ خاموشی سے نکل کر جا رہے تھے، اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور بعض کھلے بندوں نکل کر جاتے لیکن پورے اہتمام کے ساتھ، کیونکہ قریش کو جب معلوم ہوتا کہ کوئی شخص ہجرت کرنے والا ہے...... کر رہا ہے تو وہ روکنے کی تدبیر کرتے، حتیٰ کہ قید سے گریز نہ کرتے، باندھ دیتے تاکہ بھاگ نہ سکے۔ البتہ مہاجرین میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایسے تھے جو نہ تو چھپ کر نکلے نہ ہی خوف کھا کر...... بلکہ کھلے بندوں اور چیلنج دے کر، روایت ہے کہ جب آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو اپنی تلوار گلے میں لٹکائی، اس طرح کہ وہ پلٹ کر کندھے پر لٹک جائے، اپنے

Marfat.com

ہاتھ میں تیر لے لیے، خنجر نما چھوٹا نیزہ پہلو میں لٹکا لیا...... نکلنے سے قبل کعبہ کی طرف گئے قریش کی کئی جماعتیں موجود تھیں، بیعت اللہ کے سات طواف کئے، بڑی تمکنت اور وقار کے ساتھ! پھر ایک حلقہ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا:

> ''تمہارے چہرے سیاہ ہوں اور اندھے ہو جائیں اللہ تعالیٰ انہیں خاک آلود ہی کرے گا...... جو چاہتا ہے کہ اس کی ماں اسے روئے اور اس کے بچے یتیم ہو جائیں، اس کی بیوی بیوہ ہو جائے...... تو بیت الحرام کی مقدس وادی سے ادھر میرے سامنے آجائے۔ پھر آپ تشریف لے گئے...... کسی نے تعاقب کرنے کی ہمت نہ کی۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خباب عیاش بن ابی ربیعہ کے ساتھ طے کر لیا تھا کہ فلاں جگہ اکٹھے ہوں گے...... چنانچہ حسب پروگرام باہم مل کر اکٹھے مدینہ منورہ گئے۔ دونوں حضرات ''بنو عمرو بن عوف'' کے محلہ میں انتظار کرنے لگے تاکہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں۔

مدینہ منورہ...... رایت مثل الذی رای

جب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے، مسلمانوں...... انصار، مہاجرین سے ملاقات ہوئی تو ایک نئے دور کا آغاز ہوا، ایک نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی گئی...... سرخیل و سرگروہ محمد عربی تھے...... رعایا میں یہ بہادران اسلام تھے، جنہوں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقا کا استقبال کیا اور اس بات کا عہد و پیمان کیا کہ وہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی طرف اٹھنے والے ہاتھوں کا دفاع اسی طرح کریں گے، جس طرح اپنے اہل و عیال کا دفاع کیا جاتا ہے ادھر مہاجرین وہ مردان کار تھے، جنہوں نے ہر طرح دکھ اور پریشانی برداشت کی لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی کے حکم کے بعد اپنا دین سلامت لے کر نکل گئے۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد نبوی بنائی۔ تمام صحابہ نے آپ کا ہاتھ بٹایا...... یہ مسجد گویا ایک نئی ابھرنے والی حکومت کا مرکز تھی۔

دوسرا کام یہ کیا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ بھائی چارہ کا اہتمام کیا تاکہ اس مملکت کے افراد...... جنہیں ایمان واخوت نے اکٹھا کیا ہے...... ایک کنبہ کی شکل اختیار کر لیں۔

Marfat.com

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ ہر شخص کا بھائی کون ہے...... علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ تو میرے بھائی ہیں...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ خارجہ بن زید، جناب حمزہ رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ اور جناب عمر رضی اللہ عنہ عتبان بن مالک کے بھائی قرار پائے...... (رضی اللہ عنہم)

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطمینان کی کیفیت حاصل ہوگئی، مہاجرین سب جمع ہو گئے اور انصار باہمی انتشار سے محفوظ ہو کر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے، تو آپ کی توجہات کا مرکز مملکت کا قیام اور اس کو منظم کرنا تھا...... یہی رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی فکر تھی...... تمام معاملات میں اس کا اہتمام واضح تھا۔ اذان کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے...... مسلمان نماز کے لیے بغیر کسی دعوت واعلان جمع ہوتے...... مسلمانوں نے خیال کیا کہ یہود جس طرح اپنی نماز کے لیے ایک مخصوص آلہ کو استعمال میں لاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے لوگ نماز کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں...... لیکن اسے پسند نہیں کیا گیا پھر ناقوس کا مشورہ ہوا لیکن انہی مشوروں کے درمیان حضرت عبداللہ بن زید الخزرجی رضی اللہ عنہ نے ایک فرشتے کو دیکھا جو انہیں اذان سکھا رہا ہے...... وہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، عرض کیا:

> ”اے اللہ کے رسول میں نے اس رات یہ خواب دیکھا کہ میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا، اس پر دو سبز کپڑے تھے اس نے ایک ناقوس اٹھا رکھی تھی...... میں نے اسے کہا...... اے اللہ کے بندے، اس ناقوس کو بیچو گے؟ اس نے کہا تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا...... ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی طرف بلائیں گے، اس نے کہا میں اس سے بہتر چیز تمہیں بتلاؤں؟ میں نے کہا...... وہ کیا ہے؟ اس نے کہا...... تو کہہ اللہ اکبر اللہ اکبر...... پھر پوری اذان سکھلائی۔“

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... یہ تو بہت ہی سچا خواب ہے...... مشیت الٰہی سے...... پس بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اسے یہ کلمات سکھا دو کہ وہ اذان کہا کرے کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔ جناب بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تھے، انہوں نے یہ کلمات سنے تو بھاگتے ہوئے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے...... اتنی جلدی میں کہ ان کی کندھے کی چادر گھسٹتی چلی آ رہی تھی...... عرض کیا:

Marfat.com

''اے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا جیسا اس شخص نے۔''

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... اس پر اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر اور احسان!

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جو اللہ تعالیٰ نے چند صفات عطا فرمائی تھیں قوت رحمدلی وغیرہ...... انہیں وہ برابر احقاق حق اور ابطال باطل (حق کو واضح کرنا اور باطل کو رد کرنا) کے لیے استعمال کرتے رہے تا آنکہ وہ جوار الٰہی میں پہنچ گئے...... نبی مکرم ان سے اکثر معاملات میں مشورہ فرماتے...... عہد رسالت میں بعض مواقع پر ان کے مؤقف کی وضاحت کریں گے) عہد رسالت میں ان کی قدر و منزلت کا اندازہ ہو سکے...... اور اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ وہ خلافت صدیقی میں کس حیثیت کے وزیر تھے...... پھر خلافت ثانی کی قبا ان پر صادق آئی...... جو کچھ ہم بیان کریں گے وہ ان کی فیض رسانی کا محض ایک حصہ ہے اور کثیر کارناموں میں سے بہت کم!

بدر کے قیدی...... مَانَجَا اِلَّا عُمر

بدر کے معرکہ میں کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوگئی، وہ ضعف کی حالت سے نکل کر قوت کی حالت میں آ گئے، تنگ دستی کے بجائے مالی وسعت میسر آ گئی۔ خوف رخصت ہوا، امن کا دور آ گیا...... اب قیدی رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور لائے گئے، ان کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی...... کہ کیا کیا جائے؟

ظاہر ہے کہ وہ اب مسلمانوں کے قبضہ میں تھے...... اس کا امکان موجود تھا کہ اب تک مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ ان سے لیا جائے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے تا کہ مسلمانوں کی قوت و غلبہ کا ظہور ہو سکے اور اہل عرب پر واضح ہو جائے کہ یہی اصل قوت ہے اور یہ کہ جو لوگ اب تک مسلمانوں کو کمزور سمجھے بیٹھے ہیں...... ان کی تغلیط ہو جائے۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ ان سب کو بغیر کسی فدیہ محض رحمت و شفقت کی بنا پر رہا کر دیا جائے...... اس میں ان کی تالیف قلب ہی کا سامان نہ ہوتا بلکہ ان کے متعلقین کے لیے بھی ایسا ہی ہوتا۔

ایک یہ صورت تھی کہ انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے...... مالی معاوضہ...... اس سے مالی فوائد میسر آ جاتے...... مسلمانوں کو اس کی ضرورت بھی تھی...... مادی فائدہ کے ساتھ معنوی فوائد

Marfat.com

بھی تھے...... (کہ قید کے دوران مسلمانوں کے حسن سلوک کی دھاک بیٹھ جاتی اور قتل کے علی الرغم محض برائے نام معاوضہ سے رہائی بجائے خود اچھے اثرات مرتب کرتی۔)

یہ سب احتمال تھے......اجتہادی آراء تھیں...... ہر رائے کے پیچھے وزنی دلائل تھے......اس لیے فیصلہ کی خاطر نبی مکرم نے اپنے احباب واصحاب سے مشورہ کیا......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''پیغمبر گرامی...... یہ سب اپنے ہی عزیز، بھائی اور رشتہ دار ہیں، میری رائے میں ان سے جو فدیہ ہم لیں گے وہ ہمارے لیے کفار کے مقابلہ میں ایک قوت ثابت ہوگا......رہ گئے یہ لوگ تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ حسن سلوک کے بدلے انہیں ہدایت سے سرفراز فرمادے اور یہ ہمارے دست و بازو بن جائیں!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے کہا:

''میں جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق نہیں، بلکہ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں میں فلاں جو میرا رشتہ دار ہے وہ میرے سپرد کیا جائے کہ میں اسے قتل کروں، علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل کو قتل کرنے کے لیے علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے۔حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ان کے بھائی عباس کو کیا جائے کہ وہ ان کا کام تمام کریں...... تا کہ ہمارا رب معلوم کرلے کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کے لیے رائی برابر مروت و محبت نہیں......ویسے بھی اتفاق سے یہ سب قیدی کفار کے وڈیرے، چودھری اور قائدین ہیں......(ان کا قتل سارے قصہ کو تمام کردے گا)''

تاہم رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا......ان سے فدیہ لے لیا...... مالی معاوضہ جرمانہ......لیکن بات اسی پر ختم نہیں ہوگئی...... جب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا......فدیہ لے لیا اور قیدیوں کا راستہ کھلا چھوڑ دیا اور جو فدان کے فدیے لے کر آئے تھے......انہیں ان کے سپرد کر دیا تو حضرت حق جل وعلی مجدہ کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں......ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''نبی کے لیے سزاوار نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ ملک میں غلبہ حاصل نہ کرلے...... مسلمانو! تم دنیا کی متاع چاہتے ہو (اور اللہ چاہتا ہے)

Marfat.com

تمہیں (آخرت کا) اجر دے اور اللہ ہے غالب حکمت والا، اگر (اس بارے میں) پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا تو جو کچھ تم نے (جنگ بدر میں مال غنیمت) لوٹا، اس کے لیے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا، بہر حال جو تمہیں غنیمت میں ہاتھ لگا ہے اسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا، رحمت والا ہے۔'' (الانفال: آیات ۶۷ تا ۶۹...... ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ)

حضرت رضی اللہ عنہ نبی محترم کی خدمت میں آئے۔

آپ کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ہر دو حضرات محو گریہ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اور آپ کے عزیز دوست کے رونے کا سبب؟ سبب معلوم ہونے پر ممکن ہو تو میں بھی شریک گریہ ہو جاؤں ورنہ آپ کو دلاسہ دینے کی تدبیر کروں......!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ آیات نازل ہوئیں اور عذاب اتنا قریب آ گیا تھا...... آپ نے قریبی درخت کا اشارہ فرمایا۔''

''اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر رضی اللہ عنہ...... کوئی نہ بچتا۔''

اول یہ ہے کہ زندگی...... منتخب افراد کو آگے لے جاتی ہے...... لیکن عناصر خبیثہ پیچھے دھکیلنے کا سبب بن جاتے ہیں...... درخت کی نمو اور اس کی نشو و نما کے لیے لازم ہے کہ غیر ضروری جھاڑ جھنکار ہی صاف نہ کیا جائے، بلکہ اس درخت کی بکھری ہوئی شاخوں کو بھی کنٹرول میں رکھا جائے تاکہ اس میں بدنمائی پیدا نہ ہو...... بعینہٖ یہی معاملہ حیات اجتماعی اور نسل انسانی کا ہے، احمق، ضدی اور حق کے نافرمانوں کو کسی وقت پر ٹھکانے لگانا ہی پڑتا ہے...... (جیسے ڈاکٹر عضو فاسد کو کاٹ پھینکتا ہے)...... اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کو ایک سبق سکھلایا، پھر جب انہیں یہ حقیقت از بر ہو گئی اور انہوں نے تدبر سے کام لیا تو انہیں معاف فرما کر مادی فوائد ان کے لیے جائز قرار دے دیئے...... یہ اللہ تعالیٰ کی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ تھا...... یعنی جو فدیہ لیا،

Marfat.com

اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت......اور فرمادیا کہ فکلوا مما غنمتم...... (آیت ٦٩)......

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہی رائے تھی اور پوری جماعت میں انہی کا موقف تھا کہ......مجرم اور جنگجو لوگوں کی گردنیں ماردی جائیں...... پہلا سبب ان کے سنگین جرائم......دوسرا سبب باقی دشمنوں کو مرعوب کرنا......تیسرا سبب قریش کے وڈیرے، چودھری اور قائدین سے نجات وخلاصی......اور چوتھا سبب حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ معلوم فرمالیں کہ ہمارے دل ان مجرمین حق اور مشرکین کی محبت سے بالکل خالی ہیں......!

کتنی خوبصورت رائے تھی......کتنا درست اور کتنا مضبوط موقف تھا کہ اس کی تائید خود رب تعالیٰ نے فرمائی...... نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا:

''آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو محض عمر رضی اللہ عنہ......ہی نجات پاتے۔''

صلح حدیبیہ میں......اَوَلَسْنَا بِالْمُسْلِمِيْن

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر معاملہ کا بڑی گہری نظر سے جائزہ لیتے، تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر وہ بحث کرتے اور وہ رخ اختیار کرتے، جس میں عزیمت کا پہلو ہوتا، معاملات کو حل کرنے میں ان کے نزدیک اصل چیز قوت کی راہ تھی، نہ کہ نرمی کی......تاہم وہ انسان تھے ایسے انسان جو معصوم نہ تھے......امکان خطا ایسے ہر شخص میں ہوتا ہے لیکن صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت معصوم نہ ہو کر بھی محفوظ تھی اور اگر کبھی کوئی نامناسب معاملہ ہوتا تو اس کا تعلق بھی محض اجتماعیت کی بہتری ہوتا ان میں ہر شخص آسمان ہدایت کا ستارہ مجتہد اور دین کے لیے سراپا اخلاص تھا......اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی جابجا تعریف کی......(رضی اللہ عنہم اجمعین)

صلح حدیبیہ میں......حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سبھی صحابہ اس معاملہ کو خوب سمجھے ہوئے تھے کہ مکہ معظمہ تک پہنچنے اور اس کے طواف کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اصل راستہ جنگ کا ہے......تقدیری حالات بھی بظاہر ان کی فتح کے نظر آرہے تھے......اور محسوس ہورہا تھا کہ ان کے درمیان اور ان کے ہدف کے درمیان محض چند قدم کی بات ہے لیکن رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش سے صلح کے سبب ہدف دور ہوگیا......اس صورت حال کے پیش نظر اور پکا ہوا پھل حاصل کرنے کی غرض سے اور اپنے ہدف تک پہنچنے کی غرض سے صحابہ کی بڑی تعداد بے چین تھی۔ ان

Marfat.com

کے سرخیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے...... ابتدا میں انہوں نے حضرت نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات بھی کی لیکن بالآخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے وابستہ ہو گئے...... نبوت کے فیصلہ پر گردن جھکا دی...... لوگ جانتے تھے کہ رسول اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری ہی سب سے بڑھ کر ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اپنی مرضی و خواہش سے گفتگو نہیں فرماتے، آپ جو فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے...... جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے...... سورہ نجم کی آیات ۳۔۴ کا یہی مفہوم ہے۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے...... گویا سراپا احتجاج ہیں...... عرض کیا...... محمد کریم...... رسول اللہ نہیں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ...... کیوں نہیں...... عمر رضی اللہ عنہ...... ہم مسلمان نہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ کیوں نہیں؟ عمر رضی اللہ عنہ...... تو اپنے دین کا کھلے بندوں اظہار کیوں نہیں؟

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ...... عمر رضی اللہ عنہ اپنے دائرے میں رہو...... میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد کریم...... اللہ کے رسول ہیں...... عمر رضی اللہ عنہ...... الحمدللہ میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں۔"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ...... دربار رسالت میں حاضر ہوئے وہی گفتگو کی جو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی تھی...... اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیئے جو جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیئے تھے...... اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا اور میرا رب مجھے کبھی ضائع نہ کرے گا۔"

جناب عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ صریح اور کھلی گفتگو تھی، اس میں خود اعتمادی، قوت اور دلیل و برہان کا سامان تھا...... لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول کا معاملہ ان سے زیادہ واضح اور صریح تھا...... اس نقطہ نظر سے جس کا اظہار جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کیا...... پھر وہ خاموش ہو گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو پیغمبر اقدس سے وابستہ کر لیا...... یہ ان کی خصوصیت تھی...... (رضی اللہ عنہ!)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنہا پریشان نہ تھے، سبھی لوگوں کا یہی حال تھا، نبی مکرم نے بربنائے احتیاط یہ حکم نہیں دیا کہ صحابہ احرام اتار دیں...... شاید محض کہنے سے ایسا نہ ہوتا جب تک آپ خود ایسا نہ کرتے، اس لیے آپ نے خود احرام اتارا، صحابہ نے دیکھا تو انہوں نے جلدی سے احرام کا لباس اتار دیا۔

Marfat.com

(یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ تھا) اب صحابہ نے اپنے ساتھ لائے ہوئے قربانی کے جانور ذبح کر دیئے سر منڈوا دیئے، غم کی شدت کے سبب یہ حال تھا کہ خطرہ تھا کہ بعض خود اپنے ہی بعض کو قتل کر دیں۔

اسی صلح حدیبیہ کے حوالہ سے ایک اور بات...... ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ مکہ سے بھاگ کر آ گئے...... وہ مسلمانوں سے التجا کر رہے تھے کہ ان کی مدد کی جائے...... سہیل (ابو جندل کے والد) وہ شخص تھا جو کافروں کی طرف سے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ لکھنے آیا تھا۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بڑی محبت اور دلسوزی سے سمجھا بجھا کر واپس بھیجا...... ابو جندل تو چلا رہے تھے...... ان کا باپ ابو سہیل شدید طریق سے گریبان پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔

ابو جندل کہہ رہے تھے...... مسلمانو! مجھے مشرکوں کی طرف واپس کر رہے ہو، میرے دین کو آزمائش میں ڈال رہے ہو؟ نبی محترم نے فرمایا:

> ''ابو جندل! صبر سے کام لو، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، اللہ تعالیٰ تیرے لیے اور تیرے جیسے ستم رسیدہ لوگوں کے لیے اس مصیبت سے چھٹکارے کا سامان فرمائیں گے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم نے اس قوم کے ساتھ ابھی معاہدہ کیا ہے...... ہماری طرف سے معاہدہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہے، اس لیے وعدہ خلافی اور دھوکہ دہی نہیں ہو سکتی۔''

ابو جندل رضی اللہ عنہ، نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر اپنے باپ کے ساتھ چل کھڑے ہوئے...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کا جذبہ اور اس بات کا یقین ان کے ہمراہ تھا کہ وہ بہت جلد خلاصی پا لیں گے۔

اس مرحلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب ابو جندل رضی اللہ عنہ کو حوصلہ دلاتے ہوئے، ان کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے...... فرمایا:

> ''ابو جندل، صبر و حوصلہ سے کام لو، یہ سب مشرک ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا خون کتے کے خون کی مانند ہے...... یعنی یہ سب ایسے ہی رسوا ہوں گے۔''

ساتھ ہی جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو دستہ سے سنبھالا...... وہ فرما رہے تھے:

Marfat.com

''میری خواہش ہو رہی تھی کہ تلوار سے ابو جندل رضی اللہ عنہ کے باپ کو اڑا دوں لیکن اس کا باپ جلدی سے چل نکلا اور یوں معاملہ ٹل گیا۔''

فتح مکہ......أو نا اشفع لکُمُ

صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ کوئی قبیلہ قریش کا حلیف بننا چاہے تو بن سکتا ہے......اسی طرح کوئی محمد کریم کا حلیف ہونا چاہے تو بسم اللہ......قبیلہ بنو خزاعہ نے اعلان کیا کہ:

''ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق و حلیف ہیں''

اور بنو بکر نے قریش کے حلیف ہونے کا اعلان کر دیا۔

کچھ دن گزرے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر چڑھائی کر دی اور قریش نے بھی خفیہ طریق سے اپنے حلیفوں کا ساتھ دیا......حالانکہ ان کے لیے معاہدہ کی رو سے یہ درست نہ تھا......پھر قریش کو اپنے گناہ کا احساس ہوا اور اس بات کا احساس کہ انہوں نے معاہدہ توڑ ڈالا ہے۔اب انہیں قدرتی طور پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف ہونے لگا۔چنانچہ انہوں نے سردار قریش ابوسفیان الاموی کو بھیجا تاکہ معاہدہ کی از سر نو پختگی اور توثیق کا اہتمام ہو سکے۔اور ممکن ہو تو مدت میں اضافہ ہو جائے۔

ابوسفیان مدینہ منورہ رہ گئے،رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، آپ نے کوئی جواب نہ دیا......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے......بتلایا کہ وہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا......میرے لیے کوئی بات ممکن نہیں......پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تمہاری سفارش کروں! اللہ کی قسم، اگر میں کوئی جگہ نہ پاؤں......سوائے چیونٹیوں کے بل کے تو بھی تمہارے ساتھ جہاد کروں گا۔''

اس جواب میں حقیقت حال کی کتنی رعایت؟ یہ عمر رضی اللہ عنہ ہی کا کام ہے......وہ بہت ہی سچے اور بہت ہی صریح اور صاف گفتگو کرنے والے تھے۔

یہ ان کی طبیعت تھی......ان کی عادت......اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کی شدت......راہ حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مطلق نہ ڈرتے۔(رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔)

Marfat.com

مَہلاً یا عباس

لشکر اسلام تیار ہو گیا اور مکہ کی طرف چل کھڑا ہوا تا کہ قریش نے صلح حدیبیہ کی جو مٹی پلید کی، اس کی انہیں سزا دی جا سکے اور مکہ اور بیت اللہ کو مشرکوں، ان کی گندگی اور ان کے بتوں سے آزاد کرایا جائے۔ مسلمان مکہ کے قریب پہنچ گئے...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں خیمہ زن ہو گئے تا کہ صبح کے سفر کے لیے تازہ دم ہو سکیں، سبھی لوگ خیمہ زن ہو گئے اور انہوں نے مختلف مقاصد...... کھانا پکانا، روشنی وغیرہ...... کے لیے آگ روشن کی...... لوگوں کے آرام کے لیے لیٹ جانے کے بعد...... جناب عباس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا...... رسول اللہ کے خچر پر سوار ہو کر نکلے، ان کا مقصد یہ تھا کہ کوئی شخص مل جائے جو مکہ جا کر اہل مکہ کو یہ کہہ سکے کہ اس سے قبل کہ مسلمان قوت و طاقت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں...... وہ خود رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر امن کی درخواست کر لیں...... حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ خونریزی نہ ہو۔

رات کی تاریکی میں وہ جا رہے تھے کہ دو شخصوں کی گفتگو سنی...... آپس میں مصروف گفتگو تھے...... ایک کہہ رہا تھا کہ میں نے اس رات کی مانند تو روشن رات نہ دیکھی اور نہ ہی ایسا لشکر...... دوسرے نے کہا یہ بنو خزاعہ ہیں، جنگ کی آگ بھڑکا رہے ہیں...... دوسرے نے کہا، خزاعہ کا افرادی معاملہ اس سے بہت کم ہے اور نہ ہی ان کے لیے ایسے الاؤ ممکن ہیں۔

جناب عباس نے ان دونوں کو آواز سے پہچان لیا...... ایک تو ابوسفیان بن حرب الاموی تھے، دوسرے بدیل بن ورقا...... حضرت عباس نے آواز دی...... اے ابوحنظلہ (ابوسفیان کا لقب)...... ابوسفیان نے جناب عباس کی آواز پہچان لی اور تعجب سے کہا...... ابوالفضل...... (جناب عباس کی کنیت)...... تم؟...... جناب عباس نے کہا...... ہاں...... ابوسفیان نے کہا...... تمہیں کیا ہوا، میرے ماں باپ تم پر قربان؟ جناب عباس نے کہا...... ابوسفیان...... تم پر افسوس، یہ لشکر مسلمانوں کا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ افسوس صبح قریش کا کیا ہوگا؟......

ابوسفیان نے کہا...... کیا معاملہ ہے؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا...... اللہ کی قسم، اگر وہ کامیاب ہو گئے تو تیری گردن ماردی جائے گی، میرے ساتھ خچر پر سوار ہو جاؤ رسول اللہ کے پاس جا کر امن طلب کر لو۔

Marfat.com

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ سوار ہو گئے۔ ان کا رفیق سفر لوٹ گیا، میں ان کے ساتھ آیا...... لوگوں کے جلائے ہوئے الاؤ کے پاس سے میں گزرا تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر دیکھا اور یہ کہ میں اس پر سوار ہوں تو انہوں نے کہا...... یہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے چچا ہیں اور رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی خچر پر سوار ہیں...... اور جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الاؤ پر سے گزرا تو وہ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے...... کہا کہ کون ہے؟...... جب انہوں نے خچر پر ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے...... ابوسفیان، اللہ تعالیٰ کے دشمن!...... اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تم پر اس طرح قابو پانے کا موقع دیا کہ ہمارے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں...... میں تمہارے انجام کے لیے آزاد ہوں۔

پھر نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طرف جلدی سے گئے، میں نے خچر کو ایڑ لگائی، آگے بڑھ گیا اور اتر کر نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گیا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے اور عرض کیا:

> ''رسول گرامی...... یہ ابوسفیان ہیں بغیر کسی عہد و پیمان قدرت نے ان پر قابو پانے کا موقعہ بخش دیا ہے...... مجھے اس کی گردن اڑانے کی اجازت عنایت فرمائیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں تو ابوسفیان کو پناہ میں لے چکا ہوں...... میں رسول اقدس کے پاس بیٹھ گیا...... جناب عمر رضی اللہ عنہ برابر اپنی سی بات کہتے رہے...... میں نے کہا...... عمر رضی اللہ عنہ ذرا آرام سے کام لو...... بخدا، اگر یہ بنو عدی بن کعب کے فرد ہوتے تو میں یہ نہ کہتا...... لیکن تم جانتے ہو کہ یہ بنو عبد مناف میں سے ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا...... عباس آپ بھی ذرا حوصلہ و آرام سے کام لو...... جس دن آپ مسلمان ہوئے اس وقت آپ میرے لیے باپ ''الخطاب'' سے زیادہ محبوب ہو گئے...... وہ مسلمان ہو جاتے تو بھی آپ کی محبت (رشتہ رسول) کے سبب زیادہ ہی ہوتی۔

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا عباس سے فرمایا...... اپنے خیمہ میں جا کر آرام کیجئے...... صبح انہیں لے کر آئیں۔

صبح دم وہ انہیں لے کر رسول اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے...... وہ مسلمان ہو گئے......

یہ گویا فتح مکہ کی خبر تھی...... ابوسفیان الاموی رضی اللہ عنہ کے مکان کو ''امن کا گھر'' قرار دے کر عزت بخشی گئی اور ''طلقاء'' کے لیے معافی کا اعلان فرمایا گیا۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب عباس کو جو الفاظ فرمائے...... وہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے انسان ہیں...... کیونکہ ''الخطاب'' ان کے والد تھے۔ اس کے باوجود ان کے اسلام کے مقابلہ میں جناب عباس کے اسلام کی محبوبیت کا اظہار اس لیے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں جناب العباس رضی اللہ عنہ کا اسلام کتنا محبوب تھا۔

جناب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والدین اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اس ارشاد گرامی کی روشنی میں دیکھا جائے تو جناب عمر رضی اللہ عنہ کی عملی محبت کی پوری پوری تطبیق سامنے آتی ہے اور اس حوالہ سے ان کا عظیم کردار سامنے آتا ہے۔ (رضی اللہ عنہ وعنہم۔)

مع المنافقین...... دعنی...... اضرب عنقهٗ!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، منافقوں کے مقابلہ میں تمام صحابہ سے بڑھ کر سخت تھے...... رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے آشنا تھے...... آپ فرماتے...... عمر رضی اللہ عنہ تمہاری مثال جناب نوح علیہ السلام جیسی تھی...... جنہوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا:

''میرے پروردگار! ان کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر زندہ نہ رہنے دے۔'' (نوح:۲۶)

ان کا موقف بہت صریح اور واضح تھا...... وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے اور بار ہا وہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال ادب اور اطاعت کے باوصف آپ کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کر دیتے۔ غزوہ بنی مصطلق کے دوران مہاجرین وانصار میں سے ایک ایک فرد کا جھگڑا ہو گیا...... ہر دو نے اپنے اپنے حلقہ کی دھائی دی۔ اس رویہ میں وہی پرانا انداز تھا جو اسلام سے پہلے تھا...... کہ اپنے اپنے قبائل کے نام دھائی دے کر لڑائی کی آگ بھڑکانا...... ایسا ہی خطرہ اب بھی تھا، اگر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم معاملہ رفع نہ کراتے...... آپ تشریف لائے...... فرمایا:

Marfat.com

''دور جاہلیت کی سی صدائیں؟ ان کو ہمیشہ کے لیے ترک کردو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رویہ ناپسندیدہ ہے''۔

منافقین کے سردار...... عبداللہ بن ابی بن سلول نے اس جھگڑا کا سنا تو کہنے لگا:

''اچھا مہاجرین نے یہ کیا؟ ہمارے ہی شہر میں ہمیں غرانا اور ہم سے نفرت! اللہ تعالیٰ کی قسم...... مدینہ پہنچنے کی دیر ہے...... پہنچ جائیں تو عزت والے، ذلت والوں کو نکال دیں گے۔''

پھر وہ اپنے رفقاء (وطنی) کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا...... یہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے...... تم نے ہی ان لوگوں کو سر پر چڑھا کر اپنے لیے خرابی کا یہ سامان پیدا کیا...... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ سب گفتگو سن رہے تھے...... عمران کی چھوٹی تھی، انہوں نے یہ تمام تفصیل نبی علیہ السلام کے حضور پیش کر دی...... اتفاق سے حضرت فاروق بھی موجود تھے...... عرض کیا:

رسول مکرم! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں، یا عباد بن بشر (اس کے قبیلہ) کو حکم دیں کہ اسے قتل کر دے''

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف تھا...... ان کی طبیعت ہی ایسی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول کی نظر دور تک دیکھتی ہے...... آپ نے فرمایا:

''ابن ابی (کام کا نہ سہی نام کا مسلمان ہے، ان حالات میں اس) کے قتل پر لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا...... ایسا ہوا تو پھر؟''

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس کے قتل کا حکم دیا نہ کسی قسم کی بدسلوکی کی اجازت دی...... اسی دوران اس کے بیٹے عبداللہ (باپ بیٹے کا نام ایک ہی تھا باپ منافقوں کا سردار اور بیٹا نہایت درجہ مخلص مسلمان، رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ سنا تو عرض کیا:

''آقائے محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض ان روایات کی بنیاد پر جو آپ کو پہنچی ہیں، آپ میرے باپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہے تو میں حاضر ہوں، مجھے حکم دیں کہ میں اس کا سر آپ کی خدمت مبارک میں لے کر آؤں۔''

Marfat.com

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ قبیلہ خزرج کے لوگ میرے والد کے مقابلہ میں میرے لیے زیادہ بھلے نہیں...... ڈر یہ ہے کہ اگر آپ میرے سوا کسی دوسرے کو اس کے قتل کا حکم دیں گے۔ تو میں اپنے آپ پر کنٹرول نہیں کر سکوں گا کہ لوگوں کے درمیان میرے والد کا قاتل پھرتا رہے تو میں اس کو قتل نہ کروں...... انسانی نفسیات کی کمزوریوں کا جرأت سے اظہار کیا...... اس کے نتیجہ میں، میں ایک کافر کے بدلے ایک مومن کے قتل کا مجرم بن کر جہنم میں چلا جاؤں گا...... اس لیے اگر ایسا ضروری ہے تو اپنے باپ کے لیے میں حاضر ہوں!

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم نرمی سے کام لیں گے اور وہ جب تک ہماری رفاقت اختیار کریں گے (رسمی سہی) ہم ان کے ساتھ حسن محبت کا مظاہرہ کریں گے۔"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد خود اسی کی قوم کو اس کو ہر برے کام پر قابل نفرت قرار دیتی...... اسی طرح اس کی زبان سے کوئی ایسی بات نکلتی تو لوگ اس کو کوستے...... اس پر نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... مخاطب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے:

"کہو عمر...... تمہارا کیا خیال ہے؟ جب تم نے ابن ابی کے قتل کا کہا تھا، اگر میں اسے قتل کر دیتا تو اس کے لیے (اس کے قبیلہ میں) ایک قسم کی ہمدردی کی لہر پیدا ہو جاتی، اس شکل میں کیا ہوتا؟ اب جو شکل ہے اس کے بعد آج کوئی بھی حکم دیا جائے اس کی تعمیل ہوگی...... (لیکن جو لوگ اپنی بدعملیوں کے سبب نفرت کا نشانہ بن کر رہ جائیں، انہیں قتل کرنے کا کیا فائدہ، وہ تو روز مرتا ہے اور برے حالوں!)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول...... میں خوب سمجھ گیا کہ میری سوچ اور مشورہ کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی سوچ اور مشورہ کی کتنی برکت ہے...... کجا میں اور کجا آپ کی ذات اقدس؟

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم...... ورضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین!

Marfat.com

اَنَّ الرَّجُلَ قَدْ نَافَقَ !

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے لیے تیاری فرمائی تو یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! تو اپنے کرم سے قریش کی آنکھوں پر پٹی باندھ دے اور ان کے صحیح حالات کی فراہمی کا سبب پیدا کر دے تا کہ ہم بغیر کسی حیص بیص ان کے شہر کو حاصل کر لیں۔"

اسی دوران حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک کام یہ کیا کہ اہل مکہ کو خط لکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے مطلع کر دیا...... چنانچہ آسمان سے وحی نازل ہوئی جس سے یہ راز فاش ہو گیا......سورۃ الممتحنہ کی ابتدائی آیات...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ جو خاتون جناب حاطب کا خط لے کر جا رہی ہے اس سے وہ حاصل کر سکیں، پہلے تو اس خاتون نے انکار کیا پھر اعتراف کر کے خط دے دیا...... یہ دونوں حضرات واپس حاضر ہوئے، اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حاطب کو بلایا اور پوچھا:

"حاطب اس خط کا سبب؟

حاطب نے عرض کیا:

"اللہ پاک کی قسم! میں علیٰ حالہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں، میرے اندر مطلق تبدیلی اور تغیر نہیں آیا لیکن میں ایک ایسا شخص ہوں جو بالکل تنہا ہوں، مکہ میں میرا قبیلہ یا خاندان نہیں، محض بیوی اور لڑکا ہے۔ میں نے یہ اس لیے کیا کہ وہ لوگ اس احسان مندی سے میرے بچوں کی حفاظت کریں گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے......عرض کیا:

"رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم! یہ منافق ہو گیا، اس کی گردن اڑانے کی اجازت دیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ طبعی حالت تھی......جس کے متعلق انہیں نفاق کا گمان ہوتا، اس کے متعلق ان کا یہی رویہ ہوتا......خود اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال تک کے لیے دین کے معاملہ میں مطلق نرمی نہ تھی۔

Marfat.com

تاہم اللہ تعالیٰ کے رسول بہت ہی بردبار تھے...... کرم فرمانے والے...... ہر چیز کا علاج جانتے...... فرمایا:

''عمر رضی اللہ عنہ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے معاملہ میں کیا فرمایا...... حاطب تو بدری صحابی ہیں...... فرمان الٰہی ہے...... بدر میں شریک ہونے والوں سے متعلق...... جو چاہو تم کرو، میں تمہاری مغفرت کا فیصلہ کر چکا''

(رضی اللہ عنہم اجمعین)

اَعلیٰ عدو اللّٰہ تصلّی!

عبداللہ بن ابی بن سلول کا نفاق معلوم ومعروف تھا...... اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غایت درجہ نرمی کا معاملہ فرماتے...... اس کا سبب ایک تو یہ تھا کہ شاید وہ ہدایت و استقامت کی راہ پر آ جائے دوسرے یہ کہ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مخلص صحابی تھے...... ان کی محبت و پیار کا سوال تھا...... لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اس کا نفاق گوارا نہ تھا، آپ اللہ تعالیٰ کے رسول سے خواہش رکھتے کہ اس کے قتل کا حکم دے دیں...... نہ صرف اس کے لیے بلکہ اس قماش کے سب لوگ قتل کر دیئے جائیں تاکہ مسلمان ان کے شر ونفاق سے محفوظ ہو جائیں۔

ابن ابی کا انتقال ہوا، تو آپ کو جنازہ کے لیے عرض کیا گیا، آپ تشریف لائے، جونہی جنازہ کا ارادہ کیا...... عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''ابن ابی...... اللہ تعالیٰ کے دشمن کا جنازہ...... جس نے فلاں فلاں موقعہ پر یہ اور یہ کہا...... اس کی بہت سی باتیں گنوادیں...... اللہ تعالیٰ کے رسول مسکرا رہے تھے۔''

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بہت ہی اصرار بڑھا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عمر رضی اللہ عنہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے...... میں اس اختیار سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ اسی حوالہ سے تم بھی ایسا ہی رویہ اختیار کرو...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار کی بات سورۂ توبہ کی یہ آیت ہے جس میں ارشاد ہے......!

ترجمہ: اے پیغمبر! تم ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو (اب ان کی بخشش ہونے والی نہیں) تم اگر ستر مرتبہ بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو (یعنی

Marfat.com

سینکڑوں مرتبہ ہی دعا کرو) جب بھی اللہ انہیں کبھی نہیں بخشے گا۔ (آیت: ۸۰

ترجمہ مولانا ابوالکلام آزادؒ)

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ میری استغفار پر ان کی بخشش ممکن ہے تو میں ایسا بھی کر گزرتا...... پھر آپ نے جنازہ پڑھایا۔ جنازہ کے ساتھ گئے تدفین تک اس کی قبر پر رہے...... لیکن تھوڑا ہی وقت گزرا کہ یہ آیات نازل ہوئیں:

ترجمہ: اور اے پیغمبر! ان سے کوئی مرجائے تو تم کبھی اس کے جنازہ پر (اب) نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے رہنا، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حالت میں مرے کہ (دائرہ) ہدایت سے باہر تھے...... اور دیکھو! ان کے مال اور ان کی اولاد پر تمہیں تعجب نہ ہو، یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ چاہتا ہے مال و اولاد کے ذریعے انہیں عذاب دے (یعنی ایسے لوگوں کے لیے اس کا مقررہ قانون حیات ایسا ہی ہے) اور ان کی جان اس حالت میں نکلے کہ سچائی کے منکر ہوں...... (التوبہ: ۸۴: ۸۵) (ترجمہ: مولانا ابوالکلام آزادؒ)

اس کے بعد اللہ کے رسول...... صلی اللہ علیہ وسلم نے...... اپنی حیات مبارکہ میں نہ تو کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھائی اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوئے!

خصوصیات فاروقی

جو لوگ شدت و سختی (اللہ کے لیے) کی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ ان کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے۔ یہ فرق حدود میں بھی ہوتا ہے اور جس مقصد کے لیے یہ ہو رہا ہے، اس میں بھی!...... جناب عمر رضی اللہ عنہ درجہ کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر تھے...... اور لطف یہ کہ سب سے پہلے وہ اپنی ذات سے یہ برتاؤ کرتے...... اپنی ذات اپنے اہل و عیال اور لوگوں کے درمیان فرق روا رکھنے کا سوال ہی نہ تھا۔

مقصد کے حوالہ سے دیکھا جائے تو اصل سوال ''احقاق حق'' کا تھا اور ''ابطال باطل'' کا...... یعنی حق بھی واضح کر دیا جائے اور باطل کے معاملہ میں بھی رعایت نہ برتی جائے...... اللہ تعالیٰ کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خوبی کے ساتھ انہیں ''الفاروق'' کے لقب سے متصف کیا۔

Marfat.com

آپ کے فخر کے لیے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کافی ہے کہ...... ''اللہ تعالیٰ جناب عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے...... ہر حال میں حق کہتے ہیں، اگر چہ کڑوا ہو، نہ حق ترک کرتے ہیں، نہ ہی سچائی سے اعراض برتتے ہیں''...... مزید ارشاد ہے ''میری امت میں اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے سب سے بڑھ کر سختی وشدت برتنے والے عمر رضی اللہ عنہ ہیں...... حق کے لیے ان کی اسی شدت نے لوگوں کے دل میں ان کی ہیبت ڈال دی اور لوگ ان سے برابر ڈرتے اور خوف کھاتے، حق کے لیے شدت وہیبت کے باوصف وہ لوگوں کے لیے سب سے بڑھ کر تواضع کرنے والے بھی تھے''...... (رضی اللہ عنہ وعنہم۔)

شدت فی الحق

لَتُقِيمَنَّ عَلَيْهِ بَيِّنَة

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ...... حق کے معاملہ میں بہت ہی شدید تھے...... عہد رسالت ہو یا عہد صدیقی...... یا اپنی خلافت کا دور، ہر زمانہ میں ایک ہی حال تھا...... حقیقت یہ ہے کہ ان کے اپنے دور میں اسی صفت نے فساد کا قلع قمع کیا...... اور فتنوں کا راستہ روکا، راہ حق میں کسی ملامت گر کی ملامت کا مطلق احساس نہ تھا۔ اسی وجہ سے فتنوں کا دروازہ بند رہا...... اور یہ ممکن نہ ہو سکا کہ وہ اسلامی جمعیت کو متاثر کرسکیں......

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے...... انہوں نے پوچھا کہ ''فتنہ'' کے معاملہ میں پیغمبر اسلام کے ارشادات کا سب سے بڑھ کر حافظ کون ہے؟...... جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''میں''...... یہ راز دان رسول مشہور تھے...... بہت اہم باتیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلائیں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... ذرا بتلاؤ، آپ نے کیا فرمایا تھا؟...... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

> ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا...... آپ ارشاد فرماتے تھے آدمی کے لیے فتنہ (آزمائش) اس کے اہل ہیں، مال ہے، خود اپنی ذات ہے، اولاد ہے، پڑوسی ہیں...... اس معاملہ میں جو اونچ نیچ ہو جائے اس کا کفارہ روزہ، نماز، صدقہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر سے ہو جاتا ہے۔''

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرا مقصد یہ نہیں، میری مراد اس فتنہ سے ہے۔ جس کی موجیں اس طرح اٹھیں گی جس طرح سمندر کی موجیں......'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''امیر المومنین، اس سے آپ کو کیا غرض......؟ کیوں کہ آپ کے درمیان اور اس خطرناک فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے......(اس لیے آپ محفوظ رہیں گے)......تاہم آپ نے پوچھا کہ وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟......

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''جناب وہ توڑا جائے گا...... پھر وہ صبح قیامت تک بند نہ ہو سکے گا......(اس سے مراد خود سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات تھی جو فتنوں اور ملت کے درمیان مضبوط آڑ تھی اور سد سکندری)

صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا......کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ وہ دروازہ کون ہے؟

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا...... ہاں......یعنی انہیں معلوم تھا۔ وہ اس کی حقیقت سے اس طرح واقف تھے، جس طرح اس بات سے کہ ہر دن کے بعد رات لازم ہے میں نے ایسی بات بیان کی جو گپ نہ تھی...... جو امر واقعہ تھا۔

صحابہ کے بقول ہمیں خیال آیا کہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ سے معلوم کریں کہ دروازہ سے مراد کیا ہے؟......تو ہم نے حضرت مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ (مشہور تابعی) سے کہا کہ آپ پوچھیں...... مسروقؒ نے پوچھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر معاملہ کی تہہ میں جاتے......سچائی کے بغیر کوئی بات قبول کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم انصار کی مجلس میں بیٹھے تھے......اچانک حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے...... بہت ہی پریشان...... کہنے لگے کہ میں نے تین مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت چاہی، اجازت نہ ملی تو پلٹ آیا...... پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی پوچھا کہ تین مرتبہ کے بعد رک جانے کا سبب؟

Marfat.com

میں نے عرض کیا...... میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی آپ نے اجازت نہ دی
تو میں پلٹ آیا...... کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ہے کہ:
''جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت مانگے اسے اجازت نہ ملے تو
لوٹ آئے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... یہ بات ''حدیث رسول'' ہے اس پر تمہیں گواہ پیش کرنے ہوں گے۔''

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ہم سے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے یہ بات رسول اللہ سے سنی؟ میرے باپ نے کہا:

''اللہ کی قسم تیرے ساتھ کوئی نہ اٹھے گا۔ مگر وہی شخص جو قوم میں سب سے چھوٹا ہے۔''

میں سب سے چھوٹا ہوں لیکن چونکہ میں نے یہ بات سنی اس لیے میں اٹھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضور گواہی دی...... حضرت نے فرمایا اب ٹھیک ہے!

شدت کا سوال دوسروں کے ساتھ ہی نہ تھا...... خود اپنے ساتھ یہی حال تھا...... ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ فرماتی ہیں...... کہ میں نے ایک مرتبہ ابا حضور سے عرض کیا:

''بابا! جو لباس آپ نے زیب تن فرما رکھا ہے اس کے مقابلہ میں ذرا اچھا لباس پہن لیں اور موجودہ خوراک سے کسی قدر اچھی خوراک استعمال فرمائیں...... تو کتنا اچھا ہو...... اب تو اللہ تعالیٰ نے رزق میں وسعت عطا فرمائی اور دنیوی مال و اسباب بہت ہو گیا...... بابا نے فرمایا...... بیٹی میں اپنے آپ کے معاملہ میں تم سے جھگڑا کروں گا...... ذرا یہ بتاؤ کہ رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسے گزری؟ آپ نے عیش و نشاط سے حصہ حاصل کیا، جس کا تم مجھے سبق دے رہی ہو؟...... بابا مسلسل اس کا ذکر کرتے رہے حتیٰ کہ میں گریہ میں ڈوب گئی......''

پھر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اگر ایسا کر سکوں تو ''ان دونوں''...... اشارہ رسول رحمت اور جناب صدیق کی طرف...... کے قدم بقدم چلوں، یعنی جیسی مشکل زندگی انہوں نے گزاری، ویسی گزاروں...... شاید کہ آئندہ زندگی میں انہی کی طرح رضائے الٰہی کا مستحق بن سکوں!''

Marfat.com

آگے بڑھیں تو دیکھیں کہ اپنے اہل وعیال کے متعلق ان کا کیا رویہ تھا؟......
جناب عمر...... جب لوگوں کو کسی کام سے روکتے تو اپنے گھر والوں کو بلاتے اور فرماتے:

''میں نے لوگوں کو فلاں فلاں کام سے روکا ہے، لوگوں کی نظر تم پر ہے، اس طرح جس طرح پرندہ گوشت کو دیکھتا ہے...... جن باتوں اور اعمال سے میں نے روکا، ان میں تم پڑ گئے تو لوگ بھی وہی کچھ کریں گے...... تم نے احتیاط برتی تو لوگ بھی احتیاط برتیں گے! چند باتوں سے میں نے روکا ہے اگر ان میں سے ارتکاب تم میں سے کسی نے کیا، تو اللہ تعالیٰ کی قسم اسے دوہری سزا ملے گی کیونکہ تمہارا میرے ساتھ زیادہ قریبی تعلق ہے!''

روایت ہے کہ بادشاہ روم کا ایلچی آیا...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ایک دینار قرض لے کر عطر خریدا، اسے شیشی میں ڈالا اور ایلچی کے ذریعہ شاہ روم کی اہلیہ کے لیے ارسال کیا، بادشاہ روم کی اہلیہ نے جواباً جواہر ارسال کئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے انہیں پکڑ کر ٹکڑے پر بچھایا ہی تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے...... پوچھا یہ کیا ہے؟ صورت حال معلوم ہوئی تو تمام جواہر لے کر بیچ ڈالے...... ایک دینار تو اپنی اہلیہ کو لوٹا دیا۔ باقی سب سرمایہ بیت المال میں جمع کرا دیا۔

اولاد کے معاملہ میں ان کا یہ حال تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اونٹ خریدا...... اور اسے چراگاہ میں چھوڑ دیا، موٹا تازہ ہو گیا تو وہ بازار لایا گیا، ادھر ابا جان آ گئے...... موٹا تازہ اونٹ نظر پڑا تو پوچھا...... کس کا ہے؟ عرض کیا گیا، عبداللہ (آپ کے بڑے فرزند) کا...... اب میری طلبی ہوئی میں جلدی سے آیا، تو پوچھا، اس اونٹ کا ماجرا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، ایک واجبی سا اونٹ تھا، میں نے خریدا اور چراگاہ میں بھیج دیا، جس پر ظاہر ہے کہ سبھی مسلمانوں کا حق ہے...... آپ نے تعجب کے سے انداز میں فرمایا:

''امیر المومنین کے بیٹے کا اونٹ اور چراگاہ میں اس کا چرنا اور پینا؟''

''بیٹے...... اسے بیچ کر اپنی خرچ کردہ رقم رکھ لو اور باقی بیت المال میں جمع کرا دو''

ایک روایت یہ ہے کہ جناب عبداللہ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ...... (ہر دو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے) ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے، بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے ان صاحبزادوں کو خوش آمدید کہا، انہیں سہولت فراہم کی...... فرمایا اگر کوئی ایسا

Marfat.com

معاملہ ہو جو تمہارے لیے نفع کا باعث ہو تو میں حاضر ہوں...... پھر فرمایا بیت المال کی کچھ رقم موجود ہے، چاہتا ہوں تمہارے ذریعہ امیر المومنین کو بھجوا دوں، تمہیں اجازت ہے کہ اس کے ذریعہ عراق میں تجارت کر لو، پھر اس سے سامان خرید لو اور مدینہ جا کر بیچ کر اصل سرمایہ امیر المومنین کو دے دو نفع تم رکھ لو...... دونوں نے ایسا ہی کیا...... والئی بصرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کر دی تا کہ واپس پر ان سے اتنا روپیہ وصول فرمالیں...... دونوں بھائی واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... سارے لشکر نے تجارت کی؟ کہنے لگے...... نہیں...... فرمایا...... راس المال اور نفع سبھی جمع کراؤ...... حضرت عبداللہ تو چپ رہے، عبیداللہ نے عرض کیا، امیر المومنین یہ مناسب نہیں...... اگر سارا مال یا کچھ ضائع ہو جاتا تو ظاہر ہے ہم ضامن ہوتے...... تو نفع میں ہم شریک کیوں نہیں؟...... اس کے باوجود حکم یہی ہوا کہ سارا مال جمع کرا دو...... عبداللہ پھر چپ...... عبیداللہ نے پھر کچھ عرض کیا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود ایک شخص نے کہا...... امیر المومنین، انہیں مزدوری کے طور پر کچھ دے دیں...... چنانچہ راس المال اور آدھا نفع لے کر انہیں دے دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے لیے وہ پسند نہیں کیا جو دوسروں کے لیے درست تھا...... رہ گیا یہ معاملہ کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعری نے ایسا کیوں کیا؟ تو والئی کے طور پر انہیں تصرف کا حق تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تقویٰ اور ورع کے منافی خیال کیا اور اس بات سے متفق نہیں ہوئے کہ کل فلاں ہر ذمہ دار شخص اور اس کے حوالی موالی اس طرح کے معاملات کرتے رہیں جس سے شبہات پیدا ہوں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک کھانا پکا کر لائی جس کا نام ''خزیرہ'' ہے جو آٹے اور گھی کو ملا کر بنایا جاتا ہے...... حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور میرے درمیان تشریف فرما تھے...... میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ بھی کھائیں...... انہوں نے انکار کیا...... میں نے کہا یا تو آپ کھائیں ورنہ چہرے پر لیپ دوں گی...... پیغمبر اقدس مسکرائے...... اور مجھے مضبوطی سے پکڑ کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا...... یہ تو کیا لیپ کرے گی تم اس کے چہرے پر لیپ کر دو...... چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا...... اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسکرائے...... اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے اور آواز دی...... عبد

Marfat.com

اللہ، عبداللہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا کہ وہ آیا ہی چاہتے ہیں تو فرمایا...... جلدی سے اٹھ کر دونوں اپنے چہرے دھولو...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں برابر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہیبت کھاتی کہ مجھے احساس ہوا کہ ان کا تو رسول اکرم بھی اس طرح خیال رکھتے ہیں۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں کتنا جامع ہے کہ:

''نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے دجال کے متعلق باتیں کرتے، فرماتے کہ وہ ظالم ایک شخص پر مسلط ہو جائے گا، اسے قتل کر کے پھر زندہ کرے گا اور پوچھے گا ''میں تیرا رب نہیں؟ وہ بندہ مومن ارشاد فرمائے گا...... اس گھڑی تجھ سے بڑا جھوٹا میں نے نہیں دیکھا......''

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حین حیات نہیں دیکھا...... (آپ کے بعد کئی ایسے بدقماش پیدا ہو گئے)...... (رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین!)

هَيْبَتُه، قُوْمَا فَاغْسِلَا وُجُوْهَكُمَا

سیدنا الفاروق رضی اللہ عنہ کی ہیبت کا لوگوں پر اثر! حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا...... کسی شخص نے مجھے کنکری ماری، میں نے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے...... فرمایا ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس بلا لاؤ (وہ بھی محو خرام تھے) میں انہیں بلا لایا تو آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا! کہ ہم طائف سے آئے ہیں...... فرمایا، تم اس شہر کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ تم پر تعجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو؟

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں ایک آیت سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھنا چاہتا تھا...... سال گزر گیا لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے ہمت نہ کر سکا......

حضرت عمر بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک قریشی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا اور عرض کیا ذرا ہمارے معاملہ میں نرمی برتیں، آپ کی ہیبت سے اب تو ہم لرزہ براندام ہو گئے...... فرمایا کہ اس سلسلہ میں تم پر کوئی ظلم ہوا؟ اس نے عرض کیا...... نہیں...... فرمایا:

Marfat.com

''تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں میں میری ہیبت اور بڑھادے۔''

لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نہیں بلکہ عہد رسالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، آپ کے پاس کچھ قریشی عورتیں مسائل معلوم کر رہی تھیں اور ان کی آوازیں خاصی بلند ہو رہی تھیں...... انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو خوفزدہ ہو کر چپ ہو گئیں...... رسول رحمت مسکرائے...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا...... اپنی جان کی دشمن خواتین...... مجھ سے خوفزدہ ہوتی ہو اور اللہ تعالیٰ کے رسول سے نہیں......؟ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عمر رضی اللہ عنہ! جس گلی سے تمہارا گزر ہو اس گلی سے شیطان گزر نہیں سکتا! بلکہ وہ راستہ بدل لیتا ہے۔''

تواضعه لو غيرک يقولها

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تمام تر شدت کے باوصف لوگوں کے لیے حد درجہ متواضع تھے...... جہاں آپ کی ہیبت بہت تھی، وہاں ہمدردالٰہی پر انہیں قائم رکھنے کا بھی بے حد اہتمام فرماتے...... آپ فرماتے:

''میرا سب سے بڑھ کر محبوب وہ ہے جو میرے عیوب سے مجھے مطلع کرے۔''

جب آپ شام تشریف لے گئے تو راستہ میں ندی آ گئی، آپ اونٹ سے اتر گئے جوتے اتار کر انہیں ہاتھ میں لے لیا اور اس حال میں پانی میں کود پڑے کہ اونٹ کی نکیل ہاتھ میں تھی، حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہمراہ تھے...... انہوں نے عرض کیا:

''زمین والوں کے نزدیک آپ نے بڑی ترقی کا سامان کیا...... یہ اور یہ......

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ کے سینہ میں ہاتھ مارا...... اور کہا، اف، تم اور یہ بات! تمہارے بغیر کوئی یہ بات کہتا تو میرا یہ ردعمل نہ ہوتا...... ہم اور تم پسے ہوئے لوگ تھے، تعداد تھوڑی...... اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت بخشی! اب اس کے بعد تم کیا چاہتے ہو...... کون سی عزت، اسی عزت کے بعد تمہیں مطلوب ہے؟''

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ...... خلافت کے باوصف اونی کرتا پہنتے، جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوتے، آپ اپنا درہ لے کر بازار میں نکل کھڑے ہوتے لوگوں کو ادب سکھاتے اور اصلاح کا سامان کرتے!

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کا ایک پرنالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے راستہ میں پڑتا، جمعہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے لیے لباس پہن کر نکلے...... حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے یہاں بکری کا بچہ ذبح ہوا تھا، پرنالہ سے خون آلود پانی بہنے لگا آپ کے کپڑے خون آلود ہو گئے، آپ نے اس کو اکھاڑنے کا حکم دے دیا۔ گھر واپس تشریف لا کر کپڑے بدل کر تشریف لے گئے اور جمعہ کی نماز پڑھائی...... حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے اور کہا:

''اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ وہ جگہ ہے جہاں اس پرنالے کو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نصب کیا تھا۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لرز گئے اور فرمایا...... عباس رضی اللہ عنہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر اس پرنالے کو وہیں نصب کرو...... جہاں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصب کیا تھا...... چنانچہ ایسا ہی ہوا...... رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہونے والے کا یہ احترام......

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں جہاں غصہ تھا، وہاں معافی کی صفت بھی بطریق اتم موجود تھی...... حدود الٰہی اور احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔

الحر بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا عیینہ بن حصن کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اجازت مانگی...... اجازت مل گئی، وہ آئے تو کہا:

''ابن خطاب! آپ نے نہ تو ہمیں عطیہ دیا اور نہ ہی آپ نے ہمارے معاملہ میں انصاف سے کام لیا، نیکی کا حکم دو، جاہلوں کی طرف متوجہ ہو۔'' (الاعراف: ۱۹۹) اور یہ تو نادان و کم عقل ہی ہیں...... الحر کہتے ہیں، جونہی میں نے یہ آیت پڑھی، عمر فوراً رک گئے، اور کسی قسم کا اقدام نہیں کیا!!

فهمه الدقيق...... ما حملك علىٰ هذا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فہم اور عقل سے وافر حصہ ملا، غور و فکر میں بہت بڑی گہرائی نصیب ہوئی اور بہت سے معاملات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے درست راہ کی راہنمائی کا سامان فراہم

Marfat.com

کیا...... انہیں ایسی فراست ملی جو تمام حجاب دور کرنے والی تھی اور گویا وہ اللہ تعالیٰ کے نور کے ساتھ ہر چیز کو دیکھتے...... بہت سی چیزوں کو اس طرح دیکھتے اور جائزہ لیتے کہ دوسروں کے لیے ایسا ممکن نہ تھا...... اسی حوالہ سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو جناب عمر رضی اللہ عنہ کے دل اور زبان پر جاری فرمادیا۔''

جب ہم ان کی حیات مبارکہ کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو ایسے ان گنت مواقع نظر آتے ہیں جہاں ان کا فہم وادراک دوسرے صحابہ علیہم الرضوان سے ممتاز نظر آتا ہے...... یہ کیفیت دور رسالت میں ''خلافت صدیقی'' اور خود ان کو اپنی خلافت میں جا بجا نظر آتی ہے مثلاً...... جب آپ نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''بلاشبہ مجھے اللہ تعالیٰ کے رسول نے اس بشارت کے ساتھ بھیجا ہے کہ توحید الٰہی کی یقین قلب کے ساتھ گواہی دینے والے کو جنت کی بشارت دوں۔''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روکا اور کہا خبردار پلٹ جاؤ...... یہ بات کسی نے نہیں کہی...... وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پلٹ گئے اور بتلایا کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا...... بھائی جو تم نے کیا، اس کا سبب؟

عرض کیا...... آقا...... مجھے ڈر ہے کہ لوگ محض اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے، عمل کی پرواہ نہ رہے گی...... لوگوں کو عمل کی راہ میں بھاگ دوڑ کرنے دیں...... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کی تصویب فرمائی اور اسے درست قرار دیا...... یا مثلاً

غزوۂ تبوک میں لوگ بھوک سے دوچار ہوئے تو عرض کیا...... حضرت...... اجازت ہو تو باربرداری کے اونٹ ذبح کر کے پیٹ کی آگ بجھالیں...... نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی...... اسی اثنا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے...... عرض کیا آقا! اس طرح تو باربرداری کے جانور کم پڑ جائیں گے۔ بلکہ سب کو بلائیں اور فرمائیں کہ جس کے پاس جو زادراہ بچا ہوا ہے اسے لے آئے...... ہر شخص حاضر ہونے لگا، کوئی ستو کی مٹھی لے کر کوئی چند کھجوروں کے ساتھ اور کوئی کچھ

Marfat.com

اور لے کر...... حتیٰ کہ چمڑے کے دسترخوان پر کسی قدر سامان خورد ونوش جمع ہو گیا...... پھر نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا مانگی......اور ارشاد فرمایا:

"اپنے اپنے کھانے کے برتنوں میں بھر لو...... چنانچہ سب نے اپنے برتن بھر لیے حتیٰ کہ اپنے اپنے خیموں میں جو برتن چھوڑ آئے تھے وہ بھی بھر لیے گئے پیٹ بھر کر سب نے کھایا اور بچ بھی رہا۔"

ایک صحیح موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درست رائے اور صحیح فہم کا شاہکار تھا...... اصل میں انہوں نے خیال کیا کہ بار برداری اور سامان اٹھانے کی خاطر جو اونٹ ہیں۔ ان کے ذبح ہو جانے کے بعد اور مشکل پڑ جائے پھر وہ اس، لوگ تھک جائیں گے اور منزل مقصود تک نہ پہنچ پائیں گے انہیں یقین تھا کہ رسول اکرم کی دعا رنگ لائے گی، برکت ہوگی، اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے......اور اسی میں موجودہ مسئلہ کا حل ہے...... یا مثلاً

آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس چار سو درہم ارسال کیے...... کہ امانت رکھ لیں...... انہوں نے عرض کیا...... کہ آپ کے پاس (مزید) مال ہے کہ میرے پاس امانت رکھ رہے ہیں...... ایسا ممکن نہیں کہ آپ اس کو استعمال میں لائیں...... ضرورت پر ہم پھر بھی لوٹا دیں گے...... فرمایا:

"مجھے ڈر ہے کہ میری موت آ جائے...... تم اور تمہارے متعلقین کہیں کہ...... کوئی بات نہیں امیر المومنین تھے، چھوڑ دو، اس طرح صبح قیامت میرے اعمال میں سے آپ کو اس نیکی کا بدلہ مل جائے گا...... اس لیے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا...... آپ کی سیر چشمی کے سبب مجھے اعتماد بھی ہے۔ میری موت پر آپ آئیں تو اس کو میری میراث میں پورا کر دیں۔"

کتنا گہرا فہم ہے...... مضبوط نتائج پر کیسی نظر ہے...... اور تقویٰ واحتیاط کی کیسی شاندار مثال ہے؟

آپ نے سنت (ارشادات رسالت) کے جمع کرنے کے لیے ارادہ کیا...... مہینہ بھر استخارہ کیا، پھر اس ارادہ کو ترک کر دیا اور فرمایا...... مجھے ایسی قوم کا علم ہے جس نے کتاب کو لکھا...... پھر وہ اس پر ایسے ریجھے کہ کتاب الٰہی کو چھوڑ کر اسی کتاب پر لٹو ہو گئے، اس ارادہ کو نظر انداز کرنا توفیق الٰہی کا ثمرہ تھا......اور ان کی نظر کی گہرائی کی دلیل...... اگر ذخیرہ سنت، قرآن عزیز کے چار دانگ عالم

Marfat.com

میں پھیلنے سے قبل جمع ہو جاتی تو معاملہ خلط ملط ہو جاتا...... خاص طور پر ایسے دور میں جب فتوحات کا ابتدائی وقت تھا...... حکومت پھیل رہی تھی، لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور لوگ قرآن عزیز کے سیکھنے کے لیے بہت محتاج تھے اور اس کی طرف توجہ کر رہے تھے...... ایسے میں سنت کا جمع ہونا معاملہ کو خلط ملط کر دیتا کہ کیا قرآن ہے اور کیا سنت؟...... اور مثلاً

وہ امور جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کمال درجہ فقاہت کا اندازہ ہوتا ہے...... ان میں ایک کام اس درخت کو کاٹ پھینکنا ہے جس کے نیچے بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت لی تھی...... جسے "بیعت الرضوان" کہتے ہیں...... لوگ اس کے پاس آ کر برکت کے لیے نماز پڑھتے...... یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو اسے کٹوا دیا اور اس معاملہ میں آپ کا وہ جواب بھی قابل غور ہے جو آپ نے اس شخص کو دیا جس نے آپ سے عرض کیا تھا کہ اپنے صاحبزادے کو کوفہ کا گورنر لگا دیں...... یا اپنا خلیفہ بنا دیں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... اہل کوفہ نے مجھے تنگ کر دیا ہے، کسی نرم مزاج آدمی کو گورنر بنا دوں تو وہ اسے بے بس کر دیتے ہیں اور ذرا سخت مزاج آدمی کو گورنر بنا دوں تو اس کا شکوہ کرنے لگتے ہیں...... میں چاہتا ہوں کہ ایک مضبوط اور امانت دار شخص کو وہاں گورنر بناؤں...... ایک شخص نے عرض کیا...... امیر المومنین، اللہ تعالیٰ کی قسم میں ایسا شخص بتلا سکتا ہوں...... پوچھا کون؟ اس نے کہا...... آپ کے بیٹے عبداللہ...... فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھائے میرا یہ قطعاً ارادہ ہے نہ میں ایسا چاہتا ہوں۔"

اور جب اپنے بعد صاحبزادے کی خلافت کا مشورہ دیا گیا تو فرمایا:

"خطاب کی اولاد میں سے ایک ہی شخص کا اس حوالہ سے حساب ہو، کافی ہے۔"

اور طاعون کی شدید وبا پھیل جانے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"ہاں ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔"

اس جواب میں فہم و فراست کی بڑی گہرائی ہے...... کیونکہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ جو طاعون کی وجہ سے اس علاقہ سے فرار اختیار کر رہے ہیں...... تو دراصل یہ تقدیر الٰہی سے فرار ہے...... لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا کہ "ہمارا فرار تقدیر سے تقدیر کی طرف ہے...... تو یہ بہت ہی درست جواب ہے۔ اس سے زیادہ وزنی دلیل سامنے آتی ہے...... اس ضمن میں آگے بھی ذکر آئے گا...... انشاء اللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

قرآن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں

قرآن عزیز کی بعض آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئیں...... یا ان میں سے ان کی موقف کی رعایت ہے...... تو اس میں تعجب نہیں خود فرماتے ہیں:

''کہ تین مقام پر میرے رب نے میرے ساتھ موافقت فرمائی...... میں نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا، کیا اچھا ہو کہ ہم مقام ابراہیم پر نماز کی ادائیگی کا اہتمام کریں...... اس پر یہ ٹکڑا نازل ہوا...... ترجمہ یہ ہے۔

''ابراہیم (علیہ السلام) کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ......'' (البقرہ:۱۲۵)

پھر میں نے عرض کیا:

''آقا! آپ سے ملنے کے لیے ہر قسم کے لوگ...... اچھے برے آتے ہیں...... آپ کی ازواج مطہرات ہوتی ہیں...... ان کو پردہ کا حکم دیں تو کتنا خوب ہے......؟

اس سلسلہ میں ''آیت حجاب'' (الاحزب:۵۹) نازل ہوئی۔

پھر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے آپ پر باہمی سوکناپے کے حوالہ سے ہجوم کیا تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات سے کہا:

''کیا عجب کہ تمہارا رب تمہاری چھٹی کرا کر تمہاری جگہ تم سے بہتر بیبیوں کا انتظام کر دے۔''

اسی طرح کی آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی...... ارشاد ہے:

''اگر نبی تمہیں طلاق دے دے تو بہت جلد اس کا رب اس کے بدلے میں تم سے اچھی بیویاں دے دے گا، فرمانبردار ایمان والیاں، نمازی، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، روزہ دار بیوائیں اور کنواریاں۔'' (التحریم:۵)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شراب کی حرمت کے لیے بہت حریص تھے وہ اکثر عرض کرتے:

''اے اللہ! ہمارے لیے شراب کا معاملہ بالکل واضح کر دے کہ یہ عقل اور مال دونوں کی بربادی کا سبب ہے۔''

Marfat.com

چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی......!

"آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دوان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔" (البقرہ:۲۱۹)

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا، اس آیت سے آگاہ کیا لیکن انہیں واضح حکم کا انتظار تھا......اس لیے دعا کی کہ مولا شراب کے معاملہ میں شافی حکم سے سرفراز فرما...... اس پر یہ آیت نازل ہوئی......

"اے ایمان والو! جس وقت کو تم نشہ میں ہو، نماز کے نزدیک نہ جاؤ، یہاں تک کہ تم سمجھ سکو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" (النساء:۴۳)

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت سنائی لیکن ان کی تشفی کا سامان نہ ہوا...... پھر "شافی بیان" کی درخواست کی، چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی...... ترجمہ......!

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں، سوان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روکے، سو اب بھی باز آجاؤ۔ (الانعام:۹۰-۹۱)

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا......انہیں یہ آیات سنائیں......عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے......خدایا ہم باز آ گئے۔ اسی طرح گھر میں داخل ہونے کے وقت اجازت سے متعلق آیت بھی انہی کی خواہش کے بعد نازل ہوئی...... روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غلام کے ذریعہ انہیں بلا بھیجا......وہ آیا تو دوپہر کا وقت تھا...... جب آدمی قیلولہ کے لیے گھر میں بے تکلف ہوتا ہے......غلام آیا تو ایک دم اندر چلا گیا......اس وقت عمر کی جو بے تکلفانہ حالت تھی۔ اس کے پیش نظر انہوں نے پسند نہ کیا کہ اس طرح غلام اندر داخل ہو...... بعد میں عرض کیا کہ رسول گرامی میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر حکم دے دے کہ اندر آنے پر اجازت کی جائے اور بے تکلفانہ آنے سے روک دیا جائے تو اچھا ہے...... چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی......ترجمہ!

Marfat.com

"اے ایمان والو! تمہارے غلام اور تمہارے وہ لڑکے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے، تم سے ان تین وقتوں میں اجازت لے کر آیا کریں، صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے ہیں، ان کے بعد تم پر اور نہ ان پر کوئی الزام ہے، تم آپس میں ایک دوسرے کے پاس آنے جانے والے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے اور جب تمہارے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں انہیں بھی اجازت لے کر آنا چاہیے جس طرح کہ ان سے پہلے لوگ اجازت لے کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس طرح تمہارے لیے کھول کر احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے[۲۵] (النور: ۵۸:۵۹)

اور بعض علماء نے بیس سے زیادہ وہ آیات نقل فرمائی ہیں جو موافقات عمر سے تعلق رکھتی ہیں...... (رضی اللہ عنہ وعنہم)

خلیفہ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وزارت میں

سقیفۂ بنی ساعدہ میں بیعت کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ان کے سامنے خطبہ کے لیے کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"لوگو! اس میں شک نہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست ہیں غار ثور کے اندر آپ ہی پیغمبر اسلام کے ساتھی اور "ثانی اثنین" کی قرآنی آیت کا مصداق تھے، ان سے بڑھ کر تمہارے اجتماعی معاملات کی نگرانی کوئی نہیں کر سکتا"...... اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔ چنانچہ لوگ حضرت المخدوم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔"

اس گھڑی سے برابر...... حضرت فاروق رضی اللہ عنہ...... خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم...... کے وزیر رہے۔ خلیفہ اسلام، ان سے مشورہ لیتے اور اپنا مشورہ ان سے عرض کرتے اور علمی روشنی سے سرفرازی کا سامان کرتے۔

Marfat.com

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ...... بہر طور خلیفہ اسلام کی فضیلت اسلام میں ان کے اقدام و سابق ہونے اور ان کے علم و حلم کا بھرپور طریق سے اعتراف کرتے......کبھی رائے میں اختلاف ہوتا تو بھی مثالی اطاعت کا مظاہرہ کرتے......(رضی اللہ عنہ)

الاستشارہ!

جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیجنے پر اصرار فرمایا......اور بالآخر اسے الوداع کہہ دیا، تو ان سے کہا کہ ''عمر رضی اللہ عنہ'' کو ان کے پاس مدینہ رہنے کی اجازت دے دی جائے تا کہ وہ یہاں رہ کر اجتماعی معاملات میں مشورہ دے سکیں...... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی......حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رہے...... ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں برابر ساتھ رہتے اور مشورہ دیتے......حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روشن رائے رکھنے والے تھے، پھر یہ کہ پوری قوت سے رائے کا اظہار کرتے، تاہم جب یہ دیکھتے کہ رائے کی سچائی دوسرے کے ساتھ ہے تو اپنی رائے ترک کر دیتے......اس سلسلہ میں ارتداد کی بحث سامنے آتی ہے، آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

> ''آپ ان لوگوں کے ساتھ کس طرح لڑائی کا فیصلہ کر رہے ہیں جب کہ رسول اقدس نے فرمایا ہے کہ ''مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں کے ساتھ نبرد آزما ہوں حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کے معترف ہو جائیں (یا اہل حق کی بالا دستی قبول کر لیں) جب وہ ایسا کر لیں تو ان کے مال و جان مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے......مگر اس وقت جب دین حق کا سوال ہوگا (مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کرنا......جیسے معاملات) اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے''۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی اس معاملہ میں مضبوط رائے رکھتے تھے...... انہوں نے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہیں کیا اور پوری قوت سے فرمایا:

> ''حق تعالیٰ کی قسم! جو لوگ نماز، روزہ و زکوٰۃ میں تفریق کریں گے، میں بہر حال ان سے لڑوں گا۔ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں اونٹ کا ایک بچہ جو بطور زکوٰۃ دیا جاتا، اس کو روکنے پر بھی بچ نہ سکے گا۔''

Marfat.com

پھر ارشاد فرمایا...... ارشاد جو ضرب المثل بن گیا:

''اللہ تعالیٰ کے نزول برحق کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہوگیا، دین کی تکمیل ہوگئی۔
اب میرے جیتے جی دین میں کمی کی جائے گی؟''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی رائے کا احترام کیا، اطاعت و فرمانبرداری کا رویہ اختیار کیا، بھرپور معاونت فرمائی...... وقت نے ثابت کیا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے میں خیر ہی خیر تھا، اسی طرح جناب فاروق رضی اللہ عنہ کا جذبہ اطاعت سراسر خیر ہی خیر تھا۔

چند واقعات جو خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں پیش آئے۔ دونوں بزرگوں کی رائے کا ٹکراؤ ہوا اور پھر سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت و تواضع کا کھلے بندوں اعتراف کیا گیا۔

روایت ہے کہ جناب عیینہ بن حصن اور الاقرع بن مابس رضی اللہ عنہ...... خلافت کے دربار میں حاضر ہوئے، عرض کیا:

''ہمارے یہاں زمین کا ایک ٹکڑا ہے، شور اور بیکار اس میں نہ تو کوئی چیز اگتی ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ ہے۔ اگر آپ اس کے حقوق ملکیت ہمارے سپرد کردیں تو ہم اس کی اصلاح کی کوشش کریں گے اور اسے آباد کریں گے، کیا عجب، اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس میں نفع کا سامان کردے۔''

جناب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے موجود حضرات سے فرمایا:

''ایسی زمین سے متعلق آپ حضرات کی رائے؟''

لوگوں نے کہا...... حرج نہیں، ان کے سپرد کردیں، ایک دستاویز لکھ دی گئی، اس پر گواہی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجویز کیا گیا۔ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔

وہ حضرات جناب عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے...... آپ اپنے اونٹ کی مالش کر رہے تھے...... عرض کیا کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس دستاویز میں جو ہے اس پر شہادت ثبت کردیں، میں پڑھ کر سنا دیتا ہوں یا آپ پڑھ لیں...... فرمایا...... میں جس حال میں ہوں تم دیکھ رہے ہو، یا تو پڑھ کر سنا دو یا انتظار کرو کہ میں فارغ ہو جاؤں...... انہوں نے کہا ہم پڑھ دیتے ہیں۔ تحریر پڑھی گئی، آپ نے سنی تو ان کے ہاتھ سے چھین لی، پھر اس پر پانی کے چھینٹے ڈال کر مٹا دیا اور پھینک دیا...... درشت لہجہ میں فرمایا:

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ کے نبی نے تمہاری تالیف قلب کا اس وقت اہتمام فرمایا جب اسلام کمزور تھے، اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا، جاؤ جا کر کارگاہ حیات میں جدوجہد کرو...... اگر تمہیں خود اپنی فکر نہیں تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری فکر نہ فرمائیں گے۔''

وہ دونوں حضرات، خلافت کے دربار میں حاضر ہوئے...... روتے دھوتے، کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کی قسم، ہمارے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ خلیفہ آپ ہیں یا جناب عمر رضی اللہ عنہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... ''ابھی تو وہ نہیں ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو......''

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، سخت غضب ناک! خدمت خلافت میں حاضری دی...... عرض کیا...... جناب آپ نے جو زمین ان دونوں کو بخش دی، اس کے آپ مالک ہیں یا سبھی مسلمان؟...... فرمایا...... سب مسلمان...... عرض کیا...... سب مسلمانوں کو چھوڑ کر آپ نے یہ زمین ان کو کیوں دے دی؟...... فرمایا...... یہ سب جو موجود ہیں، ان سے مشورہ کیا...... انہوں نے یہی مشورہ دیا...... عرض کیا...... جناب خالی ان سے ہی نہیں۔ سب سے مشورہ فرماتے...... سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''(جب تم خلافت کے لیے میرے نام پر مصر تھے اس وقت) میں نے کہا تھا کہ ان کے لیے تم مجھ سے کہیں زیادہ صاحب ہمت ہو...... قوی ہو...... لیکن تم نے میری نہ مانی اور مجھ پر غالب آ گئے...... یہ بوجھ میرے اوپر لا دیا۔''

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کے حضور بہت ہی مطیعانہ اور فدویانہ رویہ اختیار کرتے لیکن اس طرح نہیں کہ سب کچھ مان لیں اور بلا چون و چرا...... آپ جرح و بحث کرتے...... کبھی تو بہت ہی سخت انداز سے، حتیٰ کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ پریشان ہو کر رہ جاتے اور اپنی رائے سے رجوع فرما لیتے...... جب دیکھتے کہ ان کی رائے کے مقابل دوسروں کی رائے معتبر اور محقق ہے...... کہ اصل مقصد تو حق اور انصاف تھا...... دونوں بزرگوں کا باہمی تعاون کیسا تھا، ایک دوسرے کے لیے کتنے مخلص و خیر خواہ تھے...... اور کتنا باہمی لحاظ فرماتے...... یہ اس کی مثال ہے...... نہ تو نفسانیت تھی، نہ ذاتی خواہش کا سوال اور نہ ہی متاع دنیا کی تمنا!

Marfat.com

جمع القرآن

جو معاملات...... عہد صدیقی میں، جناب عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و مجد کا باعث ثابت ہوئے، ان میں جمع قرآن کا معاملہ بڑا اہم ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... یمامہ کی جنگ میں مسلمانوں کا بہت ہی جانی نقصان ہوا...... مجھے حضرت صدیق نے بلایا جب عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف فرما تھے...... خلیفہ محترم نے فرمایا:

''عمر تشریف لائے ہیں...... ان کا کہنا ہے کہ جانی نقصان کی کہ حد ہوگئی...... یمامہ میں بہت بڑی تعداد میں قراء و ماہرین قرآن شہادت سے سرفراز ہوگئے، مجھے ڈر ہے کہ چند اور مواقع پر اسی طرح کی صورت حال پیش آئی تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا...... ان کی خواہش ہے کہ میں تمہیں قرآن جمع کرنے کی ذمہ داری سونپوں؟ نہ لیکن میرا مؤقف یہ ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کے رسول نے نہیں کیا، وہ میں کیسے کروں؟......''

عمر رضی اللہ عنہ اصرار فرماتے رہے...... اور کہتے رہے کہ بخدا...... یہ بہت ہی بھلائی کا کام ہے...... یہ مسلسل کہتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا...... نہ اور جو یہ بات کہتے ہیں اس کی سچائی میرے دل میں ڈال دی، میں نے سمجھ لیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہی اصل رائے ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم عقل مند نوجوان ہو، تمہارے کردار پر کسی قسم کی تہمت نہیں...... نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تم وحی کی کتابت کا فرض انجام دیتے رہے...... سو اب بسم اللہ کرو اور قرآن تلاش کر کے جمع کرو''

زید کا کہنا ہے...... (رضی اللہ عنہ)...... قسم ذات پاک کی! کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی جاتی تو وہ اس ذمہ داری سے زیادہ سخت محسوس نہ ہوتی...... اب میں نے عرض کیا...... کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے رسول نے نہیں کیا...... آپ دونوں حضرات کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... جان من...... یہ سراسر خیر کا معاملہ ہے...... بقول حضرت زید...... سیدنا

Marfat.com

صدیق رضی اللہ عنہ......اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ...... ہر دو برابر اس معاملہ کی اہمیت پر توجہ دلاتے رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے ان دونوں حضرات کا سینہ کھول دیا گیا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں...... میں نے قرآنؐ کی تلاش شروع کر دی اور اس کو جمع کرنے کے کام میں لگ گیا...... چمڑے کے ٹکڑے...... کھجور کی چھال اور پتھر کی سلوں سے (جو لوگوں کے پاس لکھی ہوئی تھیں)...... میں نے اس کو جمع کیا اور سب سے بڑھ کر جن لوگوں کے سینے اس مقدس خزینہ سے معمر تھے......ان سے استفادہ کیا......سورۂ توبہ کی آخری دو آیات حضرت خزیمتہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے پاس نہ ملیں...... یہ مجموعہ مقدسہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پھر ان کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے پاس منتقل ہوا...... (البخاری)...... پھر اسی نسخہ سے سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین الاموی رضی اللہ عنہ نے نقلیں تیار کرائیں اور انہیں مختلف علاقوں میں بھجوایا......اس طرح ظاہری اسباب کے طور پر یہ صحیفہ سماوی محفوظ ہو گیا...... اب تک ہے...... صبح قیامت تک رہے گا...... ہر ذی شعور اس کی حفاظت کے لیے ابتدا میں ہونے والی سوچ اور جہد وسعی کو عزت و تکریم کی نظروں سے دیکھتا ہے......(رضی اللہ عنہم)

سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ

منصب خلافت پر

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معاملات ملی سونپے گئے حکومت اسلامی کا ابتدائی مرحلہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس مرحلہ پر ایک ایسے شخص کا انتخاب کرایا...... جو بہت ہی بہادر اور دلیر اور بہت ہی محتاط تھا، جس کے ذریعہ دین اسلام کا قیام ہو سکے...... حقیقی زندگی سے آشنا یہ ایک ایسے شخص کی مثال تھی...... جو نادر روزگار ہو...... ہر دور میں ایسے اشخاص قدرت کا عطیہ ہوتے ہیں۔

لوگوں نے ان سے بیعت کی......وہ ان سے لرزہ براندام تھے کہ ان کی شدت مشہور تھی...... پھر جب لوگوں نے ان کی درگذر کی عادت کو دیکھا تو مطمئن ہو گئے۔

Marfat.com

ملی معاملات میں ان کے اہتمام اور توجہ کو دیکھا تو لوگوں کے دل میں ان کی محبت بڑھ گئی......ان کا رویہ بہت ہی عادلانہ تھا، یہ سبب بھی محبت میں اضافہ کا تھا......ان کی شدت محض حق کے لیے تھی، ظالموں کے خلاف، فسادی عنصر کے خلاف جب لوگوں نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ ......حکومت اسلامیہ کے قیام و بنا کے لیے کس طرح جدوجہد کر رہے ہیں تو وہ دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان کے کردار و عمل میں ان کے رفیق و ہمسفر بن گئے، اپنی تمام صلاحیتیں عمر رضی اللہ عنہ کے مقصد کے لیے......جو سب کا مقصد تھا......وقف کر دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کا دل، اس کی روح...... ایثار و قربانی کے بھرپور جذبہ کے ساتھ، اس کے مقصد کے لیے خرچ ہو رہی تھی۔

البیعة و التخوف!

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ ان کا وقت تو قریب ہے تو انہوں نے لوگوں سے آئندہ خلیفہ کے سلسلہ میں مشورہ شروع کر دیا۔ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے کہ ان کی خلافت کیسی رہے گی؟......بعض حضرات تائید میں تھے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عزم کی پختگی اور ان کی محتاط طبیعت سے واقف تھے......بعض ان کی سختی و شدت پسند طبیعت کے سبب معترض تھے......بہرحال آخر میں جناب عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا......لکھو:

> ''اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے یہ وہ تحریر ہے جو ابوبکر الصدیق ابن ابی قحافہ (رضی اللہ عنہ) نے لکھوائی اپنی آخری تحریر، دنیا سے جاتے جاتے اور آخرت کی منزل میں داخل ہوتے وقت یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کافر بھی ایمان لے آتا ہے۔ (جیسے فرعون نے آخری وقت ایمان کا اعلان کیا لیکن اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا) اور گنہگار انسان کو حقیقت حال کا یقین آ جاتا ہے اور جھوٹا بھی سچ کی راہ پر آ جاتا ہے، میں نے اپنی جگہ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو خلافت کے لیے نامزد کیا ہے، ان کا حکم سنو اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو...... میں نے اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی، اس کے رسول کے حق کی ادائیگی......ساتھ ہی اپنے دین، اپنے نفس کسی بھی معاملہ میں سوچ و بچار اور جدوجہد میں کمی نہیں کی، خاص طور پر تمہارے حقوق کے معاملہ میں اور تمہارے

Marfat.com

مستقبل کے حوالہ سے بہتر سے بہتر ہی سوچا...... اگر عمر رضی اللہ عنہ عدل سے کام لیں تو یہ میرے گمان کی سچائی ہوگی اور ان سے متعلق جو میرا علم ومعلومات ہیں وہ درست ثابت ہوں گی...... لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہر شخص کے لیے اسی طرح کا انجام ہے جو اس نے کمائی کی...... میں تو خیر ہی چاہتا ہوں...... تاہم میں عالم الغیب نہیں...... ظالم جلد ہی معلوم کرلیں گے کہ وہ کس پہلو گرتے ہیں......

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

پھر آپ نے اس تحریر پر مہر کرادی...... یہ خلافت کی نامزدگی ایسی تھی، جس میں بہرحال عوام کے درمیان دو قسم کی آراء تھیں...... ایک طبقہ ناخوش بھی تھا لیکن جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ:

''آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے جب وہ عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے سے متعلق جواب طلب کریں گے...... حال یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی شدت وسختی سے آپ خوب واقف ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اچھا تو تم مجھے اللہ تعالیٰ کا ڈر بتلاتے ہو...... وہ شخص خائب وخاسر ہوگیا۔ جس نے تمہارے اجتماعی معاملات کے حوالہ سے تم پر زیادتی کی...... میں تو بارگاہ ایزدی میں عرض کردوں گا...... اے اللہ، تیری مخلوق میں جو سب سے بہتر تھا، میں نے اسے خلیفہ نامزد کردیا۔''

مزید علت بیان کرتے ہوئے فرمایا...... کہ میں عرض کروں گا:

''مولا! میں تو محض خیر وصلاح کا متمنی تھا، لوگوں کے معاملہ میں مجھے فتنوں کا ڈر تھا۔ میں نے خوب سوچا...... جو سب سے بہتر نظر آیا۔ اسے ان کی ذمہ داری سونپ دی......''

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا...... رضی اللہ عنہ...... ان سے فرمایا:

''میری وصیت غور سے سن لو! اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ڈرنا...... یہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دن کے اعمال دن ہی میں قبول ہوتے ہیں رات میں

Marfat.com

نہیں اور رات کے دن میں نہیں...... فرض ادا ہوگا تو نفل بھی ٹھکانے لگیں گے...... ترازو اسی کی بھاری ہوگی جس کی آخرت بھاری ہوگی (دنیا کی چودھراہٹ کا کوئی فائدہ نہیں)...... اور آخرت میں اسی کی ترازو بھاری ہوگی...... جس نے دنیا میں حق کی اتباع کی...... آخر میں فرمایا...... سب سے پہلے میں تمہیں اپنے نفس سے بچنے کی تلقین کرتا ہوں) کہ سب سے بڑھ کر یہی دشمن ہے)...... پھر لوگوں کے حقوق کے لیے توجہ دلاتا ہوں...... یہ تجھ سے برابر خوف زدہ رہیں گے...... جب تک تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا اور ان کے حقوق کی عدم ادائیگی سے خوف زدہ رہے گا۔'' یہ میری وصیت ہے...... تجھ پر اللہ کی سلامتی نازل ہو...... پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ''رفیق اعلیٰ'' سے جا ملے...... خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوگئی...... انہوں نے خلیفہ بننے کے بعد کیا کیا......؟...... اس کا جواب آ گے!

اعلان الخطه ......وَالمِئنان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لے گئے، لوگ اردگرد جمع ہوگئے تاکہ سن سکیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ لوگ ان کی شدت کو پہچانتے تھے اور اس بات سے بھی واقف تھے کہ یہ شدت حق کے معاملہ میں ہے...... اب لوگ ایک طرف تو ان سے خوف زدہ تھے...... دوسری طرف ان سے امیدیں بھی بہت رکھتے تھے لیکن نتیجہ کیا مرتب ہوا؟...... نئے دور کی سیاست کیا رہی؟...... کان متوجہ تھے...... جناب عمر رضی اللہ عنہ کی آواز گونجی:

> ''میری رپورٹ ہے کہ لوگ میری شدت وسختی سے مرعوب اور خوف زدہ ہیں، انہیں میری سخت گیر طبیعت کا بہت ڈر ہے...... ان کا کہنا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ تو رسول اقدس کے سامنے اور خلافت اسلامیہ کے پہلے تاجدار...... ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ہم پر سختی کرتا تھا...... اب تو وہ کار مختار ہے؟''

یاد رکھیں...... جس نے یہ کہا سچ ہی کہا...... میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور خادم و معین و مددگار رہتا...... آپ کی صفات عالیہ میں نرمی و مہربانی کی صفت حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی......

Marfat.com

خود اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے (سورۃ توبہ کے آخر میں) ''رؤف'' اور ''رحیم'' فرمایا ہے...... کہ آپ مسلمانوں کے حق میں بہت ہی مہربان اور رحمدل ہیں...... رہ گیا میں تو میری مثال آپ کے سامنے تلوار کی تھی...... آپ کے حکم سے وہ بند رہی، آپ کے حکم سے چلتی...... اسی طرح میں برابر خادم نبوی رہا حتیٰ کہ آپ اس دنیا سے سدھار گئے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ آپ مجھ سے راضی تھے...... اس پر میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں اور اپنی سعادت سمجھتا ہوں...... پھر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے معاملات کے والئی بنے...... وہ بھی کرم و شفقت اور نرمی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھے...... اسی لیے تم لوگ ذرا ان پر دلیر تھے...... میں ان کا بھی خادم اور مددگار تھا...... ان کی نرمی اور میری شدت کا امتزاج ہی تھا کہ میں ان کے دور میں بھی ایسی تلوار تھا، جس پر آپ کا حکم چلتا...... فرماتے تو بند رہتی، فرماتے تو نیام سے باہر آ جاتی...... ان کے ساتھ بھی ایسے ہی معاملات رہے حتیٰ کہ وہ جوار الٰہی میں پہنچ گئے...... اللہ تعالیٰ کا شکر اور میری خوش نصیبی کہ وہ آخر وقت تک مجھ سے راضی رہے اور مجھ سے خوش!

''اے لوگو! تمہارے امور کا اب میں نگران بنایا گیا ہوں...... اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ شدت اب دوگنی ہوگئی ہے لیکن ظالموں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے...... نہ کہ ہر ایک کے لیے...... جہاں تک شرفاء کا تعلق ہے اور اصل دین کا اور میانہ روی سے زندگی گزارنے والوں کا...... تو ان کے لیے میں بہت ہی نرم ہوں...... بعض کے لیے کم بعض کے لیے زیادہ...... دین و شرافت میں جو جتنا بڑھ کر ہے، اس کے لیے اتنا ہی زیادہ...... ہاں جو کسی پر ظلم کرے گا زیادتی کرے گا تو اس کو میں نہیں چھوڑوں گا...... حتیٰ کہ اسے اوندھے منہ زمین پر ڈال کر اس کی نخوت ختم نہ کر دوں...... اور تا کہ وہ حق کے حضور سرنگوں ہو جائے......

اس تمام تر شدت کے باوجود میں خود اپنا چہرہ ان لوگوں کے لیے زمین پر رکھ دوں گا جو پاکباز ہیں...... پاک فطرت ہیں......

اے لوگو! میرے معاملہ میں چند باتوں کا خیال رکھو ان کی وجہ سے میرا محاسبہ کرو...... ایک تو تمہارے ذمہ جو ریاست کے مالی حقوق ہیں، ان کا جمع کرنا ہے...... اور ساتھ ہی اس سرمایہ کا ٹھیک ٹھیک انتظام ہے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں سے محض اپنی مہربانی سے بغیر لڑائی کے دلوا دیا (مال فے)۔

Marfat.com

ایک یہ کہ جب کوئی چیز میرے ہاتھ میں آ جائے تو اسے وہاں خرچ کروں جہاں حق ہے یہ بھی تمہارا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کرم فرمائیں تو تمہارے وظائف اور عطایا میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کو مضبوط اور مستحکم کر دوں ایک حق یہ ہے کہ ہلاک کرنے والی چیزوں میں مبتلا ہونے سے تمہیں بچاؤں اور جب تم اسلام اور ملت کی خاطر گھر سے باہر ہو تو تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری واپسی تک تمہارے گھروں کی نگہبانی کروں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے حقوق کی ادائیگی کے لیے میری اس طرح مدد کرو کہ میرے لیے کفایت ہو جائے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ میری مدد کرو اور تمہارے اجتماعی معاملات جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے والی و نگران بنایا ان کے معاملہ میں نصیحت سے میری مدد کرو!''

اس گفتگو سے لوگوں کو اطمینان ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کا مطمع نظر کیا ہے ،انہیں یہ بھی علم ہو گیا کہ کن کے ساتھ وہ نرمی کا معاملہ کریں گے اور کن کے ساتھ سختی کا لوگ ان کا مقاصد کو سمجھ گئے اور ان کے معین و مددگار ہونے کا پختہ عزم کر لیا وہ زندگی کتنی خوبصورت ہوگی جس میں حکمران، رعایا کا اور رعایا حکمران کی مددگار ہو ہر شخص اپنی حدود سے واقف ہو اور زیادتی یا کمی پر سب سے پہلے اپنا محاسبہ ہر شخص خود ہی کرتا ہو۔

یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عہد تھا ایسا عہد جو تاریخ اسلام میں روشن و منور ہے اس عہد میں معاملات اس طرح انجام پذیر ہوئے کہ دوسرے عہد میں مثال نہیں ملتی فتوحات، رعایا کی خبر گیری عدل کا بھرپور لحاظ، ذرا ذرا سی باتوں پر محاسبہ، ہر مقصد کے حصول کے لیے بھرپور جدوجہد، حکومت کا نظم اور اس کے لیے جدید ترین ضوابط کی ترتیب یہ ہے دور عمری و فاروقی رضی اللہ عنہ آنے والی فصلوں میں ہم بعض معاملات کا جائزہ لیں گے تاکہ معلوم کر سکیں کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کس طرح نمٹایا اور مسلمانوں کے لیے کس طرح اہتمام کیا اور یہ بھی جان سکیں کہ جب مسلمان حکمران لوگوں کے ساتھ تعاون کرے اور اس کے ساتھ مسلمان تعاون کریں تو پھر واقعی معجزات کا ظہور ہوتا ہے اور اللہ رب العزت انہیں اس طرح عزتوں سے نوازتا ہے کہ اس کی حد ہوتی ہے نہ حساب۔

الاهتمام بالرعية آية ساعة هذه ؟

خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ رات کا غالب حصہ اپنی آنکھوں میں جاگ کر کاٹتے سوچ بچار میں مشغول رہتے کیوں؟ مسلمانوں کے معاملات کی اصلاح کے لیے جو معاملہ یا مشکل آ جاتی، اس

Marfat.com

کے لیے بہت ہی فکروغم کا مظاہرہ کرتے کہ وہ مصیبت ٹل جائے مسلمانوں کے لیے بہتری کا سامان ہواور شر سے وہ بچ جائیں، اس کے لیے مسلسل حرکت وعمل فرماتے بالخصوص جب کوئی معاملہ خلیفہ کو سونپ دیا جاتا تو بہت ہی اہتمام فرماتے وفات تک یہی شب وروز رہے کیونکہ وہ خوب سمجھتے کہ مسلمانوں کے ساتھ جوگزرے گی، اس کا حساب خودان سے ہوگا۔ مسلمانوں کے مال کے جواب دہ وہ ہیں ان کے امن وراحت کی ذمہ داری ان پر ہے حتیٰ کہ ان کے ارکان حکومت میں سے کسی رعایا پر کوئی ظلم وزیادتی کا واقعہ ہوجاتا تو ایسا محسوس کرتے کہ گویا وہ خود بھی اس میں شریک ہیں، اس لیے وہ اس کے ازالہ تک چین سے نہ بیٹھتے۔ اپنی احساس ذمہ داری کے لیے ان کا نہایت بلیغ جملہ ہے جومعروف ہے:

''اگر فرات کے کنارے ایک اونٹ بھی ضائع ہوگیا، تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا!''[8]

یہی احساس مسئولیت تھا جس کے سبب ان کی نینداڑ گئی فوری اقدام کا اہتمام فرمانے لگے کبھی شدت، کبھی نرمی اور عفوودرگزران کا مزاج بن گیا۔ اسی طرح فوری محاسبہ اور مسئلہ کا بلا تاخیر حل ان کی پالیسی تھی اس معاملہ میں وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈرتے کوئی بھی ہوتا اس کو تنبیہ کرنا، محاسبہ کرنا اور بوقت ضرورت سزادینے سے احتراز نہ فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک صاحب مسجد میں تشریف لائے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بالکل دوراول کے پھر مہاجرین میں امتیازی مقام کے حامل لیکن ان کی تاخیر کے سبب سبھی کے سامنے پکارکرفرمایا:

''مسجد میں جمعہ کے دن حاضری کا یہ کون سا وقت ہے؟''

ان صاحب نے کہا، کسی مصروفیت کے سبب گھر واپسی میں دیر ہوگئی بس فوراً ہی وضوکر کے چلا آیا کیونکہ اذان کی آواز سنائی دی غسل بھی نہ کرسکا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو اچھا محض وضو پر ہی اکتفا کرلیا جب کہ:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ جمعہ کے دن غسل کے لیے ارشاد فرماتے۔''

Marfat.com

ان کا یہ رویہ اس لیے تھا کہ وہ اس بات سے خوب آشنا تھے کہ اللہ تعالیٰ محاسبہ فرمائیں گے اور سوال کریں گے اور انہی کی ذات بدلہ دینے والی ہے اور اسی سبب سے وہ بسم اللہ اپنی ذات سے کرتے۔

چنانچہ جب ان سے کوئی یہ درخواست کرتا کہ ذرا اپنے ساتھ نرمی برتیں اور بعض ذمہ داریاں دوسروں کو سونپ دیں تو ارشاد فرماتے:

''صبح قیامت میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟''

لوگوں کو کوئی مشکل پیش آتی تو آپ اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کے معاش وغیرہ کا معاملہ بہت محدود کر دیتے اور اس درخواست کو مسترد فرما دیتے کہ ذرا اپنا خیال کریں اور خلافت کے حوالہ سے کچھ تو اپنے آپ کو متمیز رکھیں فرماتے:

''میں بہت ہی برا حکمران ہوں گا اگر میں خود تو اچھا کھاؤں اور لوگوں کو اس طرح چھوڑوں کہ وہ ہڈیاں چچوڑتے رہیں۔''

قحط سالی کے دوران آپ نے گوشت سے ہاتھ کھینچ لیا اور زیتون کے تیل اور خشک روٹی پر قناعت کر لی ارشاد فرماتے:

''امت محمد یہ جب تک گوشت نہ کھائے گی میں اس کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔''

اسی وجہ سے آپ پر ضعف طاری ہو گیا رنگ تبدیل ہو گیا، سرخی پر سیاہی غالب آ گئی۔ لوگوں کو آپ کی موت کا ڈر ہونے لگا۔ امت کی بہتری کے لیے جن حالات سے آپ دو چار ہوئے وہ بہت زیادہ ہیں جنہیں دیکھ کر آدمی محو حیرت ہو کر رہ جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ یہ کردار اور یہ کاوش؟ رات کی تاریکی میں گلیوں میں پھر کر لوگوں کے حالات کا جائزہ لینا اور ان کی مدد کرنا آپ ہی کا کام تھا۔ اپنے آپ کو فوائد مادیہ سے دور رکھنا لیکن رات کو جاگ جاگ کر امت کے امور کی نگہبانی کرنا نیز اپنے کارکنان حکومت سے آزادانہ گفتگو اور ان حالات سے آگاہی حاصل کرنا جو ارد گرد کے شہروں کے لوگوں کو پیش آتے ہیں نیز لوگوں کی رائے آپ سے متعلق کیا ہے؟

احکامات کے اجراء کے ساتھ ان کے عمل درآمد کی رپورٹ لینا اور ان کے نتائج کا جائزہ لینا آپ کا روزمرہ کا مشغلہ تھا لیکن یہ سب معاملات آپ کی ذات کے حوالہ سے کچھ عجیب نہ تھے بلکہ آپ کی طبیعت ہی ایسی تھی پھر حق کے معاملہ میں آپ کی شدت، اللہ تعالیٰ کا ڈر اور صبح قیامت اس کے حضور حاضری کا تصور آپ پر ایسا غالب تھا کہ یہ چیزیں آپ کا مزاج بن گئی تھیں!

Marfat.com

لا تُمتْ عَلَيْنَا دِيْننا

آپ بازاروں میں تشریف لے جاتے، گلیوں میں گشت لگاتے لوگوں کے فیصلے موقعہ پر نمٹاتے، بازار کے بھاؤ معلوم کرتے اور یہ کہ اشیاء ضروریہ میسر آ رہی یا نہیں؟ اگر ایسی چیز نظر آتی جو پسندیدہ نہ ہوتی تو تنبیہ فرماتے مخالفین کی درہ سے اصلاح کرتے، جو آپ نے اسی غرض کے لیے بنوایا تھا گوشت والے بازار میں تشریف لے گئے، قصاب حضرات سے معلوم کیا کہ ذبح کیسے کیا جاتا ہے اور گوشت کی صفائی کیوں کر ہوتی ہے بعض ان میں ایسے نکلے جو ذبح کے صحیح طریقہ سے واقف نہ تھے، انہیں اس کام سے روک دیا۔

مسجد میں تشریف لے گئے۔ ایک شخص نماز میں عجیب بے ڈھنگے طریق سے سر جھکائے ہوئے تھا اسے درہ کے ساتھ حرکت دی اور فرمایا:

''میاں سر اٹھاؤ، صحیح طریق اختیار کرو، ہمارے دین کا حلیہ نہ بگاڑو۔''

بعض لوگ بعد میں محو گفتگو تھے اور بعض شعر و شاعری بھی کرتے آپ نے سوچا اور پھر فیصلہ کیا کہ عربی مزاج کے لیے یہ ناگزیر ہے تو مسجد کی ایک طرف اس مقصد کے لیے ایک جگہ بنا دی۔ جس کا نام ''البطحا'' تھا پھر فرمایا:

''جو باتیں کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا اپنے رفیع الصوت (بلند آواز) کا مظاہرہ کرنا چاہے تو وہ اس مخصوص مقام اور چبوترہ پر آ جایا کرے مسجد میں لوگ محو ذکر و عبادت ہوتے ہیں انہیں پریشان نہ کیا جائے!''

دروازہ دروازہ جاتے اور وہ خواتین جن کے گھروں کے لوگ گھروں سے دور معرکوں میں ہوتے ان سے ان کی ضروریات کا پتہ لے کر اس کی فکر فرماتے، بازار سے کچھ لینا دینا ہو تو مجھے بتلاؤ یا میرے ساتھ کسی خادمہ کو بھیج دو اگر ہے مجھے ڈر ہے کہ خادمائیں کہیں خرید و فروخت میں گڑبڑ نہ کریں''۔

آپ بازار تشریف لے گئے ایک خاتون ملی عرض کیا، امیر المومنین، میرے میاں انتقال کر گئے اور چھوٹے بچے چھوڑ گئے نہ تو کھیتی باڑی کا کوئی سسٹم ہے نہ ہی اور ذریعہ مجھے ان کے معاملہ میں بہت ڈر رہتا ہے۔ میں خفاف بن ایماء الغفاری رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہوں میرے والد صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے فرمایا:

Marfat.com

''نسبی اعتبار سے تم بہت ہی قریب ہو تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں پھر ایک مضبوط اور توانا اونٹ جو گھر میں بندھا تھا پر کھانے پینے کا سامان اور کپڑے لادے لے گئے اور فرمایا:

''اسے خرچ کریں اس کے ختم ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ اور بہتری کا سامان فرمادیں گے!''

یا اسلم اِنَّ الْجُوْعَ ابکاھم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ محض دن میں ہی لوگوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے گشت نہ فرماتے، بلکہ رات میں بھی یہ عمل جاری رکھتے تاکہ رعایا کے حالات کا علم ہو سکے محتاج کی مدد، ضعیف وکمزور کا ہاتھ بٹانا اور ستم رسیدہ لوگوں کی دل دہی، اس سے آسان تھی۔

ایک مرتبہ نکلے آپ کے خادم اسلم ہمراہ تھے، ایک قافلہ نظر پڑا فرمایا اسلم وہاں لوگ نظر آ رہے ہیں، رات کا سماں ہے اور سرد موسم، ذرا ان کے پاس چلیں گئے تو دیکھا کہ ایک خاتون ہے، اس کے ہمراہ بچے ہیں، بھوک کی شدت سے گریہ وبکا کا شکار ادھر ایک ہنڈیا ہے جس میں محض پانی ہے، وہ ابل رہا ہے ماں کی خواہش یہ ہے کہ بچے اس خیال سے کہ کھانا تیار ہے، بہل جائیں اور سو جائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ سمجھ لیا اور فوراً اسلم سمیت پلٹ آئے آٹا اور گھی وغیرہ لیا اور خود ہی بوجھ اٹھالیا اسلم کی درخواست پر کہ اسے اٹھا دیں فرمایا:

''صبح قیامت تم میرا بوجھ اٹھاؤ گے''

بہر حال دونوں اس کے پاس گئے آگ جلائی خود پھونکیں مار مار کر اس عمل کو جاری رکھا، حتیٰ کہ کھانا تیار ہو گیا پھر ایک کھلے برتن میں ڈالا اور بچوں کو کھانے میں مشغول دیکھنے لگے اسلم نے عرض کیا کہ واپس چلیں تو فرمایا رک جائیں تاکہ بچے کھانا کھا کر ذرا ہنس لیں حتیٰ کہ وہ سو گئے تو اسلم سے فرمایا:

''اسلم! انہیں بھوک کی سختی نے رلایا، میری خواہش تھی کہ ذرا انہیں ہنستا بھی دیکھ لوں۔''

یہ تھے جناب عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے دکھی لوگوں کو دیکھا، پھر اپنی پیٹھ پر راشن اٹھائے، آگ جلائی، کھانا پکایا، بچوں کے لیے کھیلنے پر مسرت کا اظہار کیا اطمینان ہو گیا تو خوشی خوشی واپس پلٹے اب انہیں خوشی تھی کہ انہوں نے جنہیں دکھی دیکھا انہیں سکھی بھی دیکھ لیا ایک مرتبہ اسی طرح نکلے تو ایک گھر

Marfat.com

خیمہ ٹائپ نظر آیا پہلے یہ نہ تھا، ایک خاتون کی آواز آ رہی تھی گویا ولادت کا وقت ہے اور غایۃ درجہ پریشانی ایک صاحب بیٹھے ہیں، انہیں سلام کیا اور پوچھا جناب کی تعریف؟ اس نے کہا میں دیہاتی آدمی ہوں، امیر المومنین کے پاس حاضری کا قصد ہے تا کہ ان کے کرم سے استفادہ کر سکوں۔ فرمایا گھر کے اندر سے کیسی آواز آ رہی ہے؟ اس آدمی نے غصہ میں کہا میاں تم جاؤ، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے آپ نے آہ و زاری کے ساتھ پوچھا تو اس نے بتلایا کہ خاتون کی ولادت کا وقت ہے، اس وجہ سے پریشان ہے پوچھا پاس کوئی ہے؟ اس نے کہا کوئی نہیں فوراً واپس تشریف لائے، اپنی اہلیہ سیدہ ام کلثوم بنت فاطمہ وعلی رضی اللہ عنہما وعنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی اور فاطمہ کے داماد تھے سے فرمایا ایسا اجر و ثواب جو گویا خود چل کر تمہارے پاس آئے تمہیں مطلوب ہے؟ اس نیک بخت خاتون نے عرض کیا وہ کیا؟ فرمایا ایک غریب خاتون ہے، ولادت کا عمل قریب ہے لیکن پاس کوئی نہیں، اہلیہ نے عرض کیا، کیوں نہیں، آپ چاہیں تو میں حاضر ہوں فرمایا ولادت کے وقت جن اشیاء کی ضرورت ہے مثلاً کسی قدر کپڑا، گھی ہنڈیا گوشت اور کچھ اجناس وغیرہ لے لو اور بسم اللہ کرو۔

سیدنا فاروق اپنی اہلیہ سمیت تشریف لے گئے، اہلیہ اندر چلی گئیں، آپ خود اس خاتون کے میاں کے ساتھ مل کر کھانے کی تیاری میں لگ گئے تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ کی اہلیہ باہر تشریف لائیں اور خوشی و مسرت کے ساتھ بلند آواز سے عرض کیا:

"امیر المومنین اپنے ساتھی کو خوش خبری سنا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عنایت فرمایا:
وہ شخص تو پریشان ہو گیا کہ وہ غائبانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت سن چکا تھا
لیکن آپ نے اسے تسلی دی اور ضروریات کے اہتمام میں اس کے ساتھ مشغول
رہے، کھانا تیار ہو گیا تو اندر بھی بھجوایا اور مرد کے سامنے خود ڈال کر رکھا اور فرمایا:
"تم نے رات بہت تکلیف میں گزاری، خوب کھاؤ"

اہلیہ سمیت واپسی سے قبل اس شخص سے فرمایا کل ہمارے پاس آنا ہم تمہارے لیے ضروریات زندگی کا انتظام کر دیں گے۔

تیسری مرتبہ اسی طرح مصروف تھے کہ ایک خاتون کی آواز سنائی دی اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی:

"بیٹی اٹھو، دودھ میں پانی ملا دو"۔

Marfat.com

بیٹی نے کہا امی، امیر المومنین کے عزم و فیصلہ سے تم آ گاہ نہیں...... انہوں نے اعلان کر رکھا ہے کہ ایسی حرکت کوئی نہ کرے۔

ماں نے کہا بیٹی نہ تو عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں اور نہ ہی کوئی ان کا نمائندہ!

بیٹی نے کہا بہر حال امی میں آپ کے حکم کی اطاعت نہیں کر سکتی اور تنہائی کے باوجود آپ کا حکم رد کرتی ہوں۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سب گفتگو سن رہے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اس خاتون کو تنبیہ کی اور واپسی پر اپنے صاحبزادوں کو نصیحت کی کہ اس سعادت مند بچی سے تم میں سے کوئی ایک شادی کر لے عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، اسی بچی سے شادی کر لی اور اسی خاتون سے آئندہ چل کر حضرت عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے یعنی ان کی نسل سے جنہیں ''خلفاء راشدین'' میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح برابر آپ لوگوں کے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور ان کی دینداری پر بھی نظر رکھتے!

یہ تو مدینہ کی بات ہے دوسرے شہروں میں بھی ہر ممکن اہتمام تھا مدینہ ظاہر ہے کہ نبی کا شہر اور دارالحکومت تھا اور آپ خود اس میں موجود تھے لیکن دوسری جگہوں سے بھی غافل نہ تھے آنے والی فصلوں میں اسی کا ذکر ہو گا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کچھ حضرات کو منتخب کرتے تا کہ انہیں ذمہ داریاں سونپ کر مختلف مقامات پر بھیج سکیں، اس معاملہ میں ان کا انداز فکر بالکل انوکھا تھا جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے انہیں ذمہ داریاں سونپنے کے بعد ان علاقوں سے آنے والے سواروں سے حالات کی آگاہی حاصل کرتے حج کے ایام میں بطور خاص بہت ہی حالات کی تحقیق فرماتے اور لوگوں سے فرماتے:

> ''لوگو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ میں نے اپنے سرکاری حکام اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تمہاری چمڑی ادھیڑیں اور تمہارے مال بٹوریں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں، تمہارے نبی کی نسبت سے تمہیں روشناس کرائیں۔ اس کے سوا جس کا رویہ ہو اس سے مجھے آگاہ کرو مجھے قسم ہے ذات پاک کی، تمہارا بدلہ میں چکاؤں گا!''

Marfat.com

وہ فرصت کے لمحات میں بیرونی سفر بھی کرتے شام کا سفر کئی مرتبہ کیا، ہر مرتبہ ذاتی طور پر حالات کی تحقیق فرماتے، تجسّس فرماتے، لوگوں سے پوچھتے، اچھائیوں پر صلہ اور برائیوں پر سزا دیتے اور اپنے ہاتھ سے اصلاح فرماتے وفات والے سال احباب سے فرمایا:

''اگر میں زندہ رہا تو سال بھر ساری مملکت میں سفر کروں گا کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی ضروریات، مسائل اور شکایات مجھ تک نہیں پہنچتیں یا تو وہ مجھ تک نہیں پہنچ پاتے، یا مقامی حکام مجھ تک مسائل نہیں پہنچاتے شام جا کر دو ماہ مقیم رہوں گا، پھر مصر جاؤں گا، جہاں دو ماہ قیام ہو گا پھر بحرین دو ماہ پھر کوفہ دو ماہ...... پھر دو ماہ بصرہ جا کر رہوں گا اور ذاتی طور پر حالات کا جائزہ لوں گا۔'' سرکاری اہل کاروں کے لیے آپ کی سوچ کا زاویہ:

''وہ خوب چھان پھٹک فرماتے ذمہ داری سونپنے سے قبل مختلف ذرائع سے جائزہ لیتے ذمہ داریوں کے حریص شخص کے نام سے بھاگتے عزیزوں کو حتی الوسع ذمہ داریاں نہ سونپتے دوسروں کو بھی ایسی ہی نصیحت فرماتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بستر مرگ پر جب ابولؤلؤ نے زخمی کر دیا یہی نصیحت فرمائی، علی سے کہا اور باقی سے بھی۔''

''علی رضی اللہ عنہ اگر اجتماعی امور تمہیں سونپے جائیں تو میں اس بات سے پناہ چاہوں گا کہ تم بنو ہاشم کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دو۔''

''عثمان رضی اللہ عنہ ابن ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دو جب تمہیں حکمرانی سونپی جائے اس سے میں پناہ چاہتا ہوں۔''

''سعد رضی اللہ عنہ اگر لوگوں کے امور تمہارے سپرد کیے جائیں تو میں اس سے پناہ چاہوں گا کہ اپنے رشتہ داروں کو ان پر مسلط کر دو۔''

عہدہ و منصب کے خواہش مند کو منصب عطا نہ فرماتے اس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کا اہتمام تھا آپ کا ارشاد گرامی ہے:

''اللہ پاک کی قسم! جو ہم سے عہدہ و منصب کا سوال کرے گا یا اس کا حریص ہو گا اسے ہم کوئی ذمہ داری نہ سونپیں گے۔''

Marfat.com

تعلق خاطر کے سبب کسی کو عہدہ ومنصب مرحمت نہ فرماتے ارشاد فرماتے:

''جس نے محض تعلق خاص سے یا بعض عزیز داری کی بنا پر کوئی ذمہ داری سونپی وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں سبھی کا خائن ہے۔''

نااہل کو بھی ذمہ داری سونپنے کا سوال نہ تھا ارشاد فاروقی ہے:

''حضرت حق جل وعلی مجدہ کے نافرمان کو دیدہ دانستہ ذمہ داری سونپنے والا بھی ایسا ہی ہے۔''

مطلوبہ صفات کا حامل شخص مل جاتا اور مناسب انسان میسر آ جاتا تو اسے ہدایات فرماتے:

''لوگوں کے خون اور عزتوں کے لیے تمہیں یہ ذمہ داری نہیں سونپی جا رہی (کہ ان کا احساس وخیال نہ ہو) بلکہ اقامت صلوٰۃ، عدل، لوگوں کے درمیان انصاف جیسے مقاصد کے لیے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہاں یہ باتیں ذہن میں رکھو اور ان سے بچ کر رہو وہ کیا ہیں؟

☆ موٹی تازی بڑھیا قسم کی سواری استعمال میں نہ لاؤ۔
☆ باریک کپڑے (امراء جیسے) استعمال نہ کرو۔
☆ پر تعیش کھانے مت کھاؤ موئے جھوئے پر اکتفا کرو۔
☆ ضرورت مند لوگوں کے لیے اپنا دروازہ بند نہ کرو۔
☆ کسی سے کسی قسم کا ہدیہ قبول نہ کرو۔

وہ بات کتنی مبنی بر تقویٰ ہے جو آپ اپنے احباب سے فرماتے:

''وہ شخص مجھے بتلاؤ جو اس ذمہ داری کا اہل ہے کہ اسے ذمہ داری سونپی جا سکے۔''

لوگ کہتے فلاں اور وہ آپ کے معیار پر پورا نہ اترتا تو فرماتے اس کی ہمیں ضرورت نہیں لوگ پوچھتے پھر؟ ارشاد فرماتے مجھے ایسے شخص کی ضرورت ہے۔ جو لوگوں میں مل جل کر رہے ہاں باہمی معاملات کے وقت امیر نظر اس کے علاوہ وہ انہی میں سے ایک آدمی کے طور پر معلوم ہو۔

کسی اہل کار کو بھیج دیتے کچھ وقت گزر جاتا تو پھر اس کے حالات معلوم کراتے کیا خبریں ہیں کیسا چل رہا ہے؟ فقر و فاقہ کا خوگر ہے یا دولت مندی میں مبتلا ہو گیا لباس کیسا پہنتا ہے، کھانا کیسا کھاتا ہے اور رہائش کیسی ہے؟

Marfat.com

اگر معلوم ہوتا کہ مطلوبہ معیار سے بدل چکا ہے تو یا خود بلا کر تنبیہ فرماتے یا کسی کو بھیج کر اصلاحی پیغام پہنچاتے معاملہ بڑھ جاتا تو معزول کر کے دوسرا آدمی مقرر فرماتے کسی کے متعلق شکایت آتی تو فوری تحقیق فرماتے اور شکایت ثابت ہو جانے پر بلا کر سب کے سامنے حکم نافذ فرماتے مثلاً

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ والی مصر کی شکایت ملی تو حالات کا جائزہ لے کر ایک ایلچی کے ذریعہ انہیں اور ان کے بیٹے ہر دو کو طلب فرمایا آ گئے تو فرمایا مصری شکایت کنندہ کہاں ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین حاضر ہوں فرمایا میرا کوڑا لو اور اس صاحبزادے کو پیٹو بدلہ ہو گیا تو اس سے فرمایا اب ذرا گورنر کی اصلاح کرو مصری نے ہاتھ روک لیا اور عرض کیا امیر المومنین! جس (گورنر کے بیٹے) نے مجھے مارا۔ میں نے اس سے بدلہ چکا لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گورنر سے فرمایا:

"عمرو! تم نے لوگوں کو سے غلام بنا لیا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔"

(عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ صحابیت کے حوالہ سے بہت معروف انسان ہیں مصر انہوں نے فتح کیا مختلف معرکوں میں اور جنگوں میں ان کا بڑا کردار ہے اس کے باوجود ان کے صاحبزادے کو معاف نہ کیا گیا حتیٰ کہ مصری خود نہ رک جاتا تو یہ بھی نہ بچتے کہ ان کے بیٹے کی دیدہ دلیری اس لیے تھی کہ وہ اپنے کو گورنر کا بیٹا خیال کرتا۔)

اسی طرح مثلاً:

"حمص" کے گورنر سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے متعلق شکایت ملی آپ نے بلا کر شکایت کنندہ حضرات سے فرمایا اب بتلاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ بہت دن چڑھے یہ ہمیں ملتے ہیں ہمیں انتظار کرنا پڑتا ہے آپ نے سعید سے فرمایا جواب دو حضرت سعید نے عرض کیا گو کہ سبب تاخیر کا ذکر مناسب نہیں لیکن میں عرض کرتا ہوں اصل یہ ہے کہ میری اہلیہ کے پاس کوئی خادم نہیں گھر کی دوسری مصروفیات کے سبب میں آٹا خود گوندھتا ہوں حتیٰ کہ اس کا خمیر اٹھتا ہے تو روٹی کا اہتمام ہوتا ہے پھر میں وضو کر کے باہر آ جاتا ہوں۔

شکایت کنندہ حضرات سے کہا اور کوئی بات؟

انہوں نے عرض کیا یہ رات میں کسی سے نہیں ملتے سعید نے کہا امیر المومنین دن ان کے لیے رات اللہ تعالیٰ کے لیے شکایت کنندہ حضرات نے کہا مہینہ میں ایک دن تو ایسا ہوتا ہے کہ یہ کسی سے نہیں ملتے سعید گویا ہوئے سیدی! میرا کوئی خادم نہیں، میں خود کپڑے دھوتا ہوں جوڑا ایک ہے خشک ہو جاتا ہے تو پہن کر دن کے دوسرے حصہ میں (دوپہر کے بعد) آ جاتا ہوں۔

Marfat.com

اسی طرح توجہ سے ساری شکایات سنیں اور فرمایا اس وقت آپ خوشی ومسرت سے سرشار تھے۔
”اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف! کہ میں نے بہت سوچ کر آدمی کا انتخاب کیا، میری فراست نے اس کے معاملہ میں دھوکہ نہیں کھایا۔“

کسی عامل وکارکن کی طرف سے خبر نہ آتی اور نہ ہی شکایت ملتی تو کبھی کبھار بلا کر خود سوال کرتے۔
”حمص“ ہی کے دوسرے والی عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ کو بلایا جوان آدمی لیکن بری طرح تھک گئے کیوں کہ پیدل آئے تھے سلام عرض کیا آپ نے جواب دیا اور ان کی کیفیت دیکھ کو پوچھا پیدل آئے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔

فرمایا سواری نہ تھی عرض کیا، رعایا نے اہتمام نہ کیا میں نے مانگا نہیں پوچھا تمہیں بھیجتے وقت جو ذمہ داریاں سونپی گئیں، ان سے متعلق کیا کیا عرض کیا میں وہاں پہنچا، وہاں کے صلحاء کو اکٹھا کیا انہیں مالی امور نمٹانے کی ہدایت کی اور ہر حقدار کو حق ادا کیا اگر کچھ بچ جاتا تو آپ کے لیے بھی لے آتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو مرکزی بیت المال کے لیے کچھ نہیں لائے؟ انہوں نے عرض کیا بالکل نہیں حضرت عمر بے حد خوش تھے کہ جناب عمیر نے ذمہ داری خوب طریقے سے نبھائی کہ مال اکٹھا کرنا اور خزانہ بھرنا کوئی مقصود نہیں، لوگوں کی ضروریات کی تکمیل اصل مقصد ہے!

اللہ تعالیٰ حضرت عمر کو اپنی بے پناہ رحمتوں سے نوازے ایک مرتبہ اپنے رفقا سے فرمایا:
”یہ بتلائیں کہ میں اپنی علم کی حد تک بہترین شخص کو عامل بناؤں اور اسے عدل کا حکم دے دوں تو میں نے فرض ادا کر دیا؟“

لوگوں نے عرض کیا بالکل فرض ادا کیا فرمایا نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا کرتا ہے جو میں نے کہا وہ کرتا ہے تو پھر گویا میں نے اپنا حق ادا کیا اور ذمہ داری پوری کی ورنہ نہیں۔

آپ اکثر و بیشتر اپنے اعیان و ارکان حکومت کو خطوط لکھتے، انہیں مختلف احکامات ارشاد فرماتے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایک عامل تھے انہیں لکھا:
”آپ کے کام کے سبب آپ کو ذمہ داری سونپی گئی آپ ذرا اپنے مخصوص احباب کے ساتھ اور حکومتی اہلکاروں کے ہمراہ ارض معراء، بصرہ و کوفہ کا درمیانی علاقہ اور متصل کی بستیاں جائیں، وہاں جو اہل کار ہیں ان کی کارکردگی دیکھیں، ان کی سیرت و کردار کا جائزہ لیں، پھر بغداد کے

Marfat.com

دیہاتی علاقہ کو دیکھیں پھر اپنے مستقر کو لوٹ آئیں اور جو ذمہ داری سونپی گئی اسے پورے احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پورا کریں۔"

اس فصل کو اس تحریر کے ساتھ ختم کیا جاتا ہے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس وقت لکھی جب انہیں عدالتی ذمہ داری سونپی گئی، یہ تحریر عدلیہ کے لیے مکمل دستور العمل ہے ایک ایسی تاریخی دستاویز جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ان احساسات کو اجاگر کرتی ہے جو وہ عدلیہ کے معاملہ میں رکھتے تھے، ان کی فضیلت آشکارا ہوتی ہے اور دینی حوالہ سے ان کی حرص کا پتہ چلتا ہے:

"اللہ تعالیٰ کے بندے، امیر المومنین کی طرف سے عبداللہ بن قیس کے نام

تم پر سلامتی ہو۔"

امابعد! اس میں شک نہیں کہ قضا اور عدل ایک لازمی فرض ہے اور ایک ایسی سنت ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں، اس کو اچھی طرح سمجھیں اور خوب سمجھ کر عملی نفاذ کی تدبیر کریں کیوں کہ وہ سچائی اور حق مطلق فائدہ نہیں دیتا، جس کا نفاذ نہ کیا جائے۔ اپنی مجلس میں اور اپنے سامنے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا ہمدردانہ رویہ اختیار کریں کہ کوئی شریف آدمی تیری طرف سے ظلم کا خیال دل میں نہ لائے اور کوئی کمزور شخص تیرے عدل سے مایوس نہ ہو۔ گواہوں کی ذمہ داری مدعی پر ہے اور انکار کرنے والے پر قسم! مسلمانوں کے درمیان صلح درست اور اچھی چیز ہے ایسی صلح نہ ہو جو حرام کو حلال کر دے یا حلال کو حرام اگر گذشتہ دن کوئی بات آپ کہہ چکے ہیں (اور پھر اس کی غلطی واضح ہوئی) تو اب جذبۂ انصاف آپ کا ہاتھ نہ روکے، بلکہ خوب سوچ وبچار کریں، رشد وہدایت کی راہ میسر آجائے تو حق کی طرف لوٹ جائیں۔ کیوں سچائی اور حق ایک ازلی حقیقت ہے جس کو کوئی چیز غلط نہیں ٹھہرا سکتی اور حق کی طرف پلٹ جانا اس سے بہت بہتر ہے کہ تم غلطی میں ڈوبے رہو۔ جو نظائر کتاب اللہ اور سنت رسول میں میسر نہ آئیں اور انہوں نے تمہارے سینہ میں تلاطم بپا کر رکھا ہو، ان کے لیے بار بار سوچیں (اجتہاد کریں) اور ان جیسے نظائر پر غور کریں، پھر قیاس سے کام لے کر معاملہ نمٹائیں جو چیز اللہ تعالیٰ کو خوب محبوب ہو اس کا قصد کریں اور جس کو آپ حق سے بہت ہی مشابہ دیکھیں اس پر عمل پیرا ہوں اور اس کے لیے فیصلہ کریں جو غائبانہ حق کا دعویٰ دار ہے یا ایسے کام کی صراحت کرتا ہے، جس کا انجام اسی پر ہوتا ہے۔ اگر وہ گواہ پیش کر دے تو اس کا حق دلوائیں، ورنہ اس کے خلاف ڈگری دے دیں، کیونکہ اسی رویہ سے شک کا ازالہ ہو سکتا ہے اور اندھاپن دور ہو سکتا ہے اور عذر کے لیے یہ بہت ہی معقول چیز ہے۔

Marfat.com

شہادت میں سبھی مسلمان برابر ہیں ایک دوسرے کے خلاف ہاں جسے اللہ تعالیٰ کی حد کی وجہ سے سزا ہو چکی ہے، اس کی شہادت معتبر نہیں اس کی شہادت معتبر نہیں جو بار بار جھوٹی شہادت سے متہم ہو چکا ہو یا جو کسی ذمہ داری یا قرابت داری میں اپنے فرض کی ادائیگی کا مجرم قرار پا چکا ہو مخفی چیزیں اللہ تعالیٰ نے تم سے دور رکھیں (ان کے کھوج کی ضرورت نہیں) اور شبہات کی سزاؤں کی دوری کا ذریعہ بنا دیا شبہ کی وجہ سے سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

بلا وجہ کی قیل وقال اور الجھنوں سے بچو، عورتوں کو اذیت پہنچانے سے بچو اور سچائی کے وہ مقامات جہاں اللہ تعالیٰ نے اجر لازم قرار دیا ہے۔ ان سے فرضی دشمنی کی بنا پر نفرت نہ کرو اور مستقبل کے لیے اچھے ذخیرہ کی فکر کرو، جو شخص اپنے اور اپنے رب کے درمیان اخلاص نیت کی فکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بندوں کے درمیان معاملات کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اور جو شخص لایعنی امور کو لوگوں کے دکھلانے کے لیے خوبصورت بنانے کی تدبیر کرے گا تو چونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اصل پہلو سے واقف ہیں، اس لیے پروردگار عالم اس کو بدصورت بنا کر رہیں گے ظاہرداری کا پردہ اٹھا کر رہے گا اور حقیقت الم نشرح ہو کر رہے گی اس ثواب کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جس کا خزانہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور بہت جلد ملنے والا ہے؟ ایسے ہی اس کی رحمتوں کے خزانوں کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ (آدمی کو ہر حال میں اسی کی فکر کرنی چاہیے اور ان کے حصول کی جدوجہد کرنی چاہیے) ''والسلام''

ام سلیط احقّ بہٖ!

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے عام مال، صدقہ کے اونٹ اور چراگاہ کا بے حد اہتمام فرماتے غنیمت کے مال کی تقسیم کی حرص رہتی کہ مال جمع کر کے رکھنا اچھی روایت نہیں تقسیم وغیرہ میں عدل کی بھرپور رعایت فرماتے کسی شخص یا خاندان سے رعایت کا سوال ہی نہ تھا ایسے ہی قربت داری کو بھی قریب نہ پھٹکنے دیتے!

مستحق لوگوں کے معاملہ میں ان کا مخصوص اجتہادی نقطہ نظر تھا اسی طرح مقدور کے تعین کے معاملہ میں بھی اجتہادی اصول تھے جیسا کہ آئندہ ہم بیان کریں گے۔

مال کے معاملہ میں فرماتے:

Marfat.com

''میں اس مال کا کسی ایک سے بڑھ کر حق دار نہیں ہوں اللہ تعالیٰ کی قسم ہر مسلمان کا اس مال میں حصہ ہے، ہاں جو لوگ دوسروں کے غلام ہیں، ان کا معاملہ مستثنیٰ ہے (کہ ان کا حق مالکان پر ہے) تاہم کتاب الٰہی کے حوالہ سے ہمارے درجات ہیں اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول تقسیم ہمارے لیے نمونہ ہے کسی شخص کے اسلام کی راہ میں مصائب، اس کے بڑھنے والے قدم، اس کے غنا و تونگری کی حقیقت اور اس کی حاجت و ضرورت ہر چیز کو سامنے رکھا جائے اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میں زندہ رہا تو صنعاء پہاڑ پر بکریاں چرانے والے کو بھی اس مال میں سے حصہ دوں گا بے شک وہ اپنی جگہ بکریاں ہی کیوں نہ چراتا ہے۔''

مال آتا تو آپ ذاتی طور پر مال تقسیم کر دیتے حصہ سے جو بڑھ جاتا وہ راہ حق میں مقدم ترین شخص کو دے دیتے ایک مرتبہ آپ کے پاس عورتوں کے لیے چادریں آئیں، آپ نے تقسیم کر ڈالیں، ایک بہت ہی عمدہ قسم کی چادر رہ گئی ایک حاضر باش نے کہا، آپ کی اہلیہ محترمہ ام کلثوم بنت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، رسول محترم سے ان کی قرابتداری ہے، اس چادر کی وہ مستحق ہیں فرمایا:

''ام سلیط رضی اللہ عنہا اس کی حق دار ہیں کہ انہوں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی براہ راست بیعت کی (انہیں تقدم زمانی حاصل ہے) اور احد کے دن اس اللہ تعالیٰ کی بندی نے زخمیوں کی بہت خدمت کی۔''

عراق کے علاقہ سے مال غنیمت آیا تو مسجد میں رکھ دیا رات بھر خود چوکیداری کی صبح لوگوں کو بلایا اور ہر شخص کو حصہ دیا بارہا دیکھا گیا کہ وہ بیت المال کے اونٹوں کی تیل سے مالش کر رہے ہیں مقصد ان کی صحت و علاج کی بحالی ہوتی مسلمانوں کے مال کی حفاظت کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا۔

الاخف بن قیس، ایک عراقی وفد کے ساتھ حاضر ہوئے شدید گرمی اور لو کا دن تھا جناب عمر رضی اللہ عنہ اونٹوں کی تیل سے مالش فرما رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الاخف، ذرا اپنی چادر اتار دو اور قریب آ کر امیر المومنین کی اس معاملہ میں مدد کرو کہ یہ امیر المومنین کا ذاتی نہیں، صدقہ کا اونٹ نہیں، اس میں یتیم کا بھی حق ہے اور مسکین کا بھی ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کو مغفرت و رضوان سے نوازے صدقہ کی مد میں غلام بھی تو ہیں ان میں سے کسی کو فرما دیتے، وہ یہ کام کر لیتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

Marfat.com

"ارے کون سا غلام مجھ سے اور الاخف سے بڑھ کر غلام ہے؟ جب عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے حالات کا والی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ہر کام کرے جو کسی آقا کی طرف سے غلام پر لازم ہے اور امانت کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔"

یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کے پیچھے دوڑ رہے ہیں تا کہ انہیں گلہ میں واپس لاسکیں اور وہ ضائع نہ ہو جائیں۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ شدید گرمی کے موسم میں انہیں صدقہ کے دو اونٹوں کا تعاقب کرتے دیکھا تو فرمایا:

"جو شخص ایسی شخصیت کو دیکھنا چاہتا ہے جو باہمت اور امانتدار ہو تو وہ عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔" رضی اللہ عنہم اجمعین!

حکومتی ڈھانچہ

الاساس

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سلطنت وسیع ہوگئی لوگ دین اسلام میں فوج درفوج داخل ہونے لگے۔ بے پناہ مسائل سامنے آگئے، مسائل اور مشکلات کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا، جن کا حل لازم تھا سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں حق ادا کیا اور اس بات کو محسوس کیا کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے حکومت کیسے ہو اور معاملہ کس طرح منطقی انجام کو پہنچے اس کی فکر بہر طور ضروری ہے اور لازم ہے۔

متعدد صحابہ کرام پر مدینہ منورہ سے نکلنے پر پابندی لگادی تا کہ بوقت ضرورت ان سے مشورہ ہو سکے ان سے فرمایا:

"آپ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، جو آپ لوگوں نے سرکار سے سنا دوسروں نے نہیں سنا۔ میرے سامنے مسائل آتے ہیں، ان کا حل آپ کے پاس ہوتا ہے تم یہاں نہیں ہو گے تو میں فیصلے کیسے کروں گا۔"

کوئی مسئلہ سامنے آتا تو آپ لوگوں کو جمع فرماتے، ان کے سامنے مسئلہ رکھتے ان کی آراء سنتے پھر جو صحیح خیال فرماتے اس کے مطابق فیصلہ فرماتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کو جن مسائل سے دوچار ہونا پڑا ان کے پاس ان کا حل بھی تھا شام کے سفر کے حوالہ سے روایت ہے کہ:

Marfat.com

''آپ شام کے لیے نکلے تو اجناد کے عمال سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اوران کے رفقاء سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتلایا کہ شام اس وقت طاعون کی وبا کی زد میں ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین نے مجھے حکم دیا کہ مہاجرین کو بلا کر مشورہ کروں ان کے سامنے مسئلہ آیا تو اختلاف پیدا ہو گیا بعض کی رائے تھی کہ:

''آپ ایک مہم کے لیے نکلے ہیں، واپس لوٹنے کی تک نہیں۔''

بعض نے کہا کہ:

''آپ کے ساتھ دوسرے لوگ اصحاب رسول ہیں، سب کو وبا کے علاقہ میں لے جانا مناسب نہیں۔''

فرمایا مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

اب انصار بلائے گئے ان سے مشورہ ہوا، یہاں بھی رائے میں اختلاف تھا انہیں بھی اٹھا دیا اور فرمایا وہ شخص بلاؤ جسے یہاں قریش کی بڑائی اور سرداری حاصل ہو مشائخ قریش میں سے اور ہو بھی فتح مکہ سے قبل کے اکابر مہاجرین میں سے چنانچہ بلایا گیا تو اب کوئی اختلاف نہ تھا یہ وہ حضرات تھے، انہوں نے کہا:

''ہمارا خیال ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں اوراس وبازدہ علاقہ میں نہ جائیں۔''

آپ نے لوگوں میں اعلان فرما دیا میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس لوٹ جاؤ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ تقدیر سے فرار کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، آپ کے بغیر کوئی شخص یہ بات کہتا تو'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی مخالفت کو پسند نہیں کیا۔

بہر حال آپ نے صبر وضبط سے جواب دیا ہاں! ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف فرار اختیار کر رہے ہیں فرمایا! آپ یہ فرمائیں کہ اگر آپ کا اونٹ ہو اور وہ کسی وادی میں گر جائے، اسکی حالت یہ ہو کہ اس کا ایک کنارہ تو اونچا ہو، دوسرا گہرائی میں، تو اگر آپ اونچے کنارے کی رعایت کریں تو تقدیر الٰہی کی رعایت ہوگی، یا گہرائی والے کنارے کی رعایت سے تقدیر الٰہی کی رعایت ہوگی؟

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو کسی ضرورت کے سبب اب تک غائب تھے اچانک آ گئے اور فرمایا، اس سلسلہ میں میرے پاس ایک ہدایت ہے میں نے براہ راست رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے:

''جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ کوئی زمین طاعون کا شکار ہے تو وہاں مت جائیں اور جب تم پہلے سے اس زمین میں ہو تو اس سے نکل کر نہ بھاگو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور واپس لوٹ گئے۔

ان کی حکومت کی یہی بنیاد تھی یعنی لوگوں کو جمع کرنا، مشورہ کرنا، فیصلہ پر پہنچنے کی تدبیر اور فیصلہ ہو جانے پر اسی کا نفاذ!

اشیرو اعلیٰ بمن ابدأ

ابھرتی ہوئی حکومت، نئی عمارت، ہر شے میں پھیلاؤ، ایسی ضروریات جو پہلے نہ تھیں ظاہر ہے کہ مناسب احکامات کی ضرورت تھی کہ اس چیلنج کا مقابلہ ہو سکے۔

عراق کی فتح کے بعد آپ سے مطالبہ کیا گیا کہ ۱/۵ حصہ حکومتی بیت المال کے لیے وضع کر کے باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے، جیسے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے معاملہ میں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران تھے کیا کریں؟ مجاہدین میں تقسیم کریں یا سابقہ مالکان کے پاس چھوڑ دیں کہ وہ اراضی کاشت کریں اور ان پر ٹیکس عائد کر دیا جائے جو حکومت کو ادا کریں؟ آپ نے صحابہ سے طویل مشورہ کیا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے مضبوط نتیجہ کہ:

''یہ زمین سابقہ مالکان کے تصرف میں رہے گی، اس کی پیداوار سے متعینہ حصہ (ٹیکس) مسلمانوں کے بیت المال کے لیے لیا جائے گا اس زمین کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔''

ان کا نقطہ نظر عظیم تر مصلحت پر مبنی تھا، اس میں ان کے ساتھ بعض دوسرے صحابہ بھی تھے مثلاً حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما جیسے حضرات مصلحت یہ تھی کہ زمین

Marfat.com

کی سابقہ حیثیت بحال رہی تو اس سے بڑا نفع ہوگا یہ زمین سمٹتے سمٹتے ایک مرد یا ایک عورت کے ہاتھ میں سکڑ کر رہ جائے گی بعد ازاں ایسی قوم آئے گی جو اسلام کے لیے سد راہ بن جائے گی او رکچھ نہ ملے گا مزید یہ کہ زمین داری کی مصروفیات کے سبب لوگ جہاد سے غافل ہو جائیں گے یہ بھی ہے کہ زمین کے حقیقی ثمرات کم تر ہو کر رہ جائیں گے کہ مجاہدین اس فن سے نابلد ہیں۔ بعض صحابہ اس معاملہ میں آپ سے متفق نہ تھے۔ حتیٰ کہ بحث مباحثہ پر اتر آئے جن کے سرخیل حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے لیکن ان حضرات کے دلائل قبولیت عامہ حاصل نہ کر سکے اور جو فیصلہ ہوا اس پر آپ نے عمل درآمد کرایا کہ اصل ذمہ داری آپ کی تھی یہی معاملہ مصر و شام کی زمین سے ہوا جب غنیمت کا مال بکثرت آنے لگا اور ویسے ہی آمدن کے ذرائع بڑھ گئے تو آپ نے سوچا کہ کیا کیا جائے؟ ایک شکل یہ کہ جو آئے اسے بانٹ دیا جائے ایک یہ کہ نازک حالات کے لیے ذخیرہ کیا جائے۔؟ پھر یہ کہ دیا جائے تو اس کی مقدار کیا ہو؟ کیا سب کو برابر دیا جائے؟

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں غنیمت کے پانچ حصے ہوتے ۴ حصے مجاہدین کو ملتے پانچواں حصہ ایسا تھا کہ اس میں پیغمبر محترم صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرماتے، لوگوں میں تقسیم کر کے یا ضرورت کی جگہ خرچ کر کے آپ خود بھی اس سے استفادہ فرماتے سرکاری اہلکاروں اور ذمہ دار لوگوں کو بھی اس سے ملتا۔ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن لوگوں کو (ارباب حل وعقد) جمع کیا اور ان سے فرمایا:

''مال بہت آنے لگا ہے، آپ پسند کریں تو گن کر ورنہ تول کر تقسیم کر دیا جائے۔''

ایک شخص نے عرض کیا اہل عجم کو میں نے دیکھا کہ وہ دفتری نظم وضبط سے فہرستیں تیار کرا کر لوگوں کو عطایا دیتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا سارا مال خرچ نہ کریں لوگ بکثرت اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہی حال مال کا ہے بلکہ نظم وضبط سے عطایا دیں، لوگ زیادہ مال زیادہ تو دفتری نظم سے انہیں عطا فرمائیں جناب امیر المومنین نے دفتری سسٹم بنایا مردم شماری کرائی اور عطیات کے مقدار متعین کی۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ رجسٹر مردم شماری میں سب سے پہلا کس کا نام ہو؟ آپ نے لوگوں سے پوچھا اس سلسلے میں مجھے مشورہ دیں کہ کس سے ابتداء کریں؟

Marfat.com

لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے نام سے ابتدا ہونی لازم ہے کہ آپ امیر المومنین ہیں فرمایا بالکل نہیں بلکہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ابتدا کریں۔ چنانچہ بنی ہاشم پھر بنی عبدالمطلب اس طرح کا اہتمام ہوا، جس کا نسب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے، اس کا لحاظ کیا گیا سب سے پہلے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے اسماء گرامی لکھے گئے پھر اسی ترتیب سے اب سوال تھا کہ سب کو برابر وظیفہ دیا جائے یا فرق قائم رکھا جائے؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وظائف میں برابری کو اصول بنایا تھا لیکن آپ نے اس میں فرق و امتیاز رکھا اور فرمایا:

''رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والے اور مد مقابل (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) برابر نہیں ہو سکتے۔''

آپ نے درجہ بندی کی سب سے پہلے اہل بدر ان میں المہاجرین پھر الانصار پھر وہ مہاجرین - جو بدر میں شریک نہ تھے، بعد میں غزوات میں شریک رہے، اس کے بعد وہ انصار جو بدر کے بعد اس عمل میں شریک ہوئے پھر شرکاء حدیبیہ اسی طرح آخر تک پہلے طبقہ کا حصہ سب سے بڑھ کر تھا پھر اسی ترتیب سے کم ہوتا رہا اپنی ذات کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قادسیہ و دمشق کی فتح کے بعد آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

''میں تاجر آدمی تھا خلافت کے سبب تم لوگوں نے مجھے مشغول کر دیا، اب بتلاؤ اس مال سے میرے لیے کیا حلال اور درست ہے۔''

باقی حضرات کی رائے زیادہ کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کی ذات اور اہل و عیال کے لیے جتنا ضروری ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ ہی کی رائے صحیح ہے پھر فرمایا:

''اگر میں استغناء برت سکوں تو بچ جاؤں، ضرورت مند ہوں تو قرض لے لوں اور جب مجھے سہولت دی جائے تو میں ادائیگی کر لوں''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات ایسے ہوتے جن سے ان کے روح اسلام کے لیے فہم و ادراک کا پتہ چلتا ہے حاطب بن ابی بلتعہ کے دو غلام تھے۔ انہوں نے مزید قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کا اونٹ چرا لیا آپ نے ان کے ہاتھ نہیں کاٹے اور حاطب سے فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ آپ انہیں بھوکا رکھتے ہیں ورنہ میں ان کے ہاتھ ضرور کاٹ دیتا۔[۲۶]''

Marfat.com

اسی طرح قحط سالی کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی پر چوری کی حد نافذ نہیں کی انہوں نے لوگوں کی حاجت وضرورت کا لحاظ رکھا گویا ایک معروف اصول کہ حدود الٰہی ''شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں'' پر عمل فرمایا۔

ویحکَ لاَ تعجلیه !

آپ نے مملکت اسلامیہ کو بڑی باریک بینی سے منظم کیا جب کسی مسئلہ کی احتیاج سامنے آتی تو آپ معمول کے احوال کا لحاظ رکھ کر غور وفکر فرماتے کبھی سوچ بچار اور اجتہادی معاملات میں خطا ہو جاتی تو سابقہ فیصلہ سے رجوع فرمالیتے۔

تاجروں کی ایک جماعت عیدگاہ میں اتری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا یہ ممکن نہیں کہ ہم دونوں رات بھران کی چوکیداری کا فرض انجام دیں تاکہ یہ چوری سے محفوظ رہیں چنانچہ دونوں حضرات نے رات اس طرح گزاری کہ نماز میں مشغول رہے جو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور پہرہ دیتے رہے اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی...... اس کی طرف تشریف لے گئے...... فرمایا...... اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے بچے کے ساتھ حسن سلوک کرو...... نصیحت فرما کر واپس آ گئے...... رات کے آخر حصہ میں پھر بچے کے رونے کی آواز آئی...... پھر آپ تشریف لائے اس سے فرمایا...... تم کیسی ماں ہو؟ تمہارا بیٹا رات بھر نہیں سویا...... اس نے عرض کیا، بندہ خدا، میں دودھ کے معاملہ میں بچے سے فریب کا عمل روا رکھے ہوئے ہوں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... کیوں؟ اس نے عرض کیا، اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے محض اس بچے کے لیے وظیفہ مقرر کیا ہے۔ جس کا دودھ چھڑا دیا جائے...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... وہ کتنی عمر کا ہے؟ اس نے کہا...... اتنے مہینے کا...... فرمایا، اللہ کی بندی...... عمر رضی اللہ عنہ پر الزام لگانے میں جلدی نہ کر!

آپ نے نماز اس حال میں ادا کی کہ رونے کی شدت سے لوگ آپ کی آواز نہ سن سکے (فجر کی نماز)...... سلام پھیرنے کے بعد آپ نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ تمہارا کیا حال ہوگا......؟ ...... کتنے مسلمانوں کے بچے تمہاری وجہ سے ہلاک ہو گئے ہوں گے......؟ پھر منادی سے اعلان کرایا:

Marfat.com

''اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، ہم ہر پیدا ہونے والے بچے کا وظیفہ مقرر کرنے کا اعلان کرتے ہیں...... یہ حکم سارے ملک میں بھجوا دیا گیا۔''

ایک رات حسب عادت گشت لگا رہے تھے کہ ایک خاتون خانہ کی آواز سنائی دی وہ اپنے خاوند کا دکھ بھرے انداز میں ذکر کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ...... عمر رضی اللہ عنہ نے میری وحشت کا سروسامان کیا کہ میرے خاوند کو مجھ سے دور کر دیا...... آپ سن رہے تھے اور حیران تھے...... تفتیش پر معلوم ہوا کہ اس کا خاوند ایک لشکر میں بطور سپاہی گیا ہوا ہے...... اب آپ نے شادی شدہ خاتون کے معاملہ میں سوچ و بچار شروع کی...... کہ وہ کتنا عرصہ خاوند کی غیوبت برداشت کر سکتی ہے؟ اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ...... ام المومنین...... سے پوچھا تو وہ شرما دیں...... فرمایا، بیٹی، اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتے...... چنانچہ انہوں نے بتلایا...... ۴ ماہ...... چنانچہ آپ نے فوجی سربراہوں کو لکھا:

''کوئی شادی شدہ سپاہی چار ماہ سے زیادہ گھر سے دور نہ رہے۔''

اس خاتون کے خاوند کو...... جس سے بات کی ابتداء ہوئی...... فوراً گھر واپس آنے کی ہدایت کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ...... ایک قوم کے دروازہ پر گئے...... وہاں ایک بڑے میاں تھے...... نابینا...... آپ نے پیٹھ کے پیچھے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا، وہ مانگ رہا تھا...... آپ اہل کتاب کے کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں......؟ اس نے کہا...... یہودی ہوں پوچھا یہ کیا حال ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔

اس نے کہا...... جزیہ کی ادائیگی، ضروریات زندگی کی فراہمی اور عمر کی زیادتی کے سبب میں مانگ رہا ہوں...... کام نہیں کر سکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑا، اپنے گھر لے گئے...... اسے کچھ مرحمت فرمایا...... پھر وزیر خزانہ کو لکھا کہ ایسے اشخاص پر خاص نظر رکھو...... یہ انصاف نہیں کہ ان کی جوانی میں بطور جزیہ ہم ان سے مال لیں اور بڑھاپے میں یہ یوں رسوا ہوں۔

جب لوگوں نے شادی کے موقعہ پر (نمود و نمائش کے لیے) حق مہر میں لمبی چوڑی رقموں کا اعلان کرنا شروع کر دیا تو آپ نے چاہا کہ چار سو درہم کی حد مقرر کر دیں...... ایک خاتون نے کہا:

Marfat.com

''عمر رضی اللہ عنہ! آپ کو اس کا حق نہیں...... اللہ تعالیٰ نے ''قنطار'' (خزانہ: النساء) کی اجازت دی ہے۔ آپ نے فرمایا...... اے اللہ! ہر اس شخص کو مغفرت سے نواز جو تیرے دین کو عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سمجھتا ہے:''

مزید......ان کے اعمال اور ضوابط

☆ آپ نے لوگوں کو صلوٰۃ تراویح میں ایک امام پر جمع کیا۔

☆ شرابی کو ۸۰ کوڑے مارے......اس سلسلہ میں کوئی متعین عدد ثابت نہ تھا۔

☆ آپ نے نئے شہر بسائے......الکوفہ، البصرہ انہی کی یادگار ہیں۔

☆ آپ نے سرکاری اہل کار الٹ پلٹ کر دیئے، جنہیں دیکھا کہ وہ گورنری وغیرہ کے بعد عیش کی زندگی گزار رہے ہیں۔

☆ آپ نے مسجد نبوی کی توسیع کا اہتمام کیا، کنکریاں ہٹا کر پختہ فرش کا اہتمام کیا...... باریک کنکریاں اور ریت سے لوگوں کے ہاتھ اور چہرے مٹی ہو جاتے...... اس سے نجات ملی۔

☆ آپ نے یہود کو حجاز کی سرزمین سے نکال کر...... ارشاد پیغمبر کو عملی جامہ پہنایا۔

☆ مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا۔

☆ آپ نے ہجرت نبوی کی بنیاد پر کیلنڈر کا اہتمام کیا۔

☆ دفتری نظام بنایا اور سرکاری خط و کتابت کو رواج دیا۔

قابل حیرت و تعجب بات یہ ہے کہ کسی معاملہ پر اختلاف رائے ہو جاتا ہے تو آپ اس شخص کے ساتھ پنچائتی بنیاد پر ثالث مقرر کر کے فیصلہ کر لیتے...... مثلاً...... حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد نبوی کے پڑوس میں تھا...... ان سے فرمایا کہ مسجد کی توسیع کے لیے ہمیں دے دیں...... ان کے انکار پر فرمایا کہ:

''ہم زبردستی لے لیں گے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا...... آپ ایسا نہیں کر سکتے...... بہر حال کسی کو مقرر کر لیں تا کہ وہ فیصلہ کر دے...... چنانچہ ہر دو حضرات نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ پر اتفاق کر کے ان کے پاس حاضری دی...... ماجرا سنا کر فیصلہ چاہا۔

Marfat.com

انہوں نے فرمایا:

’’میں نے پیغمبر اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضرت...... داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی توسیع کی غرض سے...... قریب ہی ایک یتیم سے مکان کا مطالبہ کیا...... اس کے انکار پر آپ نے زبردستی لینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا...... میرے گھر کی توسیع کے لیے ظلماً لوگوں کے مکان نہ لو...... میرے گھر کو اس سے پاک رکھو...... حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ ترک کر دیا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو ارادہ ترک فرما دیا۔ تاہم اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حسبۃ اللہ اپنا مکان دے دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد رسول کی توسیع ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ رحم جناب عمر رضی اللہ عنہ پر، آپ نے مملکت اسلامیہ کی بنیاد رکھی...... خوب سے خوب تر! اور بعد والوں کے لیے نمونہ فراہم کر دیا...... واضح، پختہ، عدل وسچائی پر مبنی!

دور فاروقی کی فتوحات

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد سعادت کی فتوحات میں...... فتح عراق کی تکمیل ہوئی، ایران فتح ہوا دمشق اس کے نواحی علاقے...... بیت المقدس اور مصر...... اسلامی سلطنت کا حصہ بنے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور اختتام پذیر ہوا تو مملکت اسلامیہ خوب خوب وسیع ہو چکی تھی، اس کا مرکز مدینہ منورہ تھا...... اس کا جھنڈا ایک ہی تھا جو ہر طرف لہرا رہا تھا...... اسلام کا جھنڈا۔ ہر علاقہ، ملک اور شہر کی فتح کے لیے آپ نے منصوبہ بندی کی، زبردست اہتمام کیا، راتیں آنکھوں میں کاٹیں...... اس صورت حال پر ایک نظر!

عراق کی فتح

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت کا پہلا کام...... جونہی بیعت اور اعتماد کا ووٹ مکمل ہو گیا...... عراق کی طرف لشکر کی روانگی تھی تاکہ اس فتح کی تکمیل ہو سکے۔ جس کی ابتداء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی...... جب عراقی محاذ پر مصروف فوج کا نصف حصہ حضرت

Marfat.com

خالد رضی اللہ عنہ لے کر شام چلے گئے تو حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ مزید امداد کے لیے حاضر ہوئے، اپنی بیماری کے سبب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس کا مطالبہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور وصیت ارشاد فرمایا کہ:

> ''اگر میری موت واقع ہو جائے تو شام ہونے سے پہلے ہی مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لشکر روانہ کیا جائے، اگر تاخیر ہو جائے تو اگلی صبح یہ کام لازماً ہونا چاہیے...... میری موت کا صدمہ تمہیں اس عمل سے مشغول نہ کر دے...... یا اس سے بھی کوئی بڑی مصیبت سامنے آجائے تو بھی...... یہ گویا دین کا معاملہ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوری اس مہم کی فکر فرمائی، لوگوں کو جمع کیا، انہیں حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں روانہ کر دیا...... متعدد معرکے پیش آئے، اسلامی لشکروں میں یہ ہمت تھی کہ وہ دشمن کے شہ سواروں کو آلیں...... جو ہر طرح مسلح تھے، انہوں نے ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا اور اپنی حدود کے اندر ہی انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاہم اس کے بعد ایک نئے حکمران ''یزدگرد'' کی طرف متوجہ ہونا پڑا...... حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی اور اس حکمران کی پوری تفصیل لکھی اور بتلایا کہ وہ کتنا شہ زور ہے اور یہ کہ وہ فیصلہ کن لڑائی کے لیے تیاری کر رہا ہے...... چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبردست اہتمام فرمایا اور اپنے تمام گورنروں کو لکھا کہ وہ ہر جگہ سے اس مقصد کے لیے امداد فراہم کریں...... آپ نے لکھا:

> ''ہر وہ شخص جس کے پاس ہتھیار یا گھوڑا ہے یا اسکی ہمت رکھتا ہے، یا صاحب الرائے ہے، اسے چھوڑا نہ جائے ایسے سب لوگ منتخب کر کے میرے پاس بھیجو...... جلدی اور جلدی۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر تیار ہو گئے...... مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، لشکر قریب ہی تھا، چنانچہ لوگ بھی آپ کے پیچھے ہو لئے...... ابھی لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ خلیفہ محترم ساتھ چلیں گے یا یہیں مقیم رہیں گے اور کسی قائد کے ساتھ لشکر روانہ فرمائیں گے...... آپ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی ذات کے حوالہ سے مشورہ کیا...... پھر لوگوں میں اعلان ہوا کہ نماز کے لیے جمع ہو جائیں...... سب لوگ اکٹھے ہو گئے، تو آپ نے ان کے

Marfat.com

سامنے ساری صورت حال رکھی اور بتلایا کہ ان کی خواہش ہے کہ وہ خود جا کر اس شہ زور سے دو دو ہاتھ کریں...... آپ نے پوچھا کہ عوام کی کیا رائے ہے......؟ اکثر لوگوں کی رائے آپ کی رائے کے مطابق تھی...... آپ نے لوگوں سے فرمایا...... تم تیاری کرلو۔ میں ساتھ چلوں گا...... اکابر صحابہ کی رائے، عوام کی رائے کے خلاف تھی...... ان کے خیال میں مناسب یہ تھا کہ ایک لشکر کسی کی نگرانی میں بھیجا جائے۔ فتح حاصل ہو جائے تو سبحان اللہ...... ورنہ دوسرا لشکر ارسال کر دیا جائے...... یہ جنگی حکمت عملی دشمن کے لیے بہت ہی مؤثر ہوگی۔ یہ رائے اپنی ذات و اہمیت کے حوالہ سے ویسی ہی تھی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذاتی طور پر نکل کر لڑنے کا فیصلہ کیا تھا...... تو لوگوں نے کہا:

> ''خلیفہ رسول! ہم آپ کو قسم دلاتے ہیں کہ آپ اپنے آپ کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو لوگوں کے لیے کوئی نظام نہیں رہے گا آپ اپنی جگہ مقیم رہیں کسی شخص کی قیادت میں لشکر ارسال کر دیں اگر اللہ نہ کرے وہ لشکر ناکام ہو جائے یا کم پڑ جائے تو دوسرا لشکر ارسال فرما دیں۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کی رائے کو مناسب جان کر یہ مشورہ کیا کہ لشکر کا سپہ سالار کون ہو......؟ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق فیصلہ ہوا، آپ نے لشکر کی نگرانی ان کے سپرد کی اور انہیں اس طرح ہدایات دیں:

> ''اے بنو وہیب کے سعد رضی اللہ عنہ! یہ بات کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کے رشتہ میں ماموں ہو، تمہیں مغرور نہ بنا دے اللہ تعالیٰ برائی کا ازالہ برائی سے نہیں، برائی کا ازالہ بھلائی سے کرتے ہیں...... اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان نسب کی نہیں اطاعت کی قدر و قیمت ہے...... سعد! میں نے تجھے عراقی جنگ کی ذمہ داری سونپی ہے، میری بات کو پلے باندھ لے، اگر تمہیں کسی شدید پریشانی سے دوچار ہونا پڑا تو اس سے گلوخلاصی کا سبب محض حق و سچائی ہوگی...... بس اپنے آپ کو اور اپنے رفقاء کو خیر و بھلائی کا عادی بنانا...... اور اللہ تعالیٰ سے فتح کی درخواست کرنا۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ سے چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے...... راستہ میں گیارہ ہزار فوج ساتھ مل گئی...... مختلف مقامات سے...... ادھر حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس ۲۰ ہزار فوج تھی......

Marfat.com

یوں عراق میں ۳۵ ہزار لشکر جمع ہو گیا...... ایرانی سورما کے مقابلہ کے لیے یہ عظیم لشکر تھا...... اس میں ۹۹ بدری صحابی تھے۔ ۶ سو سے زائد وہ حضرات تھے جنہیں فتح مکہ اور صلح حدیبیہ میں شرکت کی سعادت میسر آئی تھی...... یہی لشکر تھا جس نے قادسیہ کا عظیم معرکہ جیتا اور ایرانی سورما پر فتح حاصل کی...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ اس عظیم معرکہ کے ہر لحظہ بدلتے حالات کو باقاعدہ نگاہ میں رکھتے...... انہیں مسلسل ہدایات دیتے رہے کہ اب اس رخ پر جاؤ اور اب فلاں رخ پر...... اسی طرح مختلف مقامات کے حوالہ سے جنگی حکمت عملی کی ہدایات دیتے تھے...... مختلف محاذوں پر کس طرح اقدام کرنا ہے، اس کے لیے احکامات بھیجتے رہے...... گویا وہ برابر ساتھ چل رہے ہیں...... یہ حال تھا۔

ایک خط...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف...... اس سے جنگی محاذ کے اہتمام کا پتہ چلتا ہے...... آپ کی گویا عملی شرکت سامنے آتی ہے، آپ نے کیا حکم دیا کس بات سے روکا...... اور کیا وصیت کی؟

"اما بعد...... جو مسلمان آپ کے ہمراہ ہیں، ان کے ساتھ ایران کی طرف بڑھیں...... اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اپنے ہر معاملہ میں اس کی ذات سے مدد طلب کریں...... یاد رکھیں کہ جن سے آپ کا معاملہ پڑے گا، وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں، ان کی تیاری زبردست ہے، لڑائی شدید اور مقام ایسا جو بہت مضبوط ہے...... قادسیہ پر پہنچ جاؤ...... یہ مقام ایران کا گویا پھاٹک ہے...... ایسی جگہ جو بڑی مرغوب ہے سرسبز، قلعہ بند، اس میں بڑے محفوظ ذخائر اور خزانے تھے اور زبردست نہریں...... تو آپ کا رخ ان لوگوں کی طرف ہونا چاہیئے جو نقاب پوش ہوں...... خوب مسلح...... لوگوں کو محفوظ ٹھکانوں اور جنگی مقاصد کے لیے تعمیر کردہ مورچوں میں رکھو...... پھر اپنے ہیڈ کوارٹر کو لازم پکڑ لو، اگر وہ تمہارے لیے مشکلات پیدا کریں اور آپ کو اجتماعی طور پر نشانہ بنائیں...... اور نشانہ بنانے والے گھڑ سوار بھی ہوں اور پیدل بھی...... تو تمہارے صبر آمیز رویہ، لڑائی کے لیے سرگرمی اور امانت داری کے احساس کے سبب مجھے تمہاری فتح کا یقین ہے...... اس کے بعد وہ اس طرح تمہارے مدمقابل آسکیں گے...... مجبوراً

Marfat.com

انہیں ایسا کرنا پڑا تو بے دلی سے ایسا کریں گے...... دوسرا لشکر آئے گا تو مضبوط مورچے تمہارے پشت پناہ ہوں گے، پھر تم انہیں بہت جلد اپنی زمین میں گھیر لو گے...... پھر ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا پلڑا بھاری ہوگا...... الحمد للہ میں ان حالات سے باخبر ہوں...... وہ ان حالات کے سبب بزدلی کا مظاہرہ کریں گے...... باقی نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ مجھے معلوم نہیں فتح کی گھڑی کب آئے گی اور تمہارے لیے میں بہتری کا امیدوار ہوں۔"

جس دن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے "شراف" سے کوچ کیا...... انہیں لکھا کہ:

"جب ایسا دن ہو تو لوگوں کو لے کر چل کھڑے ہونا یہاں تک کہ تم "تہذیب الہجانات" اور "تہذیب الوادس" پہنچ جاؤ، مرنا جینا لوگوں کے ساتھ رکھو۔"

ایک اور خط میں لکھا:

"اپنے دل کو ثابت قدم رکھو...... فوجیوں کو نصیحت کرو...... صبر اور صبر...... لازم و بہتر ہے...... اللہ تعالیٰ کی مدد کا تعلق انسانی نیتوں پر ہے۔ جس مہم میں آپ ہیں۔ اس میں احتیاط اور غایت درجہ احتیاط کی ضرورت ہے...... تم چونکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہو اس لیے اسی سے عافیت طلب کرو لاحول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم...... کا ورد کثرت سے جاری رکھو...... ان کی افواج جہاں تک پھیلی ہیں۔ انہیں لکھ کر (ہدایت کا) سامان کرو، خاص طور پر وہ دستے جو تمہارے متصل مقام سے ہیں...... میں جو لکھنا چاہتا ہوں، اس سے اس لیے رک گیا ہوں کہ مجھے پوری طرح معلوم نہیں کہ تم نے اس وقت کہاں ہجوم کر رکھا ہے اور یہ کہ دشمن کا معاملہ کیا ہے......؟ مسلمانوں کے ٹھکانوں سے ہمیں مطلع کرو اور اس شہر سے بھی جو تمہارے اور مدائن (ایرانی دارالحکومت) کے درمیان...... اس طرح نقشہ کھینچو کہ میں گویا اسے دیکھ لوں۔ اپنے جملہ معاملات مجھ پر واضح کرو...... اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس سے امید کرم رکھو...... یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے امداد کا وعدہ کیا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ کہیں تم سے پھر نہ جائے اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے لے۔"

Marfat.com

حضرت سعد رضی اللہ عنہ مہینہ بھر دشمن کی حرکات کا انتظار کرتے رہے...... انتظار لمبا ہو گیا تو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''دشمن قوم ہماری طرف متوجہ نہیں، نہ ہی شاید ان کا لڑائی کا ارادہ ہے...... جونہی سامنا ہوگا ہم آپ کو تفصیل لکھیں گے، ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب فرماتے رہیں اور جونہی جنگ شروع ہوئی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا...... اور حضرت عمر نے انہیں لکھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ...... خبروں کی شدت سے انتظار فرماتے...... حتیٰ کہ صبح مدینہ سے نکل کر راہ میں کھڑے ہو جاتے، دوپہر ڈھلنے تک ہر آنے جانے والے سے پوچھتے۔ پھر واپس لوٹ جاتے...... قادسیہ کی فتح کی خوشخبری لے کر نمائندہ آیا تو وہ مدینہ واپسی سے قبل ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا۔

آپ نے اس سے پوچھا...... اللہ کے بندے...... تفصیل بتلاؤ اس نے کہا...... اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو ذلیل و خوار کیا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے چلے جا رہے تھے، اس سے باتیں کر رہے تھے...... وہ اونٹنی پر...... یہ پیدل...... اس لیے تیزی سے چلنے کی ضرورت محسوس ہوئی...... وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا...... یہاں تک مدینہ آ گیا...... لوگ امیر المومنین کہہ کر سلام عرض کرنے لگے...... (تو وہ گھبرایا)...... لیکن فرمایا:

''برادر! تم پر کوئی الزام اور دار و گیر نہیں۔''

اب تو فتوحات کا دروازہ کھل گیا، شہروں پر شہر فتح ہونے لگے...... ایک کے بعد دوسرا...... مال غنیمت کی بہتات ہوگئی...... اب دفتری سسٹم تیار ہوا، مردم شماری ہوئی اور ہر شخص کے لیے وظیفہ متعین ہوا...... ہجرت کے دوران سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے آخری...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''کسریٰ'' (حاکم ایران) کا تاج اور سونے کے کنگن پہننے کی خوش خبری دی...... تو اسی موقعہ پر اس بشارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سامنے آئی کہ یہ سامان حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ لگا...... لیکن انہوں نے اجتماعی فنڈ میں دے دیا اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء سے راضی ہو۔

Marfat.com

شام کی فتح

شام کی فتح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شروع ہو چکی تھی، بعض جوانان ذی قدر...... مثلاً حضرت شرجیل بن حسنہ، حضرت یزید بن ابی سفیان الاموی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی قیادت میں مختلف لشکروں کا اہتمام کیا گیا...... ان کے سرخیل سیدنا ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے...... حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جو عراق میں تھے...... انہیں بھی شام کا رخ کرنے کے لیے فرمایا جب معلوم ہوا کہ رومی فیصلہ کن معرکہ کے لیے جمع ہو رہے ہیں...... حضرت خالد چل نکلے اور یرموک میں آ کر اسلامی لشکر سے مل گئے، دیکھا کہ اب لوگ الگ الگ لشکروں کی شکل میں مصروف عمل ہیں...... ایک ایک امیر ہر ایک کے ساتھ ہے۔ تعاون باہمی جاری ہے، جناب خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اجتماعیت لازم ہے جس کی کمان ایک ہی قائد کے ہاتھ میں ہو...... امراء روزانہ باری باری بدلے جائیں، عرض کیا کہ پہلے نمبر پر مجھے خدمت کا موقعہ دیا جائے، سب حضرات راضی ہو گئے اور انہیں امیر بنا دیا۔

خالد رضی اللہ عنہ نے لشکر کی قیادت سنبھال کر مہم جوئی کا آغاز کیا اور لڑائی کی ابتدا کر دی، لوگ گتھم گتھا ہو گئے، اسی اثناء میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آئی۔ ساتھ ہی یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے، انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کو کمان دار مقرر کر کے، خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کو ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل کر دیا۔ اس اچانک خبر سے کوئی فرق نہ پڑا...... خالد رضی اللہ عنہ بہادر تھے۔ ان کے نقوش قدم جنگ میں عجیب و غریب تھے لیکن مسلمان کسی اضطراب کے بغیر اگلے مرحلہ کے لیے تیار تھے...... فتح کے حالات سر پر تھے...... کہ بہت ہی قریب معاملہ ہے، خالد رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امارت ان کے سپرد کر دی اور دوران جنگ جو پیش آیا۔ اس سے انہیں مطلع کر دیا...... حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنا لشکر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ضم کر دیا، کمال درجہ خوشی کے ساتھ...... جذبہ اطاعت پوری طرح جوان تھا کہ ان کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رضامندی نہ تھی...... رب عمر رضی اللہ عنہ کی رضامندی تھی۔

Marfat.com

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی امارت میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے جو خطرہ تھا اس کا آپ نے بعد ازاں اظہار فرمایا...... کہ نوجوان اس فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے کہ نصرت و کامیابی خالد رضی اللہ عنہ کے سبب ہے...... آپ نے چاہا کہ لوگ عملاً سمجھ لیں کہ کامیابی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے...... کسی شخص کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کو یرموک کی کامیابی کی خبر ملی تو حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شام کے باقی علاقے فتح کرنے کی تدبیر کریں۔

ایک گرامی نامہ یہ ہے:

"امابعد! ابتداء دمشق سے کرو، اس کا معاملہ برابر کردو کہ یہ شام کا دروازہ ہے اور دارالحکومت، اہل فحل تمہیں اپنے جی دار گھڑ سواروں کے دستہ کے ساتھ مشغول کریں گے اس طرح فلسطین اور حمص والے اگر یہ علاقے دمشق سے پہلے فتح ہو جائیں...... اللہ تعالیٰ ایسا کر دے...... تو ہمیں خوشی ہوگی، اگر ان کی فتح میں تاخیر ہو جائے...... حتیٰ کہ دشمن فتح ہو جائے تو دمشق میں اتر جائیں...... ٹک جائیں وہ لوگ جو ایسا پسند کریں...... باقی آپ اور باقی امراء جا کر فحل کا معاملہ برابر کریں، اس کی فتح پر آپ اور خالد رضی اللہ عنہ حمص کا رخ کریں اور شرجیل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اردن اور فلسطین کے لیے چھوڑ دیں۔"

حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے ہر معرکہ میں کامیابی دی اور شام کے شہر ایک ایک کر کے فتح ہو گئے...... اور مملکت اسلامیہ کا حصہ بن گئے۔

فتح بیت المقدس

حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ نے ۴ ماہ مسلسل بیت المقدس کا محاصرہ کیا انہیں شدید مزاحمت کا سامنا تھا...... آپ نے برابر صبر سے کام لیا...... حتیٰ کہ بیت المقدس کے باسی تنگ آ گئے، ان کے لیے یہ صورت حال...... محاصرہ...... پریشان کن تھا...... مذہبی قیادت کی طرف انہوں نے توجہ کی اور اپنے حالات ان کے سامنے رکھے۔ ان سے درخواست کی کہ مسلمانوں سے براہ راست رابطہ کریں اور معلوم کریں کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟

حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مذاکرات کے بعد طے ہوا کہ خلیفۃ المسلمین آئیں گے کہ بیت المقدس کی چابی ان کے سپرد کر دی جائے گی، اور یہاں کے لوگ جزیہ بھی دیں

Marfat.com

گے...... حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ نے خلافت کو لکھا کہ مذہبی قیادت سے یہ گفتگو ہوئی اور آپ تشریف لائیں تاکہ خونریزی بند ہو اور محاصرہ انتہا کو پہنچے...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور مشورہ کیا...... فیصلہ ہوا کہ وہ بیت المقدس تشریف لے جائیں۔

...... وہ روائتی انداز سے سفر کے لیے نکلے...... نہ تکلف نہ تکبر۔ مشہور ہے کہ ان کے لباس میں ۱۴ پیوند تھے، بعض چمڑے کے تھے...... ایک اونٹ پر سوار بیت المقدس کی طرف چل نکلے...... بیت المقدس پہنچنے سے قبل مسلم لشکروں کے امراء سے واسطہ پڑا، انہوں نے لباس تبدیل کرنے اور سواری کا جانور بدلنے کی درخواست کی تاکہ دشمنوں کے دل میں انکی ہیبت ورعب پیدا ہو سکے کہ وہ اپنے حکمرانوں کی طرف سے ایسے ہی عادی ہیں...... ابتداء میں آپ متفق ہو گئے، سفید لباس زیب تن فرمایا، روئی کا رومال کندھے پر رکھ لیا، ایک تیز طرار گھوڑے پر سوار ہو گئے، سوار ہوتے ہی گھوڑے نے حسن سیرت و رفتار کا مظاہرہ شروع کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سب دیکھا تو جلدی سے اتر پڑے اور فرمایا:

> ''میرا بوجھ کم کرو، اللہ تعالیٰ صبح قیامت تمہارا بوجھ کم کرے...... اس لباس اور سواری سے تمہارے امیر کے دل میں ایک طرح کا عیب و تکبر پیدا ہو گیا، یہ تو ہلاکت کی بات ہے...... یہ سفید لباس مجھے برباد کر دے گا......''

چنانچہ سابقہ لباس زیب تن فرما کر لشکر سمیت چل نکلے...... بیت المقدس پر نظر پڑی...... بارگاہ ربوبیت میں عرض کیا:

> ''اللہ اکبر! بار الہ! اس کی فتح آسان فرما دے اور اپنی بارگاہ سے فیصلہ کن مدد نصیب فرما۔''

آپ اور حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ قائدین بیت المقدس نے دیکھا خوب سمجھ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی باہر آ کر انہوں نے معاہدہ میثاق اور ذمہ داری سے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ان کی ہر خواہش پوری کر دی۔ چابی سپرد ہو گئی۔ دس دن قیام رہا ایک مسجد تعمیر فرمائی جو بعد میں مسجد عمر کے نام سے موسوم ہوئی۔ بیت المقدس کے پادری نے ''الصخرہ'' نامی جگہ کی طرف اشارہ کیا وہاں سے گندگی ہٹا کر صفائی کر کے اس کے سامنے مسجد اقصیٰ بنائی گئی۔ یہ ۱۵ ہجری کی بات ہے۔

Marfat.com

آپ کی فقاہت کا کمال تھا کہ آپ نے ان کے مذہبی عبادت خانوں میں سے کسی میں نماز نہ پڑھی باوجود یکہ ان کی مذہبی قیادت کی خواہش تھی...... لیکن آپ نے فرمایا آج عمر نے نماز پڑھ لی تو مسلمان اس جگہ کو مسجد بنالیں گے کہیں گے کہ عمر نے نماز پڑھی تھی اس کا نقصان عیسائیوں کو ہوگا سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس میں داخل ہونا خون ریزی کا بند ہونا، معاہدہ کی کتابت، یہ سب باتیں آپ کے لیے فتح مبین اور زبردست فضیلت کا باعث ہیں اس معاہدہ کا ایک حصہ درج ہے تا کہ ساری صورت حال نکھر جائے اور مسلمان معلوم کر سکیں کہ ان کی عزت اسلام...... اور محض اسلام کے ساتھ ہے اور جو شخص کسی اور طرف سے عزت کا طالب ہوگا وہ انجام کار ذلیل ہوگا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' یہ وہ تحریر ہے جو اللہ کے بندے...... عمر امیر المومنین نے امان کے طور پر اہل ایلیاء کو لکھ دی ان کی جانوں کے لیے امان، مالوں کے لیے عبادت گاہوں کے لیے ان کی صلیبوں کے لیے...... وہ کسی حال میں ہوں اور ان کی ساری ملت کے لیے!

ان کے عبادت خانے سکونت کے لیے استعمال ہوں گے نہ انہیں گرایا جائے گا نہ ان سے جگہ کم کی جائے گی نہ ہی اور کسی طرح نقصان کیا جائے گا۔ اسی طرح ان کی صلیبیں ان کے اموال، ان کا نقصان نہ ہوگا۔ وہ اپنے دین کے معاملہ میں جو پسند نہیں کرتے وہ ان پر لاگو نہ ہوگا۔ ایلیاء میں کوئی یہودی کام نہ کر سکے گا۔ اہل ایلیاء کو اہل مدائن (ایرانی دارالحکومت) کی طرح جزیہ دینا ہوگا۔''

اس تحریر پر خالد بن الولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم نے گواہی کے طور پر دستخط فرمائے۔

فتح مصر

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے شہروں کو دیکھا...... طاعون کے واقعہ کے بعد...... یہ سفر وہاں کے اموال کی تقسیم کے سلسلہ میں تھا۔ تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی...... کہ انہیں مصر کا رخ کرنے دیا جائے۔ اس کی فتح سے مسلمانوں کی قوت بڑھے گی۔ تعاون کی راہیں کھلیں گی۔ کہ یہ ملک مال کے اعتبار سے بہت بڑھ کر ہے۔ اور وہ لوگ جنگ وقتال سے عاجز ہوں گے۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے...... فرمانے لگے کہ یہ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہے۔ نئے نئے فتح ہونے والے مقامات میں ابھی ان کے قدم صحیح طور پر جمے نہیں ان کے لشکر شام، عراق اور آرمینیا میں بکھرے ہوئے ہیں جب کہ بہت سے طاعون کے سبب مر گئے۔

لیکن حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ برابر فتح مصر کے لیے ترغیب دیتے رہے، عرض کرتے رہے کہ اس کی فتح بہت آسان لیکن فوائد بہت زیادہ ہیں...... حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی بات مان گئے انہیں سفر کی اجازت دے دی...... سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے وہاں آتے جاتے تھے۔ اس لیے اسلام سے قبل بھی وہ اس سرزمین سے واقف تھے آپ ۴ ہزار لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے، ایک ایک شہر کا باری باری محاصرہ کیا، بعض صلح سے اور بعض جنگ سے فتح ہو گئے...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی بار خلافت سے مدد طلب کی، آپ نے ہر بار ان کی درخواست پوری کی لشکر ارسال کیے جن میں بڑے بڑے صحابہ بھی تھے...... ایک مرتبہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا:

> میں شہ سواران عرب کی وہ جماعت بھیج رہا ہوں جن میں سے ایک ایک سو سو شہ سواروں کے برابر ہے...... خط ملنے پر لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیں، جہاد پر انہیں ابھاریں، صبر کی تلقین کریں اور جمعہ کے دن زوال سورج کے وقت جہاد کے لیے گڑگڑا کر دعا مانگیں کہ اس میں ایک گھڑی ایسی ہے جب دعا لازماً قبول ہوتی ہے۔"

وہ شہ سوار جن پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناز تھا۔ ان میں الزبیر بن العوام، المقداد بن الاسود، عبادۃ بن الصامت اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم جیسے لوگ تھے...... حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جونہی کوئی شہر فتح ہوتا تو دربار خلافت میں بشارت بھیج دیتے اور شہر کی پوری کیفیت لکھ دیتے، حتیٰ کہ مصر کی فتح مکمل ہو گئی اور وہ مملکت اسلامیہ کا حصہ بن گیا۔

سیدنا الفاروق رضی اللہ عنہ سفر آخرت پر زخمی ہوتے ہیں

مملکت اسلامیہ خوب پھیل گئی، آبادی بڑھ گئی، سامان ضروریات کی کئی قسمیں سامنے آ گئیں...... تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے...... جو میسر آیا ہے...... ذہانت، خوشیاں، محنت وجد و جہد...... مملکت کے استحکام کا سامان کر

Marfat.com

دیا جائے، اس کے لیے قواعد طے ہو جائیں، معاملات طے پا جائیں...... دستوری ڈھانچہ بن جائے...... یہ کام خود کریں یا ذمہ دار لوگوں کے تعاون سے کریں...... ایسا بھی نہ ہو سکے تو دوسری صف کے مخلص حضرات، صحابہ، ان کے صاحبزادگان اور علم و فضل کی صفات کے متصف لوگوں کا تعاون کریں...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے، کتنا بڑا کام ہے، اس میں کتنی محنت مطلوب ہے، انہیں ڈر تھا کہ کوتاہی نہ ہو جائے اور ساتھ ہی محاسبہ کا ڈر...... فرماتے:

''میری خواہش ہے کہ اس طرح دنیا سے جاؤں کہ نہ مجھے کچھ ملے نہ مجھ پر کوئی بوجھ ہو۔''

کبھی عرض کرتے:

''الٰہی میری عمر زیادہ ہوگئی، قوت کم ہوگئی، رعایا پھیل گئی، مجھے اس طرح دنیا سے اٹھا لے کہ نہ تو میں ضائع ہوں نہ کسی الجھن و مصیبت کا شکار!''

ایک دعا یہ تھی:

''بار الہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما اور یہ سعادت تیرے رسول کے شہر میں میسر آئے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی...... شہادت دیار رسول میں میسر آئی...... اور دفن کی سعادت نبوت کے پڑوس میں...... رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ...... اہل شرک کو مدینہ منورہ میں آنے کی اجازت نہ دیتے...... باوجود یکہ وہ پھیل چکا تھا اور دارالحکومت بن چکا تھا، خلیفہ کی قیام گاہ تھی۔ اس میں عجائبات تھے اور نئے سے نئے معاملات...... ہاں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ...... والئ کوفہ...... نے ایک غلام کی اجازت چاہی اور عرض کیا:

''یہ شخص بہت ہی ماہر ہے، صنعت و کاریگری میں ایسا کہ مسلمانوں کو بہت فائدہ ہو، پتھر کا کام، نقش و نگاری کا کام اور بخاری کا کام خوب جانتا ہے...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔''

وہ مدینہ آ گیا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر ہر ماہ ایک سو درہم ٹیکس عائد کر دیا۔

Marfat.com

ایک دن وہ دربارِ خلافت میں آیا، شکایت کی معاوضہ بہت ہے...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا...... تمہارے کام کے پیشِ نظر یہ زیادہ نہیں...... وہ ناراضی کے عالم میں بڑبڑاتا ہوا چلا گیا...... چند دن بعد وہ گزرا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلایا اور اس سے فرمایا:

"تجھے یاد ہے تو نے کہا تھا کہ میں چاہوں تو تم میرے لیے آٹے کی چکی بنا دو گے؟"

اس نے غصہ اور ناراضی کے عالم میں توجہ کی...... آپ کے ساتھ کچھ اور حضرات بھی تھے...... اس نے کہا:

"جی ہاں، چکی بناؤں گا اور ضرور...... لوگ باتیں کریں گے، اس کا چرچا ہوگا۔"

وہ چلا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرکاءِ مجلس سے کہا...... یہ غلام مجھے ابھی دھمکی دے کر گیا ہے۔

چند دن گزرے...... حسبِ عادت آپ نمازِ فجر کے لیے تشریف لے گئے...... صفوں کے آگے کھڑے ہوئے تو اسی غلام نے دوہری دھار والے خنجر سے آپ پر شدید وار کیا...... بخاری میں ہے...... عمرو بن میمون...... رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں کھڑا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور میرے درمیان صرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے...... اس صبح جب آپ زخمی ہوئے، آپ کی عادت تھی کہ صفوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے لوگوں کی صفیں درست کرنے کی تلقین فرماتے جب صفوں کی درستگی کی تسلی ہو جاتی تو آگے بڑھ کر تکبیرِ تحریمہ کہتے...... سورۂ یوسف، النحل اور ایسی ہی سورتیں پڑھتے، پہلی رکعت میں...... لوگ پوری طرح مجتمع تھے کہ تکبیر (رکوع) کے بجائے فرمایا...... مجھے کتے نے قتل کر دیا یا فرمایا کھا لیا...... یہ اس وقت فرمایا...... جب اس نے وار کیا...... اس کے بعد وہ دوہرے سے دھار والا خنجر لہراتا ہوا بھاگا۔ حتیٰ کہ ۱۳ حضرات زخمی ہو گئے، جن میں سے سات شہید ہو گئے، اس شخص پر بڑی چادر تھی، جس میں وہ لپٹا تھا، اس نے پکڑے جانے کا خوف محسوس کیا تو اپنے آپ پر وار کر کے خود کو ختم کر لیا...... خودکشی کر لی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا...... جو لوگ تو قریب تھے انہوں نے حقیقتِ حال دیکھ لی البتہ مسجد میں دور تک پھیلے ہوئے لوگ ناواقف تھے کہ کیا

Marfat.com

ہوا......؟ ہاں یہ ہے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کی آواز نہیں آ رہی......انہوں نے ''سبحان اللہ، سبحان اللہ'' کے کلمات کہے...... امام بھول جائے تو ایسے کلمات کہے جاتے ہیں...... بہر حال حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مختصر نماز پڑھائی......نماز کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا...... دیکھو، یہ حرکت کس کی ہے......؟ وہ لمحہ بھر حالات کا جائزہ لے کر آئے اور بتلایا......حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے......فرمایا......اچھا، اللہ تعالیٰ اسے خوار کرے......میں نے اس ظالم کو بھلائی کی نصیحت کی......اس نے یہ سلوک کیا......ارشاد ہوا:

''ہر قسم کی تعریف وتوصیف کی مستحق ذات کا شکر کہ میری موت ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں ہوئی جو اسلام کا دعویدار ہو۔''

آپ کو اٹھا کر گھر لائے، لوگ ہمراہ تھے، اس سے قبل ایسی مصیبت سے لوگوں کو واسطہ نہ پڑا تھا......ایک نے کہا خیر ہو جائے گی......ایک نے کہا......زخم کاری ہے خطرہ ہے......انگور کا یا کھجور کا جوس لایا گیا......آپ نے پیا لیکن وہ ہضم نہ ہو سکا، دودھ لایا گیا تو وہ زخم کی راہ سے نکل گیا...... لوگ سمجھے کہ آپ چل بسے......راوی کے بقول ہم اندر گئے، لوگ آ رہے تھے اور آپ کی تعریف کر رہے تھے......آپ نے یہ سب سن کر کہا:

''میری محض اتنی خواہش ہے کہ میرا معاملہ برابر ہو جائے نہ کچھ لینے کا خواہش مند ہوں لیکن مجھ پر کسی کا کوئی مطالبہ بھی نہ ہو۔''

صاحبزادے......عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا، میرے ذمہ جو قرض ہے اسے دیکھو اور آلِ عمر کے مال سے ادا کر دو......آلِ عمر کے پاس مال نہ ہو تو بنی عدی بن کعب، (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ) سے سوال کرو......وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو قریش سے درخواست کرو اور کسی سے نہیں......اس کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ ان سے میرا اسلام عرض کر و عمر کا سلام کہنا......امیر المومنین کا نہیں......کہ اب میں امیر المومنین نہیں......ان سے سلام کے بعد عرض کرنا کہ عمر رضی اللہ عنہ......اپنے دونوں رفقاء (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن ہونا چاہتا ہے۔ وہ گئے، سلام عرض کیا، اجازت چاہی، ملنے پر اندر گئے تو وہ رو رہی تھیں......انھوں نے پیغام عرض کیا......ام المومنین نے فرمایا:

Marfat.com

''اس جگہ دفن کی خواہش تو میری تھی، البتہ آج جناب عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں۔''

صاحبزادے نے پلٹ کر اس بات کی اطلاع دی جو امیر المومنین کو غایت درجہ محبوب تھی...... فرمایا:

''غایت درجہ اللہ تعالیٰ کا شکر کہ مجھے وہ نعمت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دفن ہونا) میسر آئی جو میرے لیے سب سے بڑھ کر اہم ہے۔''

(تفصیلات بخاری میں)

صاحبزادے سے فرمایا...... عین دفن کے وقت باردگر ام المومنین سے اجازت لے لینا...... اب لوگ اندر جا رہے تھے اور وصیت کے متمنی تھے...... آپ نے چھ اشخاص طے فرما دیئے کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بنالو...... تفصیل اگلی فصل میں۔

فهو الخليفة!

زخمی ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت ہی درد کا شکار تھے...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...... امیر المومنین...... آپ کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر آئی اور آپ بہت خوب، وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے...... اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور معیت آپ کو میسر آئی، وہ بھی خوب خوب رہی، وہ گئے تو وہ بھی راضی تھے...... باقی حضرات سے بھی آپ کی صحبت و تعلق کی خوبی اپنی مثال آپ ہے۔ اب اگر مفارقت کا وقت آ ہی گیا تو وہ بھی سب راضی ہوں گے...... یہ گویا سامان تسلی تھا لیکن حقیقت سے بھرپور......

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان کا راضی جانا...... بہر حال مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اس کا احسان ہے...... باقی اس وقت کی بے قراری اور بے چینی...... تو اس کا سبب تیرے رفقاء ہیں (ایک ڈر کا احساس کہ معلوم نہیں میرا ان کے ساتھ کیا سلوک ہے اور کہیں زیادتی تو نہیں ہوئی اور یہ کہ ان کے ساتھ آخرت میں کیا ہوگا، اسی لئے فرمایا) اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے لیے پوری

Marfat.com

زمین کے ڈھیر برابر سونا ہوتو عذاب الٰہی کے آنے سے قبل اس کو صدقہ کر دوں کہ عذاب ٹل جائے۔"

اس پریشانی اور اضطراب میں ان کی توجہ مستقبل کے خلیفہ کی طرف ہوئی، بہر حال ان کی ذمہ داری تھی یا تو آپ کسی کو ذمہ داری سونپ دیتے یا بعد والوں پر ان کو چھوڑ دیتے...... دوسری شکل آسان تھی لیکن ڈر بھی تھا کہ لوگ اختلاف، جھگڑے اور فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں...... آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اگر میں خلیفہ نامزد کر دوں تو بھی حرج نہیں کہ جو مجھ سے بہتر تھے...... ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ...... انہوں نے ایسا ہی کیا...... نہ کروں تو بھی درست ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد نہیں کیا تھا۔"

پھر آپ اسی مسئلہ کی طرف متوجہ ہوئے...... آپ اختلاف سے بچنا چاہتے تھے...... تاہم ایسا طریقہ اختیار کیا کہ مطلق مسئولیت سے آپ بچ جائیں...... یعنی کسی خاص شخص کو نامزد کر کے اپنے کندھے پر بوجھ نہیں لیا، بلکہ چھ حضرات پر ذمہ داری ڈال دی...... اختیار انہیں دیا اور فرمایا:

"کہ ان سے بڑھ کر کوئی مستحق خلافت نہیں...... یہ وہ حضرات ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول دنیا سے گئے تو ان سے حتماً راضی تھے...... پس ان میں سے جس کو خلیفہ بنالیا جائے، وہی میرا خلیفہ۔"

وہ چھ اشخاص یہ ہیں:

"عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبدالرحمٰن بن عوف، طلعت بن عبیداللہ، الزبیر بن العوم اور سعد بن ابی وقاص...... رضی اللہ عنہ (یہ حضرات عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ باقی چار حضرات میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اس سے پہلے جوار الٰہی میں پہنچ چکے تھے...... چوتھے خود سیدنا عمر فاروق تھے...... رضی اللہ عنہم)

اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے لیے ساتھ لگا دیا...... لیکن بار خلافت اٹھانے سے منع فرما دیا۔ عام لوگوں کو وفات سے قبل وصیت فرمائی...... اور فرمایا:

Marfat.com

تمہیں کتاب الٰہی پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کی نصیحت کرتا ہوں، اس کی تابعداری کرتے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے...... مہاجرین، الانصار اور اعراب (دیہاتی مسلمان) کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت فرمائی۔“

اپنے بعد والے خلیفہ سے فرمایا، سب سے فرمایا کہ جو بن جائے اس کے لیے ہدایت یہ ہے:

”اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، مہاجرین اولین کے حق کا خاص طور پر خیال رکھنا، ان کی عزت و مقام کو پہچاننا...... الانصار...... جنہوں نے مسلمانوں کو ٹھکانا دیا اور ایمان کو بھی...... ان کے حق کا لحاظ رکھنا...... ان میں سے بھلائی کرنے والے کے احسان کو ماننا اور کسی سے زیادتی ہو جائے تو اسے معاف کر دینا...... دوسرے شہروں کے لوگوں کے ساتھ خیر و بھلائی کا سلوک کرنا کہ یہ لوگ اسلام کے لیے حصار، دشمنوں کے لیے سراپا غیظ اور مادی نعمتوں کا خزانہ ہیں...... ان سے وہی مال لیا جائے جو ان کی ضروریات سے بڑھ کر ہو اور وہ بھی ان کی خوشی اور رضا مندی سے!...... رہ گئے الاعراب، دیہاتی مسلمان، تو ان سے بھی خصوصی بھلائی کی وصیت فرمائی کہ اصل عرب یہی ہیں...... اصل آبادی دیہاتی ہوتی ہے اور اسلام کے لیے اصل مادہ اور بنیاد...... کے کھاتے پیتے لوگوں سے جو مال لیا جائے وہ انہی کے ضرورت مند لوگوں پر خرچ کیا جائے...... تمہیں اللہ تعالیٰ کے حق اور اس کے رسول کے حق کی ادائیگی اور پورا کرنے کی ہدایت کرتا ہوں...... لوگوں کو ان کی طاقت کے مطابق ہی مکلف کیا گیا ہے...... بعد میں آنے والے دشمنان دین سے تمہاری نبرد آزمائی جاری رہے!“

جن حضرات کو خلافت کے لیے نامزد کیا گیا...... چھ حضرات...... ان کو فرداً فرداً فرمایا کہ اگر وہ خلیفہ ہو جائے تو اپنے اعزہ کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کرے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”تمہیں موقعہ ملا تو میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم بنو ہاشم کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دو۔“

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اور باقی سب سے:

Marfat.com

''اس بات کی ہدایت فرمائی کہ نبی وصدیق کے جوار اور پڑوس میں دفن کے لیے بارد گرام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ حمیرا رضی اللہ عنہا سے اجازت لے لی جائے۔''

صاحبزادگان گرامی قدر سے فرمایا:

''عبداللہ! دیکھو جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھے جنازہ کی چارپائی پر اٹھا کر لے جانا اور اس حجرہ مقدسہ کے دروازہ پر رکھ دینا اور اس وقت اماں جی سے اجازت لینا، اگر اجازت مل جائے تو بہت اچھا ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔''

زخمی ہونے کے بعد ۳ دن آپ اس جہان رنگ و بو میں تشریف فرما رہے...... پھر اپنی روح اپنے خالق کے سپرد کر دی...... ہدایت فرمائی تھی...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت پر آپ کو حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کر دیا گیا...... یوں اس طرح کہ وہ اپنے رب سے راضی اور ان کا رب ان سے راضی پھر...... لوگ انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر دفن کی جگہ لے گئے...... مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ انہیں گویا آج ہر مصیبت سے دو چار ہونا پڑا...... بہر حال آپ کے دفن کے لیے اجازت لی گئی...... جس طرح آپ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و تکریم سے نوازا۔

فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم...... ورضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

چند سطریں!!

☆ نئے خلیفہ کے انتخاب سے قبل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے سے وفات تک کے عرصہ میں حضرت صہیب الرومی رضی اللہ عنہ نے...... جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے امامت صلوٰۃ کے فرائض انجام دیئے۔

☆ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ۲۳ھ کے آخری مہینہ...... ذوالحجہ کی ۲۶ تاریخ کو زخمی کیا گیا اور آپ تین دن بعد...... اس جہان فانی سے رخصت ہو کر سپرد لحد کیے گئے...... یہ یکم محرم ۲۴ھ کا دن تھا آپ کی عمر مبارک اس وقت ٹھیک ۶۳ برس تھی۔

Marfat.com

☆ آپ کی حکومت دس برس ۵ ماہ اور ۱۱ دن رہی۔

☆ آپ کی اولاد میں ۱۳ لڑکے لڑکیاں تھیں...... ان میں سے ایک ام المومنین سیدہ حفصہ سلام رضی اللہ علیہا ورضوانہ تھیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا...... جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ کی صاحبزادی تھیں...... اس نکاح کے لیے آپ نے فرمایا میں نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی طور پر سنا...... آپ ارشاد فرماتے:

> ہر عزیز داری...... اور خاندانی تعلق، جس کی بنیاد نسب پر ہو، کچھ اور سبب یا سسرالی تعلق...... سبھی صبح قیامت منقطع ہو جائیں گے، ہاں ان میں سے کوئی تعلق جو میرے ساتھ ہوگا، وہ منقطع نہ ہوگا۔"

بقول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ...... میرا نسبی تعلق تھا اور بھی سبب ہے...... کہ آپ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر تھے...... سو میں نے چاہا کہ ساتھ ساتھ سسرال کا تعلق بھی ہو جائے...... اس لیے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی سے رشتہ ازدواج کی تدبیر کی۔

☆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے...... آپ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے...... اور جنازہ کی چارپائی پر آپ کا وجود مقدس موجود تھا...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

> اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور ہی اپنے گرامی قدر احباب، محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق کے ساتھ ہوں گے...... کہ میں اکثر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا...... کوئی بات ہوتی تو آپ فرماتے:
>
> "پس میں گیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ...... داخل ہوا میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ...... نکلا تو میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ...... اسی لیے مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا انجام اپنے رفقا گرامی کے ساتھ کرے گا۔"

☆ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ...... نے اس دن فرمایا...... جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے...... کہ:

Marfat.com

''آج کا دن وہ ہے جب اسلام کمزور ہو گیا۔''

☆ حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی موت سے اسلام کو وہ گہرا زخم لگا ہے کہ قیامت تک اس کا مداوانہ ہو سکے گا اور نہ یہ زخم بھر سکے گا۔''

خلافت کا مسئلہ کیوں کر حل ہوا......اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد یہ مرحلہ کیسے انجام کو پہنچا......؟ اس پر ہم انشاء اللہ......اگلے حصہ میں......سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ...... ذکر کریں گے......رضی اللہ عنہم اجمعین والحمدللہ رب العالمین۔

خاتم الرسل والمعصومین محمد......صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

☆ میں اس شخص (عثمان) سے حیا نہ کروں جس سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ (البخاری......المسلم)

☆ ہر نبی کا جنت میں ایک مخصوص رفیق ہوگا، میرے رفیق عثمان ہوں گے۔ (الترمذی)

ابتدائیہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق اس تحریر کا احاطہ ہو جانے پر میرے سامنے وہ فتنہ آ گیا جو اس امام مظلوم کے دور آخر میں رونما ہوا......اور اس نے مجھے اس موضوع پر سوچنے پر مجبور کر دیا۔

پوری بحث و تحقیق کے بعد، فتنہ کے اسباب، اس کے نتائج اور اس کے ذمہ دار لوگوں کی نقاب کشائی ہوگئی اور یہ حقیقت الم نشرح ہوگئی......کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ضد میں جس شخص نے اس فتنہ کی بنیاد رکھی اور اسے بھڑکایا......وہ ایک یہودی تھا......''عبداللہ بن سبا''......ابتدا سے انتہا تک اسی فتنہ گر کی فتنہ گری نظر آتی ہے......اس ظالم کی حیثیت اور اس راستہ میں اس کی جدوجہد کا ذکر ہی طبیعت پر گراں ہے......اس کے ساتھ ایک محدود طبقہ تھا، ان لوگوں کا، جن کی اپنی حیثیت کچھ بال برابر نہ تھی......وہ محض خواہشات کے پجاری تھے، اس لیے گمراہی کا شکار ہو کر ہلاکت کی وادی میں جا گرے۔ تاہم میں نے یہ ضروری سمجھا کہ اختصار کے ساتھ حقائق کو سامنے لایا جائے تا کہ حقیقت نکھر کر سامنے

Marfat.com

آ جائے اور لوگ سچائیوں کی طرف رخ کر سکیں اور اگر وہ حقیقت حال کے متمنی ہوں تو اس پر غور و فکر کر سکیں۔

تفصیلات میں جانے سے قبل یہ ذکر کرنا لازم ہے کہ ''امام مظلوم و خلیفہ راشد کے دور میں جو ہوا وہ دشمنان اسلام کی ستم گری اور حاسدانہ رویہ تھا...... اس کے چند در چند پہلو اور چہرے ہیں اور دشمنوں کی دشمنی کے کئی اسباب ہیں...... تاہم دشمنی قدر مشترک ہے۔

یہ بات قابل حیرت نہیں کیونکہ جب بھی مسلمان ابھرے تو انہیں اس طرح کی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا...... تاہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ بات اس حد تک سامنے آئی کہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کو شدید دھچکا لگا اور ان کی وحدت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور اس عداوت نے ایسا رنگ جمایا کہ ایک ظالمانہ روش چل پڑی، جو ہر دور کے دشمنان دین و ملت کا ہتھیار ثابت ہوئی...... فریبی دھوکہ باز لوگ برسر پیکار رہے اور ارباب ہوا و ہوس ان کے قدم بقدم چلتے رہے۔ اس ساری صورت حال پر غور کرنے کے بعد جو بات سامنے آتی ہے...... وہ یہ ہے کہ:

> ''فتنہ کے پورے دور میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی مینارہ نور رہی...... صبر و استقامت کا پہاڑ...... بلکہ آپ کی ذات سے ہدایت کے فوارے پھوٹتے رہے''۔ یہ بات...... جو مبنی برحق ہے...... میں اس لیے کہہ رہا ہوں تاکہ جوانان ملت اسلامیہ کے دل اس امام برحق کی محبت سے سرشار رہیں اور ان کے سینوں سے غصہ اور کینہ دور ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام نے فتنہ کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن سعی کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی طرف سے مفوضہ ذمہ داریاں پوری کیں...... نہ کوتاہی کی نہ بزدلی دکھائی...... لیکن تقدیر الٰہی غالب ہو کر رہی اور ہونا تھا ہو کر رہا...... (برخود غلط اہل قلم اور سبائیت کے

Marfat.com

مکروہ جراثیم زدہ ارباب دانش بالخصوص محسوس کریں کہ ان کی گستاخی قلم اور گز بھر لمبی زبانیں، کیا گل کھلا رہی ہیں......کل صبح قیامت زبان چپ رہی تو بھی آستین کا لہو ضرور ٹپکے گا اور پھر رب عثمان کے سامنے کسی کا بس نہ چلے گا......اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی محبت وعقیدت سے ہم سب کو سرشار رکھے۔ آمین۔

✸✸✸

Marfat.com

ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

خاتم الرسل والمعصومین...... صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا۔

○...... میں اس شخص (عثمان) سے حیا نہ کروں جس سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ (البخاری، المسلم)

○...... ہر نبی کا جنت میں ایک مخصوص رفیق ہوگا میرے رفیق عثمانؓ ہوں گے۔ (الترمذی)

خاندانی و شخصی تعارف

اموی قریشی

عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ...... ان کا سلسلہ نسب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے جناب عبدالمناف سے جا کر مل جاتا ہے...... یہی حال والدہ کی طرف سے ہے ان کی والدہ ام حکیم ابیضا بنت عبدالمطلب، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی ہیں۔ تو گویا جناب عثمان رضی اللہ عنہ...... قریش کی محترم و معزز شاخ بنوامیہ سے تعلق رکھتے ہیں...... اور رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز۔

یمن کے بادشاہ ابرہہ کے مکہ معظمہ پر حملہ سے چھ سال بعد آپ طائف میں پیدا ہوئے...... اس طرح آپ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال چھوٹے ہیں۔

ان کی پرورش بھی وہیں طائف میں ہوئی، بہت ہی اخلاق حمیدہ کے مالک تھے، کہنا چاہیے کہ سراپا عفت اور سراپا شرم وحیا تھے، اسلام نے ان صفات کو اور بڑھا کر چار چاند لگا دیئے...... اسلام سے قبل ان کی کنیت ''ابوعمرو'' تھی...... رسول اقدس کی صاحبزادی سیدہ رقیہؓ سے شادی کے بعد جب آپ کے صاحبزادے ''عبداللہ'' پیدا ہوئے تو ان کی نسبت سے کنیت، ''ابوعبداللہ'' قرار پائی۔

آپ سراپا حسن و جمال تھے، چہرہ مہرہ انتہائی حسین، گندم گوں رنگ بال زیادہ، ستواں ناک، متناسب میانہ قد...... کہ نہ زیادہ لمبے نہ چھوٹے قد کے، اپنی قوم کے حوالہ سے علم الانساب میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا حسن مجالست میں آپ کا جواب نہ تھا، رہ گئے اخلاق تو اس کا اعتراف ہر کسی نے کیا۔ آپ اپنی قوم کے ایسے محبوب و ہردل عزیز تھے کہ یہ محبت ضرب المثل تھی...... آپ کی والدہ مخدومہ جب آپ کو لوری دیتیں تو کہتیں:

Marfat.com

''رحمٰن کی قسم میں تجھ سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کرتی ہوں جس طرح سارے قریش محبت سے پیش آتے ہیں''

آپ نے وراثت میں اپنے والد کی تجارت سنبھالی...... جناب عفان مشہور تاجر تھے...... بے پناہ مال کے مالک...... ایک تجارتی سفر میں ان کے انتقال کے بعد جناب عثمان رضی اللہ عنہ ان کے مال کے ہمراہ واپس ہوئے......اور پھر اس مال میں معاملات کی سچائی، مہارت اور حکمت سے بے پناہ اضافہ کیا...... وہی مہارت وحکمت جو اچھی تجارت کے لیے اور غنا اور تونگری کے لیے لازم ہے...... تجارتی دور میں ہی انہوں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا اور آپ کی امانت وصداقت اور حسن معاملات کو پہچانا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آپ کی طرف رجحان اور قبول اسلام کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا...... صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسلام کی آغوش میں

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق اکبر مسلمان ہو گئے تو انہوں نے ان احباب کو اسلام کی دعوت دینا شروع کی جن میں خیر وبھلائی کے آثار محسوس کیے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے جناب عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''عثمان رضی اللہ عنہ افسوس ہے...... تم ایک محتاط شخص ہو، حق و باطل کا معاملہ تم پر مخفی نہیں...... یہ بت، جنہیں تمہاری قوم پوجتی ہے، کیا یہ اندھے، بہرے اور پتھر نہیں؟ جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، نہ نفع ان کے ہاتھ میں ہے نہ نقصان......؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا...... بے شک معاملہ ایسا ہی ہے۔ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... یہ محمد بن عبداللہ...... صلی اللہ علیہ وسلم...... ایسے شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے...... نہ صرف ہماری طرف بلکہ ساری کائنات کی طرف...... کیا مناسب نہیں کہ تم ان کے پاس چلو اور ان کی باتیں سنو؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا...... ضرور...... اسی اثناء میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں وہ گفتگو عرض کی جو ان کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی...... ان کا جواب اور پسندیدگی کا اظہار، سبھی باتیں عرض کریں...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

Marfat.com

''عثمان رضی اللہ عنہ......کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی بشارت ہے، اس کی طرف لپکو، میں تمہارے لیے اور ساری کائنات کے لیے اللہ کا رسول ہوں''

جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے جب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور معاً ہی بول اٹھے:

''میں اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور آپ کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہوں''۔

جناب عثمان رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت افراد میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا، بلکہ فی الحقیقت بالغ آزاد مردوں میں وہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے شخص ہیں......ان کے بعد رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جو سعادت مند حضرات آئے، ان میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت الارقم بن الارقم (جن کا گھر پہلی درس گاہ نبوی تھی) حاضر ہوئے رضی اللہ عنہ......پھر لوگ آتے رہے اور کسی درجہ میں خوفناک ماحول میں دعوت نبوت قبول کرتے رہے حتیٰ کہ ان کی خوش قسمت افراد کا قافلہ چالیس تک پہنچ گیا۔

عثمان رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا......اور راہ حق میں مصائب برداشت کئے، صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب لوگوں کو جنت اور ہر طرح کی کامیابی کی بشارت دی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد خاموشی سے بیٹھ نہیں گئے...... بلکہ وہ اسلام کے داعی بن گئے اور اپنے مال کو خدمت اسلام میں خرچ کرنا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی پرواہ نہیں کی ان کی والدہ مخدومہ، تھوڑے ہی عرصہ بعد مسلمان ہو گئیں......ساتھ ہی ہمشیرہ آمنہ بنت عفان اور ام کلثوم بھی......پھر کچھ عرصہ بعد باقی بہنیں اور اعزہ بھی اس نعمت سے مشرف ہو گئے......رضی اللہ عنہم وعنہن۔ ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی ان سے شادی کر دی۔ یہ بہترین جوڑا تھا......نبی مکرم نے اپنی صاحبزادی کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اپنے میاں کی خوب عزت وتکریم بجالاؤ کہ میرے صحابہ میں یہ سب سے بڑھ کر مجھ سے مشابہ ہیں''

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ......مہاجر فی سبیل اللہ

عثمان رضی اللہ عنہ ہی نہیں بعض دوسرے زعماء بھی مسلمان ہو گئے......تو قریش کی آنکھیں کھلیں، ایک نیا عہد انہیں نظر آنے لگا اور انہیں محسوس ہونے لگا کہ ان کی چودھراہٹ اور ان کے معبود سبھی کچھ خطرات کی زد میں ہیں اس لیے انہوں نے کھلی جنگ کا اعلان کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ سابقہ طریق پر واپس آ جائیں...... اس کے لیے کبھی تو وہ لوگوں کو تکلیف دیتے کبھی دھمکاتے......کبھی ان کی تجارت میں رخنہ ڈالتے۔

عثمان رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنہیں راہ حق میں مصائب سے دوچار ہونا پڑا......اور یہی حالات ہجرت کا باعث وسبب ہوئے......روایت ہے کہ ان کے چچا الحکم بن ابی العاص نے قبول اسلام کے بعد انہیں رسی سے باندھ دیا اور کہا:

"تم اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین کے چکر میں پڑتے ہو، بخدا! تمہیں آزاد نہ کروں گا جب تک تم نئے دین کو چھوڑ نہ دو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا......رب حقیقی کی قسم! ایسا کبھی نہ ہوگا اس دین کو چھوڑوں ممکن نہیں۔

الحکم نے یہ استقامت دیکھی تو مجبوراً جناب عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا......لیکن اس کے بعد بھی تکلیف وایذا اور ٹھٹھہ ومزاح سے ان کی خلاصی نہ ہوئی......اس لیے انہوں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ اپنی اہلیہ......سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہا سمیت ہجرت کر جائیں، ایسی جگہ جہاں وہ ان کے اہل خانہ اور سب سے بڑھ کر ان کا دین محفوظ ومامون ہو...... چنانچہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی:

"آپ نے مناسب تیاری کی، زاد سفر کا اہتمام کیا، اپنی اہلیہ اور والدہ محترمہ (جو مسلمان ہو گئی تھیں) سمیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کے لیے ہجرت کر گئے"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تشریف لے جانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق ان کے متعلق خبر نہ تھی کہ وہ طے شدہ مقام پر پہنچے یا نہیں اور ان کے حالات کیا ہیں؟......تا آنکہ ایک

Marfat.com

خاتون حبشہ سے آئیں، رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تو اس نے بتلایا کہ اس نے ذاتی طور پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل خانہ سمیت وہاں دیکھا ہے کہ وہ وہاں مقیم ہیں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو..... عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل خانہ سمیت ہجرت کی۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حبشہ تشریف لے گئے..... آپ اس سلسلہ میں پہل فرمانے والے تھے، بعد میں اور بہت سے مسلمان وہاں پہنچ گئے..... کہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہاں اطمینان و امن کی کیفیت ہے..... گویا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا دروازہ وا کیا اور اپنے اہل خانہ سمیت سب سے پہلے اس وادی کو قطع کیا۔ ایک مناسب جگہ کا اہتمام کرنا اور وہاں کی صحیح اور پرامن صورت حال سے مطلع کرنا آپ ہی کا کام تھا۔

حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ تک آپ حبشہ میں مقیم رہے۔ ہجرت رسول کے بعد آپ فی الفور مدینہ تشریف لے گئے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور آپ کے ساتھ امن و امان کی فضا میں زندگی گزارنے لگے۔ مکہ کے پریشان کن حالات کے بعد اب آ کر سکون کا موقعہ میسر آیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے کئی سال کی غیبوبت کے بعد اپنے والد بزرگوار سے ملنے کی سعادت حاصل کی، لیکن آہ! کہ وہ اپنے ابا حضور اور اپنے میاں کے ساتھ زیادہ عرصہ مدینہ منورہ میں زندہ نہ رہ سکیں بلکہ جس دن مسلمان عنایت الٰہی سے بدر سے کامیاب و کامران واپس آئے، سیدہ کی لحد تیار ہو رہی تھی جیسا کہ آگے آئے گا۔

جنت کی خوشخبری

یہ بات بالکل طے ہے کہ آپ ان خوش نصیب حضرات میں سے ایک ہیں جنہیں واضح طور پر جنت کی بشارت دی گئی..... اس سلسلہ میں متعدد احادیث منقول ہیں..... مثلاً سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کہ نبی مکرم ایک باغ میں داخل ہوئے، اس کے دروازے پر مجھے پہرے کا حکم فرمایا..... اسی اثناء میں ایک صاحب تشریف لائے اور اندر جانے کی اجازت طلب کی تو نبی مکرم نے فرمایا:

Marfat.com

''انہیں اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی دو! وہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر دوسرے صاحب تشریف لائے اور اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا:
انہیں بھی اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی...... وہ جناب عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر تیسرے صاحب تشریف لائے اور اجازت طلب کی...... نبی مکرم لمحہ بھر کو (پریشانی کے سبب) خاموش رہے پھر فرمایا:
انہیں بھی اجازت دے دو اور ساتھ ہی جنت کی بشارت...... بھی ایک ایسی مصیبت پر جن سے انہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رضی اللہ عنہ تھے''۔ (البخاری، المسلم)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے...... ساتھ ہی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے...... پہاڑ لرزنے لگا تو آپ نے زور سے اپنا پاؤں مارا اور فرمایا:

''سکون کی راہ اختیار کرو کہ تم پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔'' (البخاری)

جب اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرف سے ان کے لیے شہادت ثابت ہوگئی تو اس کا لازمی نتیجہ جنت ہے...... اسی طرح اور بھی بہت سی روایات ہیں، جن سے ان کے لیے شہادت ثابت ہوتی ہے اور جنت کی خوشخبری...... یہ بات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی فضیلت اور شرف ومجد کا باعث ہے...... رضی اللہ عنہ

***

Marfat.com

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

میدان جہاد میں رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک نئی زندگی کی ابتدا ہوئی، ان کے اخلاق عالیہ اور جودوکرم کا خوب خوب ظہور ہوا، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت کیا تھی، اس کا نظارہ دنیا نے کیا...... پیغمبر کی محبت و شفقت اور آپ کی دعائیں بار باران کے حق میں ظاہر ہوئیں...... اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اذنِ الٰہی سے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں دے دی...... اسی وجہ سے آپ ''ذوالنورین'' کہلائے۔

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ ارتحال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کردار ایک ثابت قدم شخص کا کردار ہے۔ شیخین...... سیدنا صدیق و فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد تیسرا نمبران کا ہے...... ہر معاملہ میں ان سطور میں غزوات نبوی کے حوالہ سے ان کے کردار کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

غزوہ بدر الکبریٰ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی ہجرت حبشہ کے بعد رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس سوچ میں رہے کہ وہ کون سی جگہ ہو سکتی ہے۔ جو دعوت اسلام کے لیے مناسب ہو......؟ آخر نبوت کی نگاہیں ''یثرب'' پر ٹک گئیں...... المدینۃ المنورۃ زادہا اللہ تعالیٰ شرفا...... چنانچہ آپ اور آپ کے رفقاء اس شہر کی طرف متوجہ ہوئے...... آپ کی ہجرت گویا ایک نئے دور کا آغاز تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ محمود و مسعود خبر حبشہ ہی میں سنی، چنانچہ آپ اور آپ کی اہلیہ...... سیدہ رقیہ...... بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ کی طرف چل کھڑے ہوئے اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے...... ایک طویل عرصہ کے بعد ملاقی ہوئے، نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت درجہ

Marfat.com

محبت اور شفقت سے اپنے فرزند نسبتی اور اپنی بیٹی کو خوش آمدید کہا......اب جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس نئی بستی کی آبادکاری میں بھرپور جدوجہد شروع کر دی اور اپنی دولت وطاقت اور ہر امکانی طریق سے اس کا دفاع کرنا اپنا فرض قرار دے دیا۔

غزوہ بدر کی تمہید بننے والے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کے لیے، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء کو ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شدت سے اس میں شرکت کے متمنی تھے......لیکن چونکہ ان کی اہلیہ شدید بیمار تھیں، اس لیے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاج و تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ میں قیام کا حکم دیا......سبب یہ تھا کہ ان کی بیماری شدید تھی...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر چند مدینہ منورہ میں اس موقعہ پر رہنا پسند نہ کرتے تھے لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ بات بڑھتے بڑھتے بدر کی لڑائی تک جا پہنچی......اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں مسلمانوں کو فتح ونصرت سے نوازا، انہیں مال غنیمت میسر آیا اور مسلمان ہنسی خوشی مدینہ منورہ واپس لوٹے......مدینہ میں موجود مسلمانوں نے ان کا خوب خوب استقبال کیا......استقبال کرنے والوں میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن قافلہ اسلام کے لیے ان کی خوشی خالص نہ تھی بلکہ اس میں غم کی شدید آمیزش بھی تھی کیونکہ فتح ونصرت کی خوش خبری لانے والے نمائندے کی مدینہ منورہ آمد سے قبل ہی ان کی اہلیہ......بنت رسول......جوار الٰہی میں پہنچ چکی تھیں......اور جب خوشی ومسرت کی خبر انہیں ملی تو یہ اپنے مسلمان رفقاء سمیت اس مٹی سے ہاتھ جھاڑ رہے تھے، جو مٹی رقیہ......سلام اللہ علیہا ورضوانہ......کی قبر پر ڈالی گئی تھی۔

غنیمت کی تقسیم کے وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو......جنگ میں موجود لوگوں کی طرح برابر کا حصہ دیا گیا......رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسے ہی سمجھا جیسے جنگ کے شرکاء! چنانچہ انہیں غنیمت میں سے مال بھی ملا اور اجر کی خبر بھی......اور اسی پر اکتفاء نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے......اپنی دوسری اور بعض مصدقہ روایات کے مطابق سب سے چھوٹی صاحبزادی......سیدہ ام کلثوم......رضی اللہ عنہا کی شادی، ان سے کر دی[12]۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے دروازے پر...... بدر سے واپسی پر......رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے جناب عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

Marfat.com

''عثمان رضی اللہ عنہ! یہ جبریل امین علیہ السلام ہیں...... مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم سنا رہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی...... ام کلثوم...... کا نکاح انہی شرائط پر تمہارے ساتھ کردوں، جن شرائط پر...... اپنی رقیہ...... کا نکاح تم سے کیا تھا۔''[۲۸]

احد وحنین کے معرکے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے سوا کسی غزوہ سے غیر حاضر نہیں رہے...... بدر کی غیر حاضری کی تفصیل پچھلی سطور میں آ چکی کہ ایسا خود نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا کہ آپ کی اہلیہ...... بنت رسول...... بیمار تھیں...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہر اعتبار سے شرکاء بدر میں شمار کیا۔

انہوں نے ہر مرحلہ پر اپنی جان و مال سے شرکت فرمائی...... خاص طور پر ''جیش عسرۃ'' کے ضمن میں ان کی خدمت، بڑی عظیم ہے اور ان کے ماتھے کا جھومر، یہ صحیح ہے کہ مردان جنگ...... جیسے حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) حضرت خالد بن الولید اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ...... کی طرح ان کی اس میدان میں شہرت نہ ہوئی۔

اصل یہ ہے کہ ہر شخص کی خدمت کا اپنا دائرہ اور اپنے حالات ہیں اور یہ بھی طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک خاص دائرہ میں طاقت و ہمت بخشی اور مالک الملک نے ہر کسی کو اس کی ہمت کے مطابق ہی مکلف قرار دیا۔

پھر یہ بھی واضح ہے کہ لغزش، عزیمت کی کمی بیشی اور خوف و پریشانی ایسے عوارض ہیں جو کسی نہ کسی درجہ میں ہر شخص کو پیش آ سکتے ہیں اور بسا اوقات بعض سنگین حوادث ایک چنگے بھلے انسان کو بے ہمت بنا دیتے اور وہ خاص قسم کے حالات سے دوچار ہو جاتا ہے...... ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہی ایسا ہو یا ایسے حالات دائمی ہوں...... وقتی معاملہ بھی ممکن ہے...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جو حال ہوا...... وہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے...... انہوں نے تلوار نیام سے نکال لی اور اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی، مر جائیں؟ ممکن نہیں، وہ تو ایسے ہی اپنے رب کے پاس گئے جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام چالیس دن غائب رہے (تفصیل قرآن عزیز کی سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۲ اور بعد کی آیات میں ملاحظہ

Marfat.com

فرمائیں)...... اللہ کی قسم...... حضور اقدس ضرور واپس آئیں گے، جیسے موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے...... اسی طرح کے اچانک واقعات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو زندگی میں بھی آئے...... محض دوبارہ...... احد کے موقعہ پر اور حنین کے موقعہ پر!

احد کا قصہ یہ ہے کہ وہ دوسرے صحابہ کرام کی طرح ابتدا میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں تشریف لے گئے، بھرپور شرکت فرمائی لیکن جونہی یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول شہید ہو گئے تو مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں...... اس موقعہ پر حضرت عثمان بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو اسلحہ چھوڑ کر مدینہ لوٹ گئے...... غمزدہ، پریشان حال...... وہ تنہا نہ تھے اور بھی بہت سے حضرات تھے...... یہ سجھائی نہ دے رہا تھا کہ کیا ہوا اور کیا کیا جائے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر ایک عظیم مصیبت اور ابتلاء تھی، جس نے ان بلانوشان محبت کو ہلا کر رکھ دیا...... اس مرحلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب پر مشتمل آیت کریمہ نازل ہوئی...... لیکن ساتھ ہی سنبھل جانے کے بعد عفو و درگذر کی بشارت بھی ملی۔

"جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن (احد کے دن) لڑیں دو فوجیں سو ان کو پھسلا دیا، شیطان نے ان کی کمائی کے سبب اور ان کو بخش چکا اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے، تحمل کرنے والا۔ (آل عمران: ۱۵۵)[۲۹]

رہ گیا غزوہ حنین کا معاملہ...... جس کی تفصیل قرآن عزیز کی سورۂ توبہ میں بکھری ہوئی ہے...... تو اس میں بھی آپ ابتدا میں باقی رفقاء کے ساتھ پوری طرح شریک تھے...... سوءِ اتفاق مخالفین کی شدید تیراندازی نے یہ مشکل صورت حال پیدا کر دی کہ ایک بڑی تعداد بکھر گئی لیکن کسی نے کسی پر ملامت نہیں کی حتیٰ کہ خود نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کو کچھ نہ کہا...... واقعہ یہ ہے کہ اس مرحلہ پر نبی کریم کے ساتھ بہت کم لوگ ثابت قدم رہے...... منتشر ہونے والے حضرات کے کانوں میں جونہی پیغمبر خاتم کی آواز پڑی۔

"لوگو! کہاں ہو؟ میری طرف آؤ...... میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔"

تو سب حضرات کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی پلٹ آئے اور غزوہ میں برابر شرکت کی اور نصرت الٰہی میں، توفیق الٰہی سے حصہ دار بنے لیکن بدنصیب و بدنہاد افراد جن کا ذہن فتنہ پروری کا ہے اور جو شر و فساد کی دنیا میں مگن رہتے ہیں...... اس طرح کے ہنگامی حالات و واقعات پر

Marfat.com

بدگمانیوں کے پل تعمیر کرتے اور صورت مسئلہ کو بگاڑتے اور حالات کی غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں...... مقصد؟......اس جماعت حقہ مقدسہ سے بیزاری اور دشمنی......لیکن اس گروہ وفا کے چہرے روشن اور ان کی جبین منور ہیں......اللہ تعالیٰ کی مقدس آیات اور پیغمبر معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نے ان کے قلب ونظر کی پاکیزگی اور ان کے چہروں کی نورانیت کو الم نشرح کر دیا...... بالخصوص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے نامہ عمل میں ''رومہ کے کنوئیں'' اور ''غزوہ تبوک کے عظیم مالی تعاون'' کے بغیر کچھ بھی نہ ہوتا تو ان کے فخر وابتہاج کے لیے یہی دو باتیں کافی تھیں...... کہ ان مواقع پر انہیں بڑی بشارتوں سے نوازا گیا...... تفصیل آئندہ سطور۔

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء نے مدینہ سے عزم سفر کیا......احرام کے لباس میں سبھی ملبوس تھے......مقصد عمرہ کی ادائیگی تھا لیکن مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو قریش نے اور ان کے حلیفوں نے راہ روکی، از رہ عناد قسمیں کھالیں کہ اللہ کے رسول ''بلد امین'' میں داخل نہ ہوسکیں گے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جذباتی فیصلہ کرنے کے بجائے غایت درجہ حکمت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے احباب کو (۱۴سو) انتظار کی تلقین کی۔

بدیل بن ورقا الخزاعی، مکرز بن حفص، الحلبس بن علقمہ (سید الاحابیش) اور عروہ بن مسعود سے برابر بات چیت ہوئی اور آپ نے انہیں سمجھانا چاہا کہ ہمارا مقصد لڑائی نہیں محض عمرہ ہے...... آپ نے بتلایا کہ بیت اللہ کی زیارت کا داعیہ لے کر ہم آئے ہیں، میرے احباب کو دیکھو کہ وہ عمرہ کے لباس میں ملبوس ہیں......اور یہ تمہارے سامنے قربانی کے جانور ہیں تاکہ انہیں حرم شریف میں ذبح کر کے اہل مکہ کی ضیافت کرسکیں۔

لیکن قریش کی ضد......توبہ توبہ......وہ برابر اڑے رہے کہ مکہ میں داخلہ ممکن نہیں......آخر رسول برحق نے مناسب سمجھا کہ اپنا نمائندہ مکہ معظمہ بھیج کر اکابر قریش کو مطمئن کیا جائے......چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ وہ مکہ جاکر اکابر مکہ کو سمجھائیں......وہ عرض کناں ہوئے:

> ''اللہ کے رسول! قریش میری جان کے دشمن ہیں، میرے قبیلہ بنو عدی کا کوئی شخص مکہ میں نہیں جو مجھے ان کے شر سے بچاسکیں، میری قریش سے عداوت

Marfat.com

ایک معلوم حقیقت ہے اور سابقہ دور میں میری سختیاں تاریخ کا حصہ ہیں......
میں ایسے دوست کی نشاندہی کرتا ہوں جو میرے مقابلہ میں اہل مکہ کے یہاں
زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ یعنی عثمان رضی اللہ عنہ۔

چنانچہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا تا کہ سردار بنی امیہ، ابوسفیان بن الحرب اور اکابر قریش سے بات کر کے انہیں سمجھایا جا سکے کہ ہم تو زائر حرم میں اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کے خواہش مند، ہم جنگ وجدل کے رسیا ہیں نہ اس مقصد سے آئے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حکم ومنشار سالت دیکھتے اور سنتے ہی چل کھڑے ہوئے..... مکہ جاتے ہی جناب ''ابان بن سعید'' کی پناہ حاصل کی (دو متحارب قوموں کے افراد ادھر ادھر جاتے تو یہی طریقہ اختیار کرتے) پھر جناب ابوسفیان کے پاس جا کر مدعا بیان کیا...... کہ انہیں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں بھیجا ہے؟...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی کہہ چکے تو انہوں نے کہا، تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کرلو...... لیکن آپ نے فرمایا:

''اس محبوب آقا کے بغیر میں کیوں کر طواف کر سکتا ہوں''

قریش نے ساتھ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا...... ایک طرح کی قید...... یہ بات مسلمانوں کے لیے وجہ اضطراب تھی...... ادھر خبر بھی مشہور ہوگئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے...... اللہ تعالیٰ کے نبی نے اس مبینہ خبر پر فرمایا:

''ان ظالموں سے نمٹے بغیر یہاں سے واپسی کا سوال ہی نہیں''

اور پھر تمام رفقاء کو بلایا کہ وہ بیعت کریں...... کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لیں گے یہ بیعت ایک درخت تلے ہوئی...... اسی لیے اسے بیعت الشجرہ اور بیعۃ الرضوان کہا جاتا ہے۔ (الفتح:۱۸)

موجود حضرات میں سے آخری شخص بیعت کر چکا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں پر رکھ کر فرمایا:

''اے اللہ...... یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے جو تیرے اور تیرے
نبی کے حکم کی تعمیل میں گیا ہے۔''

پھر خبر واضح ہوگئی کہ عثمان قتل نہیں ہوئے، قریش نے انہیں رہا کر دیا، وہ باعزت واپس آئے تو اللہ تعالیٰ کے نبی کی ان کی آمد پر خوشی دیدنی تھی، معا بعد سہیل بن عمرو آگئے اور اس صلح کی تکمیل ہوئی...... جسے صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

مدینہ منورہ کا دور راہ حق میں مالی ایثار صفت حیا اور ذوق عبادت

اب عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی بات نقصان نہ پہنچائے گی

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احباب کو ''غزوہ روم'' (جیش عسرہ، غزوہ تبوک، ایک ہی معنوں کے عنوان ہیں) کی تیاری کا حکم ارشاد فرمایا...... یہ دور صحابہ کرام کی شدید عسرت و تنگی معاش کا دور تھا، ادھر گرمی شدید اور معاملہ بڑا مشکل...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارباب ثروت کو توجہ دلائی کہ وہ بڑھ چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں...... اسی مرحلہ پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے پورے مال سمیت تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصف مال سمیت اور جناب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی بڑی مقدار میں مال لائے...... رہ گئے جناب عثمان رضی اللہ عنہ تو انہوں نے اتنا بڑا مالی ایثار کیا کہ ایسا کسی نے نہ کیا ہوگا...... وہ ۹۴۰ اونٹ ابتدا میں لائے، پھر ایک ہزار پورے کر دیئے اور ۶۰ گھوڑے۔

عینی گواہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''جناب عثمان رضی اللہ عنہ، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک ہزار دینار (سونے کا بہت قیمتی سکہ) آپ کے ہاتھوں میں انڈیل دیئے، اللہ تعالیٰ کے نبی اس پیسہ کو الٹ پلٹ کرتے رہے اور فرماتے رہے...... عثمان رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ تجھے مغفرت کاملہ و تامہ سے نوازے...... تیری ہر خطا، اعلانیہ اور کھلی اور جو قیامت تک ہو، اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔''

دوسری روایت میں ہے:

> ''ارشاد فرمایا: اس کے بعد کوئی عمل تمہارے لیے نقصان اور مضرت کا سبب نہ بنے گا۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اتنا بڑا مالی ایثار کر کے، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل کر لی اور آپ کی دعاؤں کے مستحق قرار پائے...... اور بلاشبہ وہ خوشنودی دعا اور تعریف کے مستحق تھے...... کہ آسانی و سکھ کے دور میں بھی مال خرچ کرنا انسان کے لیے ایسا سہل

Marfat.com

اور آسان نہیں چہ جائیکہ ایسی تنگی اور شدت کے وقت میں...... ایسے وقت میں تو انسان مستقبل کے لیے ہزاروں سوچیں سوچتا اور جمع کر کے رکھتا ہے...... لیکن عثمان...... اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر، انہوں نے کمال ہی کر دیا۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے جنتی کنواں

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے قیام اور ان کی تعداد بڑھ جانے کے بعد، پانی کی ضرورت شدید تر ہو گئی...... اس سے قبل اہل مدینہ قریبی کنوؤں سے پانی حاصل کر لیتے اور اس میں حرج بھی نہ تھا لیکن آبادی میں اضافہ کے ساتھ پانی کی مقدار میں اضافہ ناگزیر تھا۔

مدینہ کی ایک سمت "رومہ" نامی کنواں تھا، جس کا مالک ایک یہودی تھا وہ شخص مسلمانوں کی حاجت و پریشانی کے سبب خوب مہنگا پانی بیچتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تکلیف کے ازالہ کے لیے ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"جو شخص یہ کنواں خرید کر وقف کر دے گا اس کے لیے جنت میں چشمہ و کنواں ہوگا۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ صدا سنی...... نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے الفاظ کان میں پڑے تو انہوں نے جلدی سے قیمت کا انتظام کر کے یہودی کے ڈیرے کی راہ لی لیکن یہودی تھا کہ برابر گریز کر رہا تھا...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہودی کا اعراض لالچ کے سبب ہے کہ وہ اس کنوئیں سے برابر نفع کما رہا تھا...... آپ نے فرمایا اچھا ۱۲ ہزار درہم پر آدھا کنواں بیچ دو، شرط یہ ہوگی کہ ایک دن میں استفادہ کروں گا ایک دن تم...... یہودی اس پر راضی ہو گیا اور قیمت وصول کر لی...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں اعلان کر دیا کہ میری باری والے دن بغیر کسی قیمت پانی لیا جا سکتا ہے...... مسلمانوں کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری والے دن ضرورت کا پانی جمع کر لیتے...... حتیٰ کہ عام یہود کی آبادی بھی انہی کی باری میں پانی حاصل کر لیتی یہودی اپنی باری کے دن منتظر رہتا لیکن کوئی قریب نہ پھٹکتا...... کچھ دن ایسے ہی گزرے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس یہودی ہانپتا کانپتا آیا اور باقی نصف کنواں بھی بیچنے کی پیش کش کی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیش کش قبول کر لی

Marfat.com

اور مزید آٹھ ہزار درہم ادا کر دیئے۔ اب کنوئیں کی ملکیت تنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تھی، انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیا، مسلمان اس سے خوب مستفید ہونے لگے۔ قیمتاً پانی لینے کی مشقت، ساتھ ہی یہودی کا جابرانہ رویہ...... اس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی...... وہ لالچی شخص پانی کی مقدار اور پیسوں کی مقدار، ہر چیز کے معاملہ میں برابر جھگڑتا رہتا......

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا راہ حق میں خرچ کرنے کا ذوق، خیر و بھلائی کے کاموں کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کی خواہش نے مسلمانوں کی خوشیاں دو چند کر دیں۔

اجر تو تمہارے ہی لیے ہے

مدینہ منورہ میں جناب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنائی...... اب جو اس میں آپ کی ملاقات کے لیے لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوئی، اوامر دین اور نواہی کی سماعت کے لیے لوگ جوق در جوق آنے لگے اور دین اسلام کی تعلیمات سیکھنے کا جذبہ ہجوم کا سبب بننے لگا اور غزوات کی تیاری اور کامیابی کے بعد اس میں مسلمانوں کا اجتماع ہونے لگا تو مسجد تنگ تنگ سی محسوس ہونے لگی...... خاص طور پر مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو مشکلات زیادہ پیش آنے لگیں، اس مرحلہ پر اللہ تعالیٰ کے نبی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ مسجد کے پڑوس کا حصہ خرید کر وقف کر دیتا تاکہ مسجد کی توسیع ممکن ہو جاتی...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود مسجد کی تنگی کو محسوس کرتے، پھر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بھی سن لی تو بغیر کسی تاخیر پڑوس والے مکان کے مالکان کے پاس تشریف لے گئے اور معاملہ طے کر کے ۲۵ ہزار درہم میں سودا کر لیا اور فوراً نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی۔ آپ نے وفور خوشی و مسرت سے فرمایا:

''اس مکان کو ہماری مسجد کا حصہ بنا دو، رہ گیا اجر تو تم اس کے مستحق ہو۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی تردد و تاخیر ایسا ہی کیا اور وہ مکان مسجد میں شامل کر دیا، یوں مسلمانوں کے لیے آسانی کا سامان فراہم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھیروں دعائیں حاصل کیں اور آپ کی بھرپور رضا و خوشنودی کا پروانہ حاصل کر لیا۔

لیکن مسجد نبوی کے معاملہ میں یہ ان کی آخری نیکی تو نہ تھی جو دور رسالت میں سامنے آئی، ان کے اپنے دور خلافت میں لوگوں نے ان سے کہا کہ جناب مسجد تو تنگ ہوگئی، خاص طور پر جمعہ

Marfat.com

کے دن تو بہت مشکل پیش آتی ہے کہ قرب و جوار کی آبادیوں سے بھی لوگ حاضر رہتے اور صفیں گلیوں میں جا پہنچتیں آپ نے اس معاملہ میں خصوصی توجہ دی...... جیسے عہد رسالت میں دی تھی اور اصحاب الرائے سے مشورہ کر کے اس بات کا متفقہ فیصلہ ہوا کہ اس مسجد کو منہدم کر کے نہ صرف از سر نو تعمیر کی جائے بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا جائے تاہم آپ نے گفتنی ناگفتنی باتوں اور اتہامات سے بچنے کی غرض سے سبھی لوگوں کو اعتماد میں لینا ضروری سمجھا اور مسجد کے منبر پر تشریف لے جا کر تمام لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

> ''برادران دینی! میرا ارادہ مسجد نبوی کو منہدم کر کے از سر تعمیر کرنے اور اس میں اضافہ کرنے کا ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بنفس نفیس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا...... آپ ارشاد فرماتے...... ''اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو مسجد بنائے گا، اللہ رب العزت جنت میں اس کے لیے گھر بنائیں گے...... مجھ سے پہلے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس میں اضافہ کیا اور تعمیر بھی کیا...... میں نے اہل الرائے اور ارباب شوریٰ سے مشورہ بھی کر لیا۔ وہ میری رائے سے متفق ہیں۔''

آپ کا خطبہ سن کر لوگوں نے نہایت درجہ پسندیدگی کا اظہار کیا اور آپ کے لیے دعا کی...... اس کے بعد آپ نے ماہرین تعمیرات کو طلب کر کے ذاتی نگرانی میں تعمیر و توسیع کا کام مکمل کرایا...... اسی طرح مسجد حرام...... مسجد مکہ معظمہ...... کی توسیع کا عزم کیا...... پڑوسی حضرات سے ان کے مکانات خرید کر انہیں مسجد میں شامل کیا۔ اس کی مضبوط فصیل کا اہتمام کیا کہ یہ پہلے نہ تھی...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی سعادت میسر آئی۔

شرم وحیا کا پتلا

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مخصوص ترین صفت...... جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سرفراز فرمایا...... الحیاء...... تھی...... وہ اسلام سے پہلے بھی اس صفت سے سرفراز تھے اور اس حوالہ سے ان کی شہرت تھی لیکن دولت اسلام وایمان نے اسے چار چاند لگا دیئے اور ان کے ذوق عبادت نے ان کے حسن وخوبصورتی اور جلالت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔

Marfat.com

ان کے حیا کا یہ عالم تھا کہ وضو وغیرہ معاملات میں معاونت حاصل کرنے کے لیے گھر کے کسی فرد کو سوتے سے نہ جگاتے...... اپنا کام خود سرانجام دیتے تھے...... اپنے دودھ والے جانوروں کو خود دوہ لیتے...... ان سے کہا جاتا کہ آپ اپنے خدام کے ذمہ یہ کام لگا دیں تو کتنا اچھا ہو...... اس پر فرماتے:

''نہیں، بالکل نہیں...... رات ان کے بھی آرام کے لیے ہے۔''

ان کی شدت حیا کا یہ حال تھا کہ غسل خانہ میں غسل کے وقت بھی تہہ بند جیسی کوئی چیز پہن کر غسل کرتے اور غسل کے وقت کھڑے ہونا بھی پسند نہ کرتے بلکہ بیٹھ کر نہاتے...... یہ سب کام اس حال میں ہوتا جب آپ گھر میں تنہا ہوتے...... گھر سے باہر حیا کا کیا حال ہوگا؟

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا و رضوانہ فرماتی ہیں:

''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانہ مبارک میں نیم دراز تھے اور آپ کی پنڈلیاں کسی قدر ننگی تھیں۔ میرے ابا...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر حاضر ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی حال میں استراحت فرماتے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ کے آنے پر بھی یہی حال رہا...... لیکن اس کے بعد جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو آپ فوراً سیدھے بیٹھ گئے، اپنے کپڑے درست کر لیے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور سلام کلام جاری رہا سب حضرات کے جانے کے بعد میں نے عرض کیا کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور جناب عمر رضی اللہ عنہ کی آمد پر آپ جوں کے توں رہے، کوئی خاص بات نہ ہوئی لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کی آمد پر یہ اہتمام؟ آپ نے ارشاد فرمایا...... میں اس شخص سے کیسے حیا نہ کروں جس سے اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''

ایک دوسری روایت میں ہے...... فرمایا:

''عثمان غایت درجہ حیادار شخص ہیں، مجھے ڈر ہوا کہ اسی حال میں انہیں اندر بلا لیا تو جو بات وہ کہنا چاہتے ہوں گے...... کہہ نہ سکیں گے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شرم و حیا کے معاملہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات ہیں، جن میں اس حوالہ سے آپ کی بے پناہ تعریف ہے...... مثلاً

Marfat.com

"میری امت میں سب سے زیادہ حیادار اور سب سے زیادہ دوسروں کی تکریم کرنے والے عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔"

کیا تمہارے پاس اس سے بڑھ کر نفع ہے

جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے ایثار وقربانی کی داستان یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی جو ہم نے اب تک ذکر کی، انہوں نے جود وسخا میں ہمیشہ مسابقت کی اور کسی کے طلب کئے بغیر بھی بار ہا یہ کارنامہ سرانجام دیا۔

ان کے تجارتی قافلے آتے تو ان کی فروخت سے پہلے ایک معقول حصہ راہ حق میں خرچ کر دیتے ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ قافلہ آیا اس میں آٹا، گھی اور شہد بڑی مقدار میں تھا اور یہ سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھا، آپ نے چاہا کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کیا جائے...... چنانچہ ایک اونٹ کا سامان خدمت نبوی میں لائے، آپ نے دعا دی...... پھر ہنڈیا منگوائی گئی اسے چولہے پر چڑھایا گیا اور اس میں تمام چیزیں ڈال کر "ہریسہ" پکایا گیا...... تیار ہونے پر آپ نے اپنے احباب کو دعوت دی...... وہ سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس عظیم ہدیہ پر بہت ہی مسرور ہوئے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بکثرت غلام آزاد کئے...... شاید اس معاملہ میں ان کا سے ریکارڈ ہے...... وہ ایام جب مدینہ مفسدوں کی فتنہ گری کا شکار تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا...... اور یہ بات بر بنائے احسان وفضیلت یا تکبر کی بنیاد پر نہ تھی، محض مفسدوں کو یاد دہانی مقصود تھی کہ آپ نے راہ حق میں کیا کیا کیا؟ شاید کہ ان کے دل پسیج جائیں اور وہ فتنہ پروری سے باز آ جائیں...... ارشاد فرمایا:

"جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، ہر جمعہ کو ایک غلام میں نے آزاد کیا، اگر کسی جمعہ کو ایسا نہ ہو سکا تو دوسرے جمعہ کو دو غلام آزاد کئے۔"

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں...... آپ نے سب سے زیادہ مال خرچ کیا...... جب مسلمان تنگی اور مشکل حالات کا شکار ہوتے یا قحط کی کیفیت ہوتی تو آپ ایسے مواقع پر زیادہ اہتمام فرماتے...... روایت ہے کہ عہد ابی بکر رضی اللہ عنہ میں قحط نے شدت اختیار کر لی تو لوگ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔

Marfat.com

''رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ مکرم! آسمان سے بارش نہیں برس رہی اور زمین کی روئیدگی جواب دے چکی، لوگ ہلاکت کے کنارے ہیں ہم کہاں جائیں کیا کریں؟''

خلیفہ رسول نے فرمایا پوچھا...... ابوعمر...... (آپ کی کنیت ہے)...... ہمارے بغیر مدینہ میں کوئی تاجر نہیں...... نہ ہم یا...... جاؤ اور صبر سے کام لو، مجھے رحمت باری سے امید ہے کہ شام سے قبل اللہ تمہاری مشکل کے حل کا انتظام فرما دیں گے۔

سرِ شام یہ خبر آ گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ ملک شام سے واپس آ رہا ہے اور اگلی صبح مدینہ پہنچ جائے گا...... قافلہ پہنچا تو عشاق و خریداران کی منڈی لگ گئی...... اس میں ایک ہزار اونٹ شامل تھے جو آٹے، زیتون اور کشمش سے لدے ہوئے تھے...... سامان، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا تو تاجروں کی جماعت آ گئی...... آپ نے فرمایا...... کیسے آنا ہوا؟...... وہ کہنے لگے...... ہماری آمد کا سبب معلوم ہے، ہم چاہتے ہیں کہ یہ سامان آپ بیچ دیں کہ لوگوں کی ضروریات سے آپ واقف ہیں۔

آپ نے کہا...... بہت اچھا...... یہ بتاؤ کہ نفع کیا دو گے؟

کہنے لگے...... درہم کے بدلے درہم...... یعنی ایک درہم کے سامان کی دوگنی قیمت۔

آپ نے فرمایا...... مجھے تو اس سے زیادہ مل رہے ہیں۔

کہنے لگے...... اچھا...... چار گنا نفع...... آپ نے پھر فرمایا...... میرے پاس اس سے زیادہ کی پیش کش ہے۔

انہوں نے سے پہلے کوئی تیرے پاس آیا...... پھر وہ کون ہے جو تجھے اس سے زائد دے رہا ہے؟...... آپ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ایک درہم کے بدلے (کم از کم) دس درہم عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے...... کیا تم اس سے زائد دے سکتے ہو؟

وہ یک زبان ہو کر بولے...... ممکن نہیں...... ارشاد فرمایا:

''میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ ان ایک ہزار اونٹوں پر جتنا سامان لدا ہے وہ سارے کا سارا مدینہ منورہ کے فقراء و مساکین پر صدقہ کرتا ہوں...... (رضی اللہ عنہ۔''

Marfat.com

ایک رکعت کی کمائی

جناب عثمان...... بہت عبادت گذار تھے...... تنگی و ترشی کا وقت ہو یا سہولت و آسانی کا...... ان کے معمولات میں فرق نہ آتا۔ ان کی عبادت کی کثرت محض نماز تک محدود نہ تھی، بلکہ ہر وہ کام جو تقرب الٰہی کا سبب ہو، اس میں وہ نہایت درجہ حریص تھے...... البتہ ان کی نماز بلاشبہ بہت ہی اہم حیثیت کی مالک تھی...... وہ عشاء کے بعد مسجد تشریف لے جاتے اور فجر تک اس میں مشغول رہتے...... ایک راوی جو اس کیفیت کو دیکھنے والا ہے، اس کے بقول...... وہ پورا قرآن ایک رکعت میں تلاوت فرماتے...... اس راوی کا یہ بارہا کا مشاہدہ ہے...... رات کی نماز اور تہجد کا معاملہ انہوں نے شدت و فتنہ کے وقت بھی ترک نہیں کیا، وہ رات بھر قرآن پڑھتے اور یہ تو مشہور بات ہے کہ شہادت کے وقت بھی وہ تلاوت میں مشغول تھے۔

یہی حال ان کے روزوں کا تھا...... بلکہ مشہور ہے کہ وہ ''صائم الدہر'' تھے اور شہادت کے وقت بھی وہ روزہ سے تھے...... باوجودیکہ یہ وقت شدید ابتلاء و آزمائش کا تھا ہر طرف سے ان کا محاصرہ تھا لیکن قیام، روزہ اور تلاوت قرآن میں اس وقت بھی وہ مشغول تھے۔

ان خوبیوں اور خصوصیات میں یہ بات بھی شامل ہے...... جو ان کے ذوق عبادت و بندگی کا ثبوت ہے کہ وہ بے پناہ صاحب ثروت ہونے کے باوصف ''زاہد'' تھے۔ راہ حق میں بے دریغ خرچ کرنا اور لٹانا...... یہ بھی دلیل ہے ان کے زہد، آخرت کی محبت، آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے پر اور اس بات پر کہ دنیا کے مال و منال کی ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہ تھی۔

ان کے ذوق عبادت و تواضع میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اکثر مسجد میں ہی لیٹ جاتے اور اپنی چادر کا سرہانہ بنا لیتے...... خلافت کے بعد بھی اس معمول میں فرق نہ آیا، نہ کوئی تبدیلی آئی بلکہ تواضع میں کسی قدر اضافہ ہو گیا...... وہ اکثر مسجد میں مقیم رہتے اور جب اٹھ کر جانے لگتے تو کنکریوں اور مٹی کے واضح آثار ان کے قدموں پر نظر آتے...... وہ کھلے بندوں لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ان کی باتیں سنتے...... کبھی ان کے ساتھ نقد و بحث بھی کرتے...... وہ باتیں بھی سنتے جو اذیت کا سبب ہوتیں لیکن اپنی ذات کے لیے انتقام کا سوال نہ تھا، ہاں سزا ضرور دیتے...... لیکن کب......؟ جب اللہ تعالیٰ کے احکامات کی توہین ہوتی یا حدود الٰہی کے قیام کا سوال ہوتا۔

Marfat.com

ان سے ان صفات کا ظہور ایمان بالحق میں ان کی پختگی ہر وقت حق کے دھیان اور اللہ تعالیٰ کے ڈر کی علامت ہے۔

روایت ہے کہ انہوں نے ایک غلام سے کہا...... کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تیرا کان مروڑا اور اس کی گوشمالی کی...... ''میں نے تیرا کان مروڑا تھا مجھ سے قصاص لے لے...... بدلہ چکالے''...... اس نے ایسا ہی کیا...... آپ نے فرمایا...... اچھی طرح مروڑ لے...... پھر فرمایا:

''قصاص و بدلہ دنیا میں بہتر ہے...... آخرت میں نہیں''۔

روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مجھے جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے...... اور مجھے معلوم نہ ہو کہ مجھے کس طرف بھیجا جائے گا تو میں اس بات کو پسند کروں گا کہ میں ریت کے ذرات بن جاؤں، اپنی منزل کے علم سے پہلے پہلے''۔

یہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے...... یہ تھی ان کی عبادت...... ان کی نماز...... ان کا روزہ...... ان کا زہد...... ان کی تواضع...... اللہ کا ڈر اور ہمہ وقت اس کا دھیان...... انہوں نے یہ خوبیاں اور کمالات رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے اور حاصل کیے...... اور وہ زندگی کے ہر حال میں آپ کی اتباع کے بے حد حریص تھے...... اس لیے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ وہ جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق و دوست ہوں...... آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح ترین روایت موجود تو ہے کہ:

''جنت میں ہر نبی کا ایک رفیق و دوست (مخصوص) ہوگا...... میرے رفیق عثمان ہوں گے۔'' صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وبناتہ واتباعہ اجمعین ورضی اللہ عنہ۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ وامیر المومنین کے طور پر

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے رازدار و مشیر

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت کی طرح، شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے عہد میں بھی جناب عثمان رضی اللہ عنہ اعمال خیر میں کسی سے پیچھے نہ تھے...... دور صدیقی میں وہ خلافت کے وہ محرم راز تھے جنہوں نے سیدنا صدیق کے مرض وفات

Marfat.com

میں انہی کے لکھوانے سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت نامہ خلافت تحریر کیا......
بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر غشی کا دورہ پڑ جانے سے اس کی تکمیل کی۔ پھر افاقہ ہونے پر
انہیں سنا کر ان کی دعائیں لیں پھر اس پر مہر لگا کر اور لوگوں تک پہنچایا۔

دور صدیقی ...... میں جناب عثمان رضی اللہ عنہ اچھے دوست، سراپا رحمت، نرم دل تھے......
ایسے ہی جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ...... یہ ان کی طبعی صفات تھیں، ان حوالوں سے انہوں نے
حضرت صدیق کی مدد کی...... اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص...... جسے دور صدیقی کا وزیر ہونے
کا شرف حاصل تھا...... کی سختی و شدت پر مشتمل معاملات میں توازن و اعتدال پیدا کرنے میں بھر
پور تعاون کیا...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت، حزم واحتیاط اور ہر نئے پیدا ہونے والے حادثہ اور
حالت میں ان کی قوت و طاقت کے رویہ کا چاروں طرف چرچا تھا، اس سختی کے ساتھ سیدنا عثمان
رضی اللہ عنہ کی نرمی اور مہربانہ رویہ حالات میں توازن پیدا کرنے کا سبب بنتا۔

اور جونہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو ان کی شدت و سختی کے ساتھ
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نرمی و رحمدلی، دولت و مملکت اسلامیہ کے معاملات کے آسانی سے حل کا
سبب بنتی...... کہ حکومت اور اجتماعی معاملات کے لیے دونوں ہی باتیں ضروری ہیں...... صحابہ کرام
کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس صفت کا خوب چرچا تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں
ان کی قدر و منزلت کا بھی عام طور پر لوگوں کو اندازہ تھا، وہ حضرات دربار فاروقی میں انہی کو واسطہ
بناتے جب انہیں حضرت فاروق سے کچھ کہنا ہوتا، کوئی فریاد ہوتی یا کوئی چیز طلب کرنی ہوتی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عدل و قضا کے معاملات میں نہایت درجہ صاحب الرائے تھے
انہوں نے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ مردم شماری کرائیں اور ان کی فہرستیں مرتب
کرائیں تا کہ مفادات، غنائم اور مال و متال کی تقسیم اور دوسرے معاملات میں آسانی رہے...... یہ
رائے نہایت درجہ خوبصورت رائے تھی، جو سرتا سر عدل پر مبنی ہے۔ جس سے تمام معاملات منضبط
ہوتے ہیں۔ اس ذریعہ سے مملکت کے مسائل و معاملات، آمد و خرچ کی تفصیلات اور ایسے ہی
دوسرے امور منظم ہو گئے، جو اس کے بغیر ممکن نہ تھے۔

یہ بھی ہے کہ ہجری سن کی ابتداء کا سہرا بھی انہیں کے سر ہے کہ انہوں نے اس کا مشورہ دیا کہ
محرم سے ابتدا کی جائے تا کہ حوادث کی تاریخ مرتب ہو سکے۔ کس مہینہ سے ابتدا ہو، اس میں کئی آرا
تھیں...... لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

Marfat.com

''میں محرم کو ترجیح دیتا ہوں، اس لیے کہ معمول کے سال کا پہلا مہینہ ہے، حرمت والا مہینہ ہے۔ گنتی و ترتیب میں یہی مہینہ پہلا ہے اور حج سے لوگوں کی واپسی اس مہینہ میں ہوتی۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور موجود صحابہ کرام نے اس رائے کو پسند کیا اور اس پر معاملہ طے ہو گیا اور تاریخ اسلام کی ابتدا ہو گئی اور مسلمان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور سعادت سے اس سن پر زندگی گزار رہے ہیں...... مسلمان اس سن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، وعثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی طرف سے ایک تحفہ سمجھتے اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں...... صحابہ نے تقویم کا یہ اہتمام کیا، امت کے لیے ایک تاریخی ضرورت پوری کی...... اس طرح ان کی دین وعبادت کے مسائل حل ہو گئے۔ جو تقویم سے وابستہ تھے...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ برابر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر رہے، حتیٰ کہ وہ مجوس و یہود کی سازش سے گھائل ہو گئے...... اور آپ ان چھ حضرات میں سے ایک تھے۔ جن پر خلافت کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتماد کیا...... وہ بہر حال اس کے اہل تھے...... اگلی فصلیں اس کی دلیل ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صحابہ سے راضی ہو گئے

ایک مردود زمانہ مجوسی (ایران کے آگ کے پجاری) ابولؤلؤہ نے جب ایک خوفناک سازش کا مہرہ بن کر، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں نماز فجر کے وقت زہر آلود خنجر سے زخمی کر دیا، تو صحابہ ان کے ارد گرد جمع تھے، صحابہ اس صورت حال سے سخت تشویش کا شکار تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ اپنے بعد اپنے جانشین کا معاملہ طے فرما دیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے فرمایا:

''میں نے جیتے جی تمہاری ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھایا، اب جب کہ میں لب گور ہوں تب بھی میں یہ ذمہ داری اٹھاؤں؟...... اب میری ایک ہی خواہش ہے کہ میرا تمہارا معاملہ برابر برابر ہو جائے، نہ تمہارے کسی حق کا بوجھ مجھ پر ہو نہ میرے حق کا تم پر، رہ گئی خلافت وجانشینی کی بات تو مجھے اس شخص نے نامزد کیا جو ہر اعتبار سے مجھ سے بہتر تھا...... یعنی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ...... اب مجھ میں

Marfat.com

اس کا یارا نہیں کہ کسی کو نامزد کروں ---- چنانچہ میں اس طرح کی ذمہ داری کا متحمل نہیں، میں اس معاملہ کو اس طرح تمہاری صوابدید پر چھوڑ رہا ہوں، جس طرح اس ذات پاک نے چھوڑا جو مجھ سے بلکہ سب سے افضل و بہتر تھی ...... یعنی رسول محترم، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم --- کہ آپ نے اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ اس کو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا...... رہ گیا دین کا معاملہ تو اس کا حافظ خود اللہ تعالیٰ ہے۔"

آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

"اگر ان زخموں سے صحت ہوگئی تو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے اہتمام اور فکر کی چنداں ضرورت نہیں، آخر پہلے بھی تو دس برس میں نے اس بوجھ کو اٹھایا ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے ملت بیضا کی گاڑی کو بحسن وخوبی چلایا، اسے عزت بخشی، اب ان حالات میں مجھ پر اللہ رب العزت کے حضور حاضری اور اپنے انفرادی واجتماعی اعمال کے حساب کا شدید خوف مسلط ہے، ایسے وقت میں خلیفہ کے انتخاب میں (کسی فرد کی نامزدگی) خطاء اجتہادی بھی ممکن ہے...... اصل غیب دان تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے...... بہر حال احتیاط لازم ہے۔"

چنانچہ آپ نے ایسا راستہ اختیار کیا جس میں حتمی نامزدگی بھی نہ تھی اور انتخاب میں لوگوں کے لیے ایک طرح کی رہنمائی اور آسانی بھی...... آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ:

"میرے نزدیک خلافت کی ذمہ داریوں کے لیے اس پاک باز جماعت سے بڑھ کر کوئی شخص مناسب نہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کے نبی راضی ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے۔"

آپ نے سادات الکرام علی، عثمان، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن العوام کا ذکر فرمایا...... پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کا وقت آخر قریب ہے ان سے فرمایا:

"میں نے خوب نظر دوڑائی تو قیادت وسرداری کا اہل و مستحق تمہیں ہی پایا...... یہ معاملہ تمہارے ہی اندر دائر و سائر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے رسول دنیا سے

Marfat.com

تشریف لے گئے تو وہ تم سے ہر طرح راضی تھے...... تم ثابت قدم رہو تو لوگوں کی مخالفت کا تمہیں مطلق ڈر نہیں۔ میرا انتقال ہو جائے تو تین دن باہمی مشورہ سے آپس میں سے کسی ایک کو امیر و امام منتخب کر لینا...... اور دیکھنا چوتھا دن نہ آنے پائے۔ میرا بیٹا عبد اللہ بن عمر...... شیخ الصحابہ...... مشورہ کی حد تک تمہارے ساتھ ہوگا لیکن خلافت و امارت سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔''

پھر آپ نے ہونے والے خلیفہ کو تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وصیت فرمائی...... اور آپ کی روح پاک اپنے خالق و مالک کے حضور جا پہنچی...... آنکھیں کھلی کی کھلی تھیں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، مدینہ منورہ سے باہر تھے...... چنانچہ باقی پانچوں حضرات اور چھٹے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ باہمی مشورہ میں مشغول ہو گئے...... مشورہ کا عمل سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد شروع ہوا...... وقت بہت نازک تھا، مسلمان شدت سے منتظر تھے کہ کیا فیصلہ ہوتا ہے، مختلف اطراف میں پھیلے ہوئے لشکر حالات کی سنگینی کے پیش نظر فکر مند تھے تو دشمنان دین وملت بھی اپنی جگہ حالات کا جائزہ لے رہے تھے...... اس لیے جلدی سے فیصلہ بہت ضروری تھا۔ فیصلہ کا اختیار انہی چھ حضرات کو تھا...... جنہیں جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے متعین کیا تھا۔

باہمی مشاورت کے وقت سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک شخص اس معاملہ سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لے، اسے ایک طرح ثالث مان لیا جائے اور اختلاف رائے کے وقت اس کی رائے کو ترجیح حاصل ہو۔''

اور جب اس رائے کو پسند کر لیا گیا تو آپ نے سب سے پہلے اپنے آپ کو عملی ذمہ داریوں سے الگ کر لیا پھر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا اور تیسرے نمبر پر سیدنا سعد نے نہ صرف اپنے آپ کو الگ کر لیا بلکہ اپنی رائے اور معاملہ کا متولی وکیل سیدنا عبد الرحمٰن کو بنا دیا۔

اب معاملہ دو بزرگوں...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان آ گیا اور جناب عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ مختار قرار پائے تاکہ معاملات کو طے کر سکیں اور سب لوگوں کو کسی ایک پر متفق کر سکیں۔

Marfat.com

جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مشکل مہم تھی اور وقت برائے نام...... کہ ان میں اعلان لازم تھا۔

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف اپنی مہم میں مشغول رہے اور انہوں نے محنت کا حق ادا کر دیا...... حسب طاقت ہر کسی سے مشورہ کیا، اکابر سے، اصاغر سے، حتیٰ کہ خواتین سے، وہ مدینہ کی گلیوں میں نکل جاتے، ہر ایک سے پوچھتے اور مشورہ کرتے کہ عمر...... رضی اللہ عنہ کا جانشین کون ہو......؟

انہوں نے اپنی مہم کا آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے کیا...... ان سے فرمایا:

''جن حضرات کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نامزد کیا، ان میں آپ نہ ہوتے اور پھر آپ سے مشورہ لیا جاتا تو آپ کا مشورہ کیا ہوتا؟ جواب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... میرا مشورہ ہوتا کہ کار خلافت کے مستحق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

''پھر اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو ان کا جواب تھا...... علی رضی اللہ عنہ اس معاملہ کے سب سے بڑھ کر حق دار ہیں۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مشورہ بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں تھا...... پھر جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عمومی مشورہ شروع کیا...... انصار سے، مہاجرین سے...... بڑی عمر کے بزرگوں سے...... معذور حضرات سے، حتیٰ کہ باشعور بچوں سے۔

وہ برابر مشغول مشورہ رہے...... بڑی حد تک ایک رائے (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں) سامنے آ چکی تھی، تاہم ابھی معاملہ پوری طرح طے نہ ہوا تھا...... آخری رات بزرگ صحابی حضرت ''مشور بن مخرمتہ'' رضی اللہ عنہ کے پاس ایسے وقت تشریف لے گئے جب رات کا ایک حصہ گذر چکا تھا، انہیں جگایا اور فرمایا:

''تعجب ہے کہ آپ سو رہے ہیں جب کہ بہت سی آنکھوں نے اس رات میں نیند کا مزہ نہیں دیکھا، چلیں اور فلاں فلاں حضرات کو بلا کر لائیں کہ ان سے بات کر سکوں۔''

پھر ان حضرات سے طویل مشورہ کیا...... پھر وہاں سے نکل کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ پر تشریف لائے، ان سے طویل مشاورت فرمائی...... اور آخر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ پر ان سے طویل مشورہ ہوا...... حتیٰ کہ مؤذن نے اذان فجر کہی تو آپ مسجد تشریف لائے۔

Marfat.com

صبح کی نماز پڑھی گئی......امام سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ تھے......ان تین ایام کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ہی امام مقرر کیا تھا...... انہوں نے ہی سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا......نماز کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ منبر نبوی پر تشریف لے گئے......تلوار حمائل کئے ہوئے......عربی شہ سواروں اور خطباء کی مانند......سر پر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ......مسجد لوگوں سے پر تھی......آپ نے فرمایا:

> "لوگو! میں نے کار خلافت کے معاملہ میں کھلے بندوں اور خفیہ ہر دو طریق سے تم سے مشورہ کیا۔ ان دو حضرات......علی رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کے برابر تم کسی کو نہیں سمجھتے......علی رضی اللہ عنہ اٹھ کر کھڑے میرے پاس تشریف لائیں۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اٹھے تو جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا:

> "کیا آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب، سنت رسول اور اسوہ ابی بکر وعمر پر بیعت کریں گے؟"

حضرت علی نے کہا:

> "میں اللہ تعالیٰ کی کتاب، رسول اکرم کی سنت اور اپنے ذاتی اجتہاد پر بیعت کروں گا۔"

جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ان سے وہی سوال کیا جو جناب علی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا......انہوں نے کہا تو بس اتنا اللّٰھم نعم ......ہاں ان شاءاللہ تعالیٰ

جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنا سر مسجد کی طرف بلند کیا، ان کا ہاتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، انہوں نے عرض کیا:

> "اے اللہ تو سن لے اور گواہ ہو جا۔"

> "بار الٰہ! جو ذمہ داری میری گردن پر تھی، اسے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی گردن پر ڈال رہا ہوں۔"

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سب کے ساتھ مل کر بیعت کر لی۔ کیونکہ جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ہر دو سے عہد لیا تھا کہ جب ایک معاملہ طے ہو جائے گا تو دوسرے پر لازم ہوگا

Marfat.com

کہ وہ بیعت کر لے...... دونوں حضرات نے اس عہد و پیمان کی پاسداری کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی۔

مسجد میں موجود حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے، ان سب نے بصد رغبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی...... حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیعت کا معاملہ طے ہونے کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے اور حضرت عثمان سے پوچھا:

''کیا سب لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی؟''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا...... ہاں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا...... میں بھی راضی ہوں...... لوگوں کی اجتماعی رائے سے اعراض وگریز نہیں کر سکتا...... یہ کہا اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ یوں یہ تمام معاملات سلامتی اور توفیق الٰہی کے ساتھ طے پا گئے...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ قرار پائے اور ایک نئے عہد کی ابتدا ہوئی۔

خلافت کی ابتداء

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت کا بوجھ اٹھا لیا، وہ خوب جانتے تھے کہ اس راہ کی مشکلات کیا ہیں، ذاتی تجربہ بایں طور تھا کہ وہ جناب شیخین...... سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ...... کے دور خلافت میں ان کے مشیر اعظم تھے۔ مخفی امور کے راز دان اور امور مملکت سے خوب واقف...... اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ اس راہ میں کس قدر محنت کرنا پڑتی ہے اور کس قدر صبر و تحمل سے کام لینا پڑتا ہے...... ادھر یہ کہ جب خلافت کی ذمہ داریاں ان کو سونپی گئیں تو وہ ستر برس کے ہو چکے تھے...... گویا بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکے تھے اور قوائے جسمانی کے ضعف کا شکا......ر اضافی بات یہ تھی کہ یہ ذمہ داری ایسے وقت میں ان کے سپرد کر دی گئی جب خلیفہ اسلام شہید کر دیئے گئے...... اس معاملہ میں ان پر بڑی ذمہ داری تھی کہ ایک رسوائے زمانہ مجوسی ایرانی نے یہ کام کیا تھا اور اسے یہ جرأت ہوئی تھی...... اب اس معاملہ کی تحقیق، اجتماعی امور کی تدابیر اور معاملات کے تصفیہ کا ان پر شدید بوجھ تھا۔

دوسرے حوالہ سے دیکھیں تو یہ ذمہ داری ان پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آئی...... اور وہ خوب جانتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کون تھے؟ دینی معاملات میں ان کی سختی، ان کا عزم اور احتیاط

Marfat.com

ضرب المثل تھی۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے صبر و تحمل سے بھی خوب واقف تھے...... انہیں خوب معلوم تھا کہ ایک دن جب کہ شدید گرمی تھی، لو کے تھپیڑے برا حال کر رہے تھے، عین دوپہر کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صدقہ کے دو اونٹ چراگاہ کی طرف ہانک کر لے جا رہے تھے اور جب ان سے کہا گیا کہ کوئی دوسرا یہ کام کر دیتا ہے تو انہوں نے فرمایا...... نہیں، وہ خود ہی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں گے...... اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ نے بعد میں آنے والوں کو سخت مشکل میں ڈال لیا۔''

وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالہ سے یاد کرتے اور اس بات کو بھی کہ انہوں نے عمر عزیز کے دس برس اس حال میں گزارے کہ لوگوں کے درمیان ان کی ہمت ضرب المثل تھی، لوگوں میں ان کا رعب و دبدبہ تھا، ان کے عزم و حوصلہ کی ایک شان تھی اور ان کے اعمال (گورنر اور دوسرے سرکاری اہلکار) زہد و تقویٰ کے رسیا اور مادی معاملات میں بے رغبتی کے معاملہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

وہ ان باتوں کو یاد کرتے...... ساتھ ہی اس بات کا انہیں غم تھا کہ فتوحات کا معاملہ بہت وسیع ہو چکا ہے، دنیوی آسائشیں پوری طرح لوگوں کے سامنے ہیں اور لوگ ان سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

چونکہ یہ سب معاملات ان کے سامنے تھے۔ اس لیے ہی تو یہ ہوا کہ جب وہ خلافت کے بعد پہلا خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو ان پر لرزہ کی سی کیفیت تھی اور وہ محض چند کلمات ہی زبان سے کہہ سکے...... مزید ان میں کہنے کی ہمت نہ ہوئی...... انہوں نے اتنا ہی فرمایا:

'لوگو! ابتدا میں گھوڑے کی سواری بہت مشکل معاملہ ہے اور ایک دن کا سفر زمانے پر محیط نظر آتا ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو خطبہ دوں گا...... ویسے خطبہ کی ضرورت بھی کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے سب کچھ ہمیں سمجھا دیا ہے اور سکھلا دیا ہے۔''

پھر آپ برابر غم اور پریشانی کا شکار رہے اور خلافت کے معاملات کے حل میں جت گئے اور مملکت کے معاملات سنوارنے میں لگ گئے۔ وہ اکثر و بیشتر لوگوں کو دنیا سے ڈراتے...... اس کی طرف انہماک اور اس کی محبت میں ڈوب جانے سے احتیاط کا درس دیتے...... انہیں نظر آ رہا تھا کہ

Marfat.com

لوگ دنیا کی مادیتوں پر راغب ہورہے ہیں...... اس لیے وہ ان باتوں کی طرف بار بار توجہ دلاتے، ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''دنیا دھوکہ اور فریب کی ٹٹی ہے، یاد رکھو اس کے فریب میں نہ آنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں اس فریب کی ٹٹی کے دھوکہ کا شکار ہو جاؤ، اس دنیا کو اس طرح دھتکار دو جس طرح اسے اللہ تعالیٰ نے دھتکارا ہے اور اللہ تعالیٰ سے آخرت طلب کرو اور اس کے لیے سعی و جہد کرو...... دیکھو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال کس طرح بیان کی...... ایک مثال پر ہی غور کرو...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے پیغمبر! ان سے بیان کر دینا کی مثال، پانی جیسی ہے کہ ہم نے اس کو آسمان سے اتارا تو خلط ملط ہوگئی، پانی کے ساتھ زمین کی روئیدگی، پھر آخر کار چورا ہوگیا کہ اس کو ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی آرائش ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک ثواب میں اور بہتر ہیں توقع کے اعتبار سے![۱۳]

خلافت کے فوراً بعد جس سنگین معاملہ سے آپ کا واسطہ پڑا، وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند سیدنا عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔ جنہوں نے ہرمزان اور اس کے ساتھ بعض دوسرے لوگوں کو قتل کر دیا تھا...... یہ بہت سنگین نوعیت کا معاملہ تھا لیکن آپ نے کمال درجہ ہوش مندی سے اس کو حل کر لیا فتنہ پر غلبہ پالیا...... گو کہ سازشی عناصر نے بعد میں بھی اس واقعہ کو خوب خوب اچھالا۔ اگلی سطور میں، ہم دیکھیں گے کہ آپ اس معاملہ سے کس طرح نمٹے!

''میں یہ بوجھ ذاتی طور پر برداشت کرتا ہوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ:

کل شام میں نے ہرمزان، ابولؤلؤہ اور جفینہ (حیرہ کے علاقہ کا عیسائی) تینوں کو باہم سرگوشیاں کرتے دیکھا جب وہ اٹھے تو ان کا خنجر گر گیا جو دوطرفہ تھا اور اس کا دستہ درمیان میں تھا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کے بعد جب وہ خنجر سامنے آیا تو وہ ایسا ہی تھا۔ جیسا جناب عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بتلایا تھا...... سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو اپنے جی میں ایک فیصلہ کر لیا لیکن وقتی طور پر خاموشی اختیار کر لی......

Marfat.com

سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے تو جناب عبید اللہ نے اپنی تلوار سنبھالی اور اسے چھپا کر چل دیئے اور ہرمزان، جفینہ اور ابولؤلؤہ کی بیٹی کو قتل کر دیا۔

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ امام صلاۃ تھے...... انہیں جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے اس منصب کے لیے نئی خلافت تک مقرر کیا تھا، قدرتی طور پر وہ اس دور میں باقی معاملات کے بھی ذمہ دار تھے...... انہوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (فاتح مصر و گورنر مصر) جیسے معروف زمانہ فطین و ذہین بزرگ کو بھیجا جو کسی نہ کسی طرح جناب عبید اللہ سے تلوار لینے میں کامیاب ہو گئے اور انہیں...... حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے گھر میں قید کر دیا...... یہاں تک کہ جناب عثمان رضی اللہ کی بیعت کا معاملہ طے ہو گیا تو جناب عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو مسجد میں ہی طلب کیا اور ساتھ ہی انصار و مہاجرین کے ارباب دانش و بینش کو بلایا اور فرمایا...... اس اہم ترین اور سنگین معاملہ میں مجھے مشورہ دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو سیدھی سی بات کہی کہ میری رائے میں عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا لازم ہے۔

بعض بزرگ مہاجرین نے کہا...... حیرت ہے کہ کل جناب عمر رضی اللہ عنہ قتل ہوئے آج ان کے بیٹے قتل کر دیئے جائیں......؟

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

> ''امیر المومنین اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں، رب العزت نے معافی کا سامان تو کر ہی دیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ حکمران نہ تھے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے گہرے غور و فکر سے اس بات کو سنا اور اس میں خوب غور کیا...... تو معاملہ اس طرح سامنے آیا کہ:

> ''اس میں شک نہیں کہ جناب عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے ہونے والا قتل ''قتل عمداً'' ہے...... انہوں نے جان بوجھ کر یہ اقدام کیا، جس میں ان کے عزم و ارادہ کو پورا دخل ہے...... لیکن یہ معاملہ شبہ کا بھی ہے کہ اپنے عظیم والد کے حادثہ کے سبب ان کے قلب و نظر پر جذبات کا غلبہ ہو گیا...... اس واقعہ میں

Marfat.com

ان کے لیے بعض بنیادیں تھیں...... ہرمزان (ایرانی سورما جو منافقانہ اسلام لایا) نے ایک مرتبہ نہیں، بارہا جنگی معاملات میں مسلمانوں سے دھوکہ کیا، ایک مرتبہ معاہدہ کیا، پھر غداری کی، دوسری مرتبہ معاہدہ کر کے غداری کی، حتیٰ کہ گرفتار ہوگیا اور سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے حضور لایا گیا...... وہ اس وقت شدید خوف و دہشت کا شکار تھا لیکن اس حال میں اس نے سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی دھوکہ کیا...... وہ یوں کہ پینے کے لیے پانی طلب کیا...... پیالہ آیا تو اسے منہ کے قریب لے گیا، پھر لوٹایا اور کہا کہ: مجھے ڈر ہے کہ پانی پینے کے دوران ہی آپ مجھے قتل کر دیں گے۔'' سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا......

ایسا نہیں ہوگا تم بے خوف ہو کر پانی پی لو۔''

اس شاطر و فریبی نے پانی زمین پر گرا دیا اور کہا کہ مجھے پانی کی ضرورت ہی نہ تھی، میں تو اس تدبیر سے آپ سے امن کا متمنی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''فریبی تو نے مجھے دھوکہ دیا، اللہ کی قسم، میں محض ایک مسلمان کے لیے اس قسم کی صورت حال روا رکھتا ہوں۔ چنانچہ جان بخشی کے لیے ہرمزان اس وقت مسلمان ہوگیا۔''

جفینہ، حران کے علاقہ کا عیسائی تھا اور عجب نہیں کہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں وہ بھی متہم ہو...... یہی حال جناب فاروق رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤۃ کی بیٹی کا تھا...... یہ دونوں حالت اسلام میں قتل نہ ہوئے تھے، جناب عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی شہادت نے معاملہ کو مضبوط بنا دیا...... ادھر بعض مہاجرین کے الفاظ برابر کانوں میں گونج رہے تھے۔

''کہ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ کل جناب عمر قتل ہوئے آج ان کے بیٹے کو قتل کر دیا جائے؟''

اس لیے جناب عثمان رضی اللہ عنہ حد درجہ فکر مند تھے۔ بالآخر انہیں رہنمائی ہوئی اور انہوں نے صحابہ سے فرمایا:

''میں مسلمانوں کے معاملات کا نگران و ذمہ دار ہوں، میں دیت کا فیصلہ کرتا ہوں لیکن یہ ادا میں ذاتی مال سے کروں گا، رہ گئے مقتولین کے وارث تو آخر میں ان کا والئی ہوں، انہیں راضی کرلوں گا۔''

Marfat.com

اس طرح یہ مشکل کام طے ہوا، آپ نے مال ادا کر دیا، مقتولین کے وارثوں نے خون معاف کر دیا اور اس طرح جملہ معاملات سلامتی کے ساتھ طے پا گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بر بنائے حکمت و مصلحت جناب عبید اللہ کو ہرمزان کے بیٹے کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا:

"اس معاملہ میں تمہارا حق مجھ سے زیادہ ہے، انہیں لے جاؤ اور اپنے باپ کا بدلہ لے لو۔"

ہرمزان جناب عبید اللہ کو قتل کے لیے گھاٹ کی طرف لے کر چلا، اس وقت بہت سے حضرات ساتھ تھے...... نفاذ فیصلہ سے قبل اس نے باقی لوگوں سے کہا کہ اگر میں انہیں قتل کرنے لگوں تو تم مجھے روکو گے تو نہیں؟ سب لوگوں نے کہا...... بالکل نہیں یہ تمہارا حق ہے۔

اس پر ہرمزان کے بیٹے نے محسوس کیا کہ اس حکومت کا طرۂ امتیاز عدل ہے تو اس نے خون معاف کر دیا اور جناب عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے اور لوگوں کی خوشنودی کے لیے چھوڑ دیا...... بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خون بہا (دیت) اپنی گرہ سے ادا کر دی[۳۲]۔

بہر حال مسلمان خوش ہو گئے، ہرمزان کے بیٹے نے ہاتھ روک لئے، معافی کا معاملہ مکمل ہو گیا اور ایک مصیبت ٹل گئی...... بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحیح ترین روایت کے مطابق مقتولین کے وارثوں کو دیت پر آمادہ کیا یا دوسری شکل اختیار کی...... جو بھی ہوا، مصیبت و بلا ٹل گئی:

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر بگذشت

اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافتی معاملات کو بھرپور طریق سے سلجھانا شروع فرما دیا۔

لیکن برا ہو فتنہ گروں اور سازشیوں کا، جنہوں نے فتنہ کے ایام میں اس واقعہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ناکردہ گناہوں میں شمار کیا۔ انہوں نے اس کو تو نہ دیکھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تدبیر و حکمت اور مالی ایثار و قربانی نے ایک غمزدہ خاندان کے نوجوان کو جہاں موت کے منہ میں جانے سے بچایا۔ وہاں دشمنان دین کے بعض گھرانوں کو دنیوی سکے دے کر ظلم و تعدی سے روک دیا۔ فتنہ گروں نے کہا تو یہ کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مال سے دیت ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کیا اور قصاص کی راہ روکی جب کہ منطقی انجام قصاص ہی ہے۔

Marfat.com

حالانکہ کسی کو زبردستی دیت تو نہیں دی جا سکتی جب تک لینے والے خوشی سے راضی نہ ہوں، جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں خوشی سے آمادہ کر کے دیت دی اور یہ ان کا بڑا کارنامہ ہے...... سازشیوں اور فتنہ گروں نے جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال میں جن نا کردہ گناہوں کو رقم کیا، وہ تمام تر آپ کی ذات گرامی پر ظلم کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں اور اسلام کے واضح احکامات سے جہالت کا شاخسانہ ہیں...... اس دور میں موجود صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فتنہ پروروں کو بہر طور سمجھانے کی تدبیر وسعی کی لیکن وہ مفسد وفتنہ پرور برابر شیطانیت کی طرف مائل رہے۔ شیطان لعین نے ان کے مکروہ اعمال وافعال کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا کر ان کی بدبختی کا سامان کیا اور یہ لوگ خلافت اسلامیہ کا نظام مختل کر کے اور ایک امام عادل وراشد کو مظلومانہ شہید کر کے اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کے مستحق قرار پائے...... کسی قدر تفصیل آئندہ آئے گی۔

گورنروں کے نام

حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قضیہ سے نمٹنے کے بعد آپ نے صوبائی ہیڈ کوارٹرز کو خطوط ارسال کیے اور جو گورنر حضرات وہاں مصروف کار تھے، انہیں مخاطب کیا اور ہدایات دیں۔

بڑے بڑے صوبائی مراکز کی سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد کے آخر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کی ابتدا میں یہ شکل تھی۔

مکہ معظمہ: اس کے امیر حضرت نافع بن عبدالحارث الخزاعی رضی اللہ عنہ تھے۔

الطائف: اس کے گورنر سفیان بن عبداللہ الثقفی رضی اللہ عنہ تھے۔

الصنعا: اس کے امیر حضرت یعلی بن منبہ رضی اللہ عنہ تھے۔

الجند: اس کے گورنر حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ تھے۔

البحرین: اس کے گورنر حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ تھے۔

الکوفۃ: اس کے امیر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تھے۔

البصرۃ: اس کے امیر حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ تھے۔

دمشق: اس کے امیر حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ تھے۔

حمص: اس کے امیر حضرت عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ تھے۔

Marfat.com

مصر: اس کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔

آپ نے جملہ امراء کو خطوط میں وصیت فرمائی اور لکھا:

''امّا بعد! اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ اور امراء کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے معاملات کی نگہبانی کریں اور اس بات کی بالکل اجازت نہیں دی کہ وہ ان کی گردنوں پر سوار ہو جائیں...... یاد رکھیں خوبصورت ترین سیرت اور بہترین کردار یہی ہے کہ آپ لوگ مسلمانوں کے معاملات پر گہری نظر رکھیں۔ مال و دولت میں ان کا جو حق ہے۔ وہ بن مانگے انہیں دیں اور جو ان پر واجبات ہیں وہ بسہولت وصول کریں...... پھر اسی طرح ذمی حضرات کے حق ہیں وہ انہیں دیں اور ان کے ذمہ جو واجبات ہیں وہ ان سے وصول کریں...... بعدازاں جو دشمن ہیں۔ جن کے ساتھ معاہدے ہیں، ان کے ایفا کا راستہ ہموار رکھیں تاکہ ایفاء عہد میں دشواری نہ ہو۔''

سرکاری عملہ کے وہ ارکان جو مالی واجبات کے لیے متعین ہیں...... انہیں بھی خطوط لکھے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ ہر حال میں امانت اور وفا کا لحاظ رکھیں اور ظلم سے بچیں۔ لشکروں کے وہ امراء جو سرحدات پر مشغول جہد تھے...... انہیں لکھا:

''تم فی الاصل اسلام کی آبرو اور آن ہو...... تم میں سے کسی کے متعلق مجھے یہ رپورٹ نہ پہنچے کہ اس میں کسی قسم کی کردار و سیرت کی تبدیلی آ گئی ہے، ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ بھی حالات تبدیل کر دیں گے اور تمہاری جگہ دوسری اقوام لا کھڑی کریں گے...... ہر لمحہ اپنے حالات پر غور رکھو کہ تم کس حال میں ہو۔''

عوام الناس کے نام بھی خطوط لکھے گئے اور اس میں لکھا کہ یہ دنیا نری دھوکہ کی ٹٹی ہے...... جو حق کے اتباع اور تابعداری سے لوگوں کو اس شکل میں بے راہ کر دیتی ہے جب اسے دل میں بسا لیا جائے...... عوام کو دنیا کی محبت سے ڈراتے ہوئے وصیت کی کہ وہ فدا کاری، اتباع حق اور کتاب و سنت کی راہ پر چلنا ہی اپنی عادت بنائیں...... یہ مکاتیب گرامی...... ایک خوبصورت ابتداء تھی، الحمد للہ تعالیٰ کہ اس کے بعد حالات خیر و خوبی کے ساتھ رواں دواں رہے۔

Marfat.com

بعض علاقوں سے معاہدہ شکنی کی اطلاعات ملیں...... جیسا کہ ایسے مواقع پر ہوتا ہے...... تو فوری طور پر مجاہدین اسلام کے لشکروں نے ادھر کا رخ کر کے حالات کو سنوار دیا...... اس کی بحث فتوحات کے ضمن میں آئے گی...... اس سے قبل آپ کے اس تاریخی کارنامہ کا ذکر ضروری ہے جس کا تعلق قرآن مجید سے ہے کہ آپ نے پوری مسلم دنیا کو ایک مصحف پر جمع کر دیا...... مسجد نبوی اور مسجد حرام کی توسیع کا ذکر ہو چکا ہے۔

اس امت کو بچائیں

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے تشریف لاتے ہیں گھبراہٹ یہ ہے کہ اللہ نہ کرے کہ قرآن ضائع ہو جائے، دراصل یمامہ کی جنگ کی شدت نے ماہرین قرآن کی ایک بڑی جماعت کو موت کی وادی میں دھکیل دیا...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"مجھے ڈر ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ ضائع نہ ہو جائے، میری رائے میں اس کو جمع کر دینا لازم ہے۔"

بڑی بحث و تمحیص کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آمادہ ہوئے تو انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر لگایا۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کمال درجہ محنت و ہمت سے اس معرکہ کو سر کیا اور "مصحف مقدس" کو خلیفہ و جانشین رسول...... سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تحویل میں دے دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو یہ نسخہ ان کے سپرد ہو گیا اور ان کی تحویل میں رہا...... ان کی شہادت کے بعد یہ نسخہ پیغمبر معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی...... حضرت حفصہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا اور ضوانہ کی تحویل میں رہا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دور حکومت آیا تو صحابہ علیہم الرضوان اطراف عالم میں پھیل چکے تھے...... غیر صحابہ، صحابہ سے قرآن عزیز کی تعلیم حاصل کرتے...... بعض حضرات کا لہجہ بعض دوسروں سے مختلف تھا...... مملکت اسلامی برابر وسعت پذیر تھی اور لوگ بکثرت اسلام میں داخل ہو رہے تھے...... بعض حضرات بعض سے بالمشافہ قرآن مجید حاصل کرتے اور شہر والے اس معاملہ میں بے حد حریص تھے۔

اسی دوران ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس سے سب حضرات چوکنے ہو گئے...... وہ یہ کہ بعض غزوات میں بعض...... حضرات ایک دوسرے سے ملتے تو ہر ایک ایسے لہجہ میں قرآن پڑھتا جو دوسرے سے مختلف ہوتا...... پھر اس میں تعصب کی بو بھی آنے لگی۔

Marfat.com

سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے سامنے اس قسم کے اختلافات آئے تو انہوں نے وقت نظر سے آنے والے حالات پر غور کیا...... وہ گہری فکر میں ڈوب گئے۔ انہوں نے اپنے طور پر یہ سوچا اور بالکل درست کہ:

''جب چند سال مزید گزر جائیں گے اور صحابہ علیہم الرضوان سے یہ دنیا خالی ہو جائے گی...... تو حالات کی شکل کیا ہوگی؟ ہر طبقہ کا ہر شخص اس بات کا دعویٰ کرے گا کہ اس نے جو سیکھا اور حاصل کیا وہی صحیح ہے اور باقی سب غلط!''

ظاہر ہے کہ ہر قرأت اور لہجہ کے لیے کچھ امتیازی مسائل تو ضرور تھے...... اس لیے غزوات کی گرمی سے جونہی فرصت ملی وہ بھاگم بھاگ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا:

''امیر المومنین! جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی اپنی کتابوں میں شدید اختلافات کا شکار ہو کر رہ گئے۔ اس طرح کی صورت حال پیدا ہونے سے قبل اس امت کو بچالیں۔''

سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے ساری صورت حال واضح کی...... ان کے سامنے اختلاف قرأت و لہجہ کے حوالہ سے جو جھگڑے رونما ہوئے اور تعصب کی شکلیں پیدا ہوئیں، انہیں تفصیل سے بیان کیا...... تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ گہری فکر میں ڈوب گئے۔

امیر المومنین نے فی الفور اس مسئلہ کی طرف توجہ دی، مدینہ منورہ میں موجود صحابہ کرام کو اکٹھا کیا اور مجلس شوریٰ کا اہتمام کیا...... معاملہ مشورہ کے لیے پیش ہوا تو سب حضرات اسی طرح مستقبل کے حوالہ سے خوف کا شکار ہو گئے۔ جیسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا حال تھا...... چنانچہ پورے غور و فکر کے بعد سب نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک نہایت جرأت مندانہ اقدام کا مشورہ دیا۔ وہ یہ کہ جو نسخہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تیار ہوا تھا، اس کے نسخے تیار کرائے جائیں اور انہیں تمام علاقوں میں ارسال کر دیا جائے تاکہ آئندہ تعلیم و تعلم کے لیے یہی واحد نسخہ مرجع خلائق ہو...... اس طرح امت ایک نسخہ پر متفق ہو کر رہ جائے گی اور لہجوں کا اختلاف اور تبدیلی مرور ایام کے باوصف حارج نہ ہوگی۔

Marfat.com

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، جنہوں نے ابتدا میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور سعادت میں ایک نسخہ کی تکمیل کی تھی...... انہیں ہی بار دگر یہ ذمہ داری سونپی گئی اور ان کے ساتھ ایک دوسری جماعت کو ان کی معاونت کے لیے مقرر کیا گیا تا کہ وہ نسخے تیار کر سکیں...... امیر المومنین نے ان حضرات کو ایک لائن دی اور فرمایا کہ:

''جب تمہارا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو قریش کی لغت میں لکھنا کیوں کہ قرآن مجید بنیادی طور پر لغت قریش میں نازل ہوا ہے۔''

سیدنا حفصہ رضی اللہ عنہا سے نسخہ مستعار لیا گیا اور ان سے وعدہ کیا گیا کہ جب تمام نسخے مکمل ہو جائیں گے تو ان کا نسخہ انہیں لوٹا دیا جائے گا...... ان کے نسخہ کو مختلف نسخے نقل کرنے والی جماعت کی رہنمائی کے لیے اس کے سپرد کر دیا گیا۔

جب مختلف نسخوں کی نقل مکمل ہو گئی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اصل نسخہ واپس لے کر سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا و رضوانہ کے سپرد کر دیا اور باقی نسخے اپنی تحویل میں لے لیے...... جن میں سے ایک نسخہ اپنے پاس رکھا جسے ''المصحف الام'' کا نام دیا گیا اور باقی نسخے مکہ معظمہ، شام، یمن بحرین، بصرہ اور کوفہ ارسال کر دیئے...... ساتھ ہی تمام صوبوں میں ہدایت بھیجی کہ مختلف لوگوں کے پاس مکمل شکل میں یا متفرق شکل میں جو اجزا موجود ہوں انہیں تلف کر دیا جائے اور اس مرکزی نسخہ کی نقلیں لوگ بنا کر ان سے استفادہ کریں...... خود مدینہ منورہ میں آپ نے منادی کرا دی کہ جس کسی کے پاس کلام مجید کا کوئی مکمل نسخہ ہے یا متفرق اجزا ہیں۔ وہ ان کے پاس لائے جائیں یہ سب ہو گیا تو اکابر صحابہ اور اہل الرائے بزرگوں کی رائے اور اجتماعی مشورہ سے یہ سب تلف کرا دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد آخر میں مدینہ کے بھگوڑے یہودیوں اور ایرانی مجوسیوں کی ملی بھگت سے فتنہ برپا ہوا تو ان روسیاہوں نے آپ پر ایک الزام یہ بھی لگایا تھا کہ آپ نے قرآنی اوراق ضائع کرائے تھے...... اس بدترین الزام و اتہام کا جواب سیدنا المخدوم علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یوں دیا:

''اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہ کام نہ کرتے تو میں خود یہ کام کر گزرتا اس میں شک نہیں کہ انہوں نے یہ اقدام کیا تو ہماری رائے سے اور ہمارے سامنے......

Marfat.com

پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ رب العزت انہیں ساری امت کی طرف سے بہترین جزا دے۔"

یہ کارنامہ فی الحقیقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے لیے توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے اور سورۂ حجر کی آیت ۹ کا عملی مظاہرہ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ.

"ہم نے ہی "الذکر" (قرآن مجید) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔"

ہر گھڑی اور ہر آن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتے ہیں...... جو کلام مجید کی حفاظت کا فرض سرانجام دیتے اور فتنہ گروں کی فتنہ گری کے سامنے بند باندھ دیتے ہیں تاکہ یہ کتاب مقدس بغیر کسی تحریف و تبدیلی، ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہے:

فجزی اللہ تعالیٰ جمیع خادمی القرآن خیر الجزاء و احسن الجزاء.

دور عثمان کی فتوحات

جوانوں کی سی ہمت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب مملکت کے مختلف علاقوں میں پھیل گئی اور یہ بھی علم ہو گیا کہ ایک مجوسی آپ کا قاتل ہے۔ تو بعض علاقوں میں فتنہ و شر کی کیفیت پیدا ہو گئی...... یہ صورت حال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جیتے جی ممکن نہ تھی...... البتہ اہل شرارت کسی قسم کی حرکت نہ کر پائے، وہ اس انتظار میں تھے کہ نیا خلیفہ کون بنتا ہے؟

اور جب انہوں نے سن لیا کہ خلیفہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن گئے ہیں تو انہوں نے تمرد سرکشی کے ساتھ بال و پر نکالنا شروع کر دیئے۔ ان کی مکروہ فطرت ظاہر ہونے لگی۔ ان کے خیال میں سیدنا عثمان عمر رضی اللہ عنہ بہت نرم خو شخص تھے، ان پر حیا کا غلبہ تھا، ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ کسی قسم کی جوابی کارروائی اور جنگ وجدال کے حق میں وہ نہ ہوں گے...... پھر یہ بھی خیال تھا کہ وہ ستر سال کے بزرگ اور بوڑھے انسان ہیں، جوابی کاروائی کی طاقت بھی ان میں نہ ہوگی۔ جنگ آزماؤں اور سورماؤں کی عمر سے وہ گزر چکے تھے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص عمر

Marfat.com

رضی اللہ عنہ جیسے حضرات تو گویا جواں سال تھے، یہ بوڑھے تھے...... بڑھاپے کی منزل میں تھے...... اس لیے ان شرپسندوں کو توقع تھی کہ وہ کمزور ہیں، عاجز ہیں، اس لیے ان روسیاہوں نے ارتداد کی راہ اختیار کرلی اور بدتمیزی اور شرانگیزی کا رویہ اختیار کرلیا۔

لیکن یہ ان کی بھول تھی...... خلافت سنبھالتے ہی جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے جسم میں جوانوں کی سی ہمت اور بہادر سورماؤں کی روح عود کر آئی...... جب انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ ارتداد اور سرکشی کی راہ پر چل کھڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے دیر نہیں کی، نہ کسی قسم کے تردد کا شکار ہوئے، حتیٰ کہ اس واضح معاملہ میں کسی سے مشورہ تک نہ کیا۔ فوراً حکم صادر کردیا کہ اس آگ کو بجھا دیا جائے اور مرتد عناصر کو ملیامیٹ کردیا جائے...... ظاہر ہے کہ وقت بہت کم تھا اور سوچ و بچار یا مشورہ کی گنجائش نہ تھی...... اس فتنہ کی سرکوبی کے بعد اسلامی لشکر ان فتوحات کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ جن کا سلسلہ دور فاروقی میں رواں دواں تھا بلکہ اس سے آگے قدم بڑھایا اور ضرورت کے تحت بحری قوت اور کشتیاں فراہم کرنے اور تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ دراں حالیکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی تمام تر ہمت و بسالت کے باوصف اس معاملہ میں متردد تھے...... ان کے خیال شریف میں بحری جنگوں کی ناتجربکاری کے سبب مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کا خدشہ تھا...... لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے توکلاً علی اللہ قدم بڑھانے کا فیصلہ کرلیا (کہ رومی قوت کا قلع قمع اس کے بغیر ممکن نہ تھا)۔

جب اسلامی لشکروں نے اپنے بوڑھے حکمران کی ہمت و جرأت کا یہ تماشہ دیکھا تو ان کی ہمتیں بھی جوان ہوگئیں وہ برابر قدم بڑھانے لگے اور اپنے دشمنوں پر بحری لڑائیوں میں برتری حاصل کرنے لگے اور توفیق الٰہی سے متعدد جزائر فتح کرلیے...... اب گویا اسلامی لشکر بر و بحر میں پھیل چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں برابر فتح و کامرانی کی خبریں آرہی تھیں...... مال غنیمت اور مختلف طرح کے سامان کے ڈھیر چلے آرہے تھے اور مادی نعمتوں کے دروازے مسلمانوں پر کھل گئے تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے لوگوں کے لیے مالی وسعت کا اہتمام کیا، عطیات میں اضافہ فرمایا...... چونکہ مال موجود تھا، اس لیے دور فاروقی سے کہیں زیادہ وظائف مقرر فرما دیئے...... انہوں نے مسجد نبوی میں معتکف حضرات، عبادت گزار بزرگوں اور مسافروں کے لیے ہمہ وقت کھانے پینے کا اہتمام فرمادیا۔

Marfat.com

مال کی بہتات فتوحات کی کثرت کے سبب تھی اور اس وجہ سے کہ خلیفہ اپنی رعایا اور لشکروں کے ساتھ حد درجہ مخلص تھا۔

آئندہ سطور میں ''جیش شام'' اور ''جیش مصر''، ''جیش عراق'' اور ''بحری لڑائی کے حوالہ سے ہم الگ الگ موضوعات پر گفتگو کریں گے...... انشاء اللہ تعالیٰ۔

جیش عراق

جیش عراق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے...... کوفہ کا محاذ، بصرہ کا محاذ۔

ہر دو محاذوں کے لشکروں نے موقعہ ومحل کی مناسبت سے پوری ہمت اور جرأت سے قتال میں حصہ لیا...... کوفہ کے لشکروں نے ''رے'' اور آذر بائیجان'' کے علاقوں کو سنبھالا تو بصرہ کے لشکروں نے اصطغر، خراسان اور نیشا پور کے علاقوں پر داد شجاعت دی۔

کوفہ کے لشکر میں چالیس ہزار جنگ آزما بہادر شامل تھے، ان میں سے دس ہزار جنگ آزما ہر سال عملاً قتال میں حصہ لیتے...... گویا ہر چار سال میں ایک فوجی کو جنگ کا موقعہ آتا...... لیکن یہ کیفیت عام حالات میں تھی...... ہنگامی حالات میں ایسا بھی ہوتا کہ سارے لشکر کو نبرد آزما ہونا پڑتا اور بوقت ضرورت دوسرے محاذوں سے بھی کمک آتی...... جیسا کہ آگے آئے گا۔

آذر بائیجان کا معاملہ، سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں سیدنا حذیفہ بن الیمان کی وساطت سے طے پا گیا تھا، اب وہاں کے لوگوں نے سرکشی اختیار کی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے والئ کوفہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اس علاقہ کے معاملات سلجھانے کی ذمہ داری سونپی...... انہوں نے ابتداء میں حضرت سلمان بن ربیعہ الباہلی رضی اللہ عنہ کو قائد لشکر بنا کر روانہ کیا۔ پھر خود کمک لے کر گئے، آذر بائیجان کے لوگوں نے اس صورت حال کو دیکھ کر بغیر کسی تاخیر، سیدنا حذیفہ والی شرائط پر مصالحت کر لی۔

سیدنا ولید نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اور دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے لشکر ارسال کیے تاکہ علاقہ میں پوری طرح امن ہو جائے اور بغاوت وغداری کے جراثیم پوری طرح تلف ہو جائیں...... پھر حضرت سلمان باہلی رضی اللہ عنہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ آرمینیہ تشریف لے گئے اور وہاں کے حالات کو پوری طرح ہموار کیا اور سرکشی کے آثار کا قلع قمع کیا اور وہاں سے اس حال میں واپس

Marfat.com

تشریف لائے کہ مالِ غنیمت کی بڑی مقدار ان کے ہمراہ تھی...... حضرت ولید اس کے بعد سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے ہمراہ کوفہ واپس تشریف لائے...... حضرت ولید جونہی واپس کوفہ تشریف لائے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکتوب گرامی ملا، جس میں لکھا تھا:

> ''امابعد...... معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان نے مجھے اطلاع دی ہے کہ رومی مسلمانوں کے خلاف اپنی قوت جمع کر رہے ہیں میری خواہش ہے کہ کوفہ کے مسلمان بھائی ان کی مدد کریں...... میرا خط جونہی پہنچے تو ایسے افراد جن کی ہمت و شجاعت، جنگی مہارت اور اسلامی اخلاص سے آپ خوب واقف ہوں، انہیں ان کی مدد کے لیے روانہ کریں، یہ امدادی لشکر آٹھ یا نو یا دس ہزار کی تعداد میں ہونا لازم ہے...... میرا نمائندہ پہنچتے ہی یہ کام ہونا لازم ہے...... والسلام۔''

سیدنا ولید نے فوراً لوگوں کو جمع کیا اور رومیوں کے خلاف برادرانِ شام کی مدد کے لیے خوب ترغیب دی تین دن کے اندر اندر آٹھ ہزار منتخب بہادر افراد جمع ہو گئے اور حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ بھی ہو گئے...... لشکر شام کی سربراہی سیدنا حبیب بن سلمہ الفہری رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنا لشکر ان کے لشکر میں ضم کر دیا، اس اجتماعی لشکر نے رومیوں کے خلاف شدید قتال کیا، ان کے متعدد قلعے فتح کیے اور اس کے بعد کوفہ کے حضرات واپس تشریف لے آئے۔

اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی امارت سے سبکدوش کر دیا[۳۳] اور ان کی جگہ حضرت ربیعہ بن العاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا امیر مقرر کیا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے ذمہ داری سنبھالتے ہی ایک بڑے لشکر سمیت خراسان کا رخ کیا کہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہونے والے عہد کو اہل خراسان توڑ چکے ہیں...... اہل خراسان کی سرکوبی کے لیے ان سے قبل بصرہ کے امیر و گورنر حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے حکم سے نکل چکے تھے۔

جناب سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لشکر میں صحابہ علیہم الرضوان کی ایک بڑی جماعت شامل تھی۔ جن میں حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی

Marfat.com

اللہ عنہم شامل تھے...... جب خراسانیوں نے اس صورت حال کو دیکھا تو سابقہ مصالحت کی طرف جلدی سے لوٹ آئے اور سابقہ عہد و پیمان کو قائم رکھنے کا اعلان کر دیا۔

پھر جناب سعید رضی اللہ عنہ طبرستان کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں انہیں شدید لڑائی سے واسطہ پڑا، حتیٰ کہ ''صلاۃ خوف'' پڑھنا پڑی جو جنگ کی شدت کا عملی مظہر تھی[۳۴]۔

سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء سمیت برابران کے قلعوں کا محاصرہ کئے رکھا تا آنکہ وہ اطاعت کی طرف رجوع پذیر ہوئے اور مصالحت کی راہ اختیار کر لی۔

کوفی محاذ کے لشکر کی کارکردگی کے کچھ نتائج آپ نے دیکھے......اب بصری لشکر کی طرف آئیں...... یہاں جو جنگ جو لوگ تھے۔ انہوں نے نہ صرف دور فاروقی کی صلح اور معاہدہ امن کو پامال کیا بلکہ وہاں کے امیر حضرت عبداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ تک کو قتل کر دیا......بصرہ کے گورنر پہلے تو حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ قرار پائے۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جناب عبداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کے قتل کا سنا تو معلوم ہوا کہ لوگ فرار ہو رہے ہیں۔ ان کی قیادت کرنے والا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ ثقفی ہے...... چنانچہ دونوں لشکر ''اصطغر'' نامی مقام میں آمنے سامنے ہوئے وہاں کے باشندے مسلمانوں کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور فتوحات پر فتوحات حاصل کرتے چلے گئے......اسی اثنا میں اہل اصطغر نے ایک بار پھر تمرد و سرکشی کا رویہ اختیار کیا۔ اب کی بار جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلی بار کی طرح ایک بار پھر شدید جنگ ہوئی......اب دوسری بار انہوں نے مکمل طور پر ہتھیار ڈال دیئے اور پھر کبھی اس طرح کی جرأت نہیں کی۔

انہوں نے اس ساری صورت حال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مطلع فرمایا۔ انہوں نے بہت داد دی اور انہیں اپنے عہدے و منصب پر بحال رکھا پھر وہ نیشاپور کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے مصالحت میں دیر نہیں کی۔ پھر جناب احنف بن قیس رضی اللہ عنہ طخارستان اور ارد گرد کے علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان سے جنگ کی نوبت آئی اور اللہ تعالیٰ نے مکمل کامیابی عطا فرمائی۔

پھر حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو ان خبروں سے آگاہی ہوئی کہ جنگ بازوں کے بعض لشکر لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں اور اس ادھیڑ پن میں ہیں کہ مسلمانوں سے جو مصالحت ہے،

Marfat.com

وہ ختم کردی جائے اور عہد و پیمان کو توڑ دیا جائے۔آپ نے حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ کو مامور کیا۔ان کے ساتھ لشکر کا اہتمام کیا۔جس میں زیادہ تر ان کی قوم کے افراد تھے......انہیں وصیت فرمائی:

''بنو تمیم! محبت و آشتی کا رویہ اختیار کرو، راہ حق میں ایثار و قربانی (مالی و جانی) سے دریغ نہ کرو یہی اسباب ہیں جو تمہارے معاملات کی اصلاح و درستگی کا سبب بنتے ہیں۔

جہاد کی ابتداء اپنے پیٹ اور شرمگاہوں سے کرو (حرام کاری سے بچو) اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے دین کی درستگی کا سامان کریں گے۔مال غنیمت اور دوسرے مالی معاملات میں خیانت سے بچو، اس جہاد کے جملہ امور میں تمہاری صوابدید پر چھوڑتا ہوں۔''

حضرت اقرع بن حابس بجلی کی تیزی کے ساتھ بڑھے۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرکوں کے مقابلہ میں کامل فتح و نصرت سے نوازا۔مجوسی ایران کا آخری بادشاہ ''یزدجر'' بزدلانہ طریق سے فرار کی راہ اختیار کرتے ہوئے ایک معرکہ کے دوران عبرتناک طریق سے مارا گیا......اس کو ایک ایسے جنگ جو نے قتل کیا (اپنے ہی نے) جو ان موتیوں اور سونے پر نظر رکھے ہوئے تھا جو لے کر ''یزدجر'' فرار ہو رہا تھا......افسوس کہ اس کی حکومت اور جواہرات کسی کام نہ آئے اور اپنے ہی لشکری نے لالچ میں اس کا کام تمام کر دیا......سچ ہے کہ دنیا دھوکہ کی ٹٹی ہے، کاش لوگ سبق حاصل کریں۔

جیشِ شام

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دمشق کے امیر و گورنر تھے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اس منصب پر قائم رکھا۔ان کے برادر بزرگ سیدنا یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ اردن کے امیر و امام تھے، ان کی وفات پر ان کا علاقہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحویل میں دے دیا گیا......پھر فلسطین کا علاقہ وہاں کے گورنر علقمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اور اس کے بعد حمص کا علاقہ وہاں کی امیر و گورنر کی علالت کے سبب استعفیٰ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا۔اس طرح شام

Marfat.com

کا پورا علاقہ حضرت معاوضہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں آ گیا...... رومی مسلمانوں کی ضد میں کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال کے لیے لشکر تیار کیا اور ایک عظیم الشان لشکر سمیت ''عموریہ'' کی طرف تشریف لے گئے، راستہ میں طرطوس اور انطاکیہ کے درمیان بعض خالی قلعے ملے، وہاں آپ نے شام اور جزیرہ کے لشکریوں کو نگہبان مقرر کیا...... بعدازاں انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے آرڈر آیا کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو آرمینیہ بھیجا جائے۔ چنانچہ جناب حبیب رضی اللہ عنہ اس مہم پر روانہ ہو گئے...... درمیان کے طویل راستہ میں متعدد شہروں کے بسنے والوں نے ان سے مصالحت کی اور بعض نے جزیہ دینے کا وعدہ کیا...... اسی دوران جناب حبیب رضی اللہ عنہ کو رپورٹ ملی کہ ایک رومی سردار اسی ہزار لشکری اکٹھے کر چکا ہے اور وہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنا چاہتا ہے۔ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا اور ان سے مشورہ مانگا۔ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رجوع کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے امیر و گورنر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ برادران شام کی مدد کی جائے، انہوں نے فوراً آٹھ ہزار جنگ آزما مجاہد حضرت سلمان بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام بھیجے، اہل کوفہ اہل شام میں ضم ہو گئے اور صبر آزما جنگ کے رومی سورماؤں کا سرِ غرور خاک میں ملا دیا...... تاہم سمندری راستہ سے خطرات بدستور موجود تھے۔ آئندہ سطور میں ہم دیکھیں گے کہ اس خطرہ سے نمٹنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی گئیں، یہ تجربہ کیسا رہا، جنگ کس طرح ہوئی اور مسلمانوں کو کس طرح فتح ہوئی......؟

بحری لڑائی

مسلمانوں کو اس سے قبل نہ تو بحری لڑائی سے متعلق معلومات تھیں نہ ہی سمندری کوائف و حالات سے اور نہ ہی وہ عام حالات میں بحری سفر کی جرأت کر سکتے تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تھی کہ بحری بیڑہ بنایا جائے لیکن حضرت فاروق نے سختی سے منع کر دیا، ان کے خیال میں یہ اقدام مسلمانوں کی بربادی اور انہیں ہلاک کرنے کے مترادف تھا۔

Marfat.com

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری حدود کی ناکہ بندی کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری سفر کی اجازت مانگی۔ اس کے لیے انہوں نے حد درجہ آہ وزاری کی، اس کے اسباب کو بڑی وضاحت سے ذکر فرمایا، انہوں نے اس مقدمہ کو اس طرح پیش کیا کہ اس میں رغبت کا بڑا سامان تھا......

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی لیکن ارشاد فرمایا:

"لوگوں کو ساتھ چلنے کا اختیار دے دینا ان پر سختی نہ کرنا جو از خود خوشی سے چلنا چاہے اسے ساتھ لے جانا اور اس کو ہر طرح مدد دینا۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری لڑائی کے لیے ترغیب دی، انہوں نے کسی پر جبر نہیں کیا اور حضرت عبداللہ بن قیس الحاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جھنڈا تھمایا...... یوں گویا وہ پہلے بحری لشکر کے قائد تھے...... حضرت عبداللہ نے کشتیاں تیار کیں اور دوسرا سامان حرب بھی تیار کیا اور بحری سفر کی ابتداء کی...... اس دوران انہیں پچاس سے زائد چھوٹی بڑی جھڑپیں اور لڑائیاں لڑنا پڑیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی ایک میں بھی انہیں شکست نہ ہوئی۔

۲۸ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص کے علاقہ کی طرف بحری مہم کی از خود قیادت کی، اس میں اکابر صحابہ ان کے ہمراہ تھے۔ جن میں حضرت ابوذر غفاری حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی اہلیہ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی تھیں...... یہ وہی بزرگ صحابیہ خاتون ہیں جنہیں بحری لشکر و جہاد کی بشارت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ بخاری میں تفصیل موجود ہے:

"چونکہ یہ خاتون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی اعزہ میں تھیں، اس لیے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار ان کے یہاں تشریف لے جاتے، ایسے ہی ایک موقعہ پر آپ کی آنکھ لگ گئی اور جب آپ جاگے تو آپ خوشی سے ہنس رہے تھے، سیدہ ام حرام نے اس ہنسی کا سبب پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا" میری امت کے کچھ افراد وسط سمندر میں جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے مجھے دکھلائے گئے۔ گویا یہ سمندری شہزادے ہیں جو تختوں پر سوار ہیں...... حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی

Marfat.com

اس لشکر میں شامل ہونے کی توفیق دے دے تو آپ نے ان کے لیے دعا کی...... جو اللہ تعالیٰ نے منظور فرمالی۔"

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس مہم سے پیغمبر اسلام کی وہ پیشین گوئی پوری ہوگئی، مسلمان واقعی جنگی کشتیوں پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے اور سیدہ ام حرام بھی شامل تھیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی جاری رکھی، آپ کی منزل قبرص تھی، ادھر مصر سے سیدنا عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مدد کے لیے تشریف لائے ان کے ساتھ بہادر اور جنگ آزما لشکری تھے، مصری اور شامی جنگ آزماؤں کے اشتراک کے نتیجہ میں قبرص عیسائیوں نے مسلمانوں سے مصالحت کرلی اور مسلمانوں کو جزیہ دینے کا اقرار کرلیا اور مصالحتی شرائط پر مسلمانوں اور عیسائیوں کا اتفاق ہوگیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ابی سرح اپنے علاقوں کی طرف اس طرح لوٹے کہ وہ کامیاب وکامران تھے اور مال غنیمت وافر مقدار میں میسر آیا تھا۔

۳۱ھ میں رومیوں نے اپنی بھرپور قوت جمع کی اور مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کی نیت سے نکلے ان کے پاس پانچ سو کشتیوں کا بحری بیڑہ تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دوسو کشتیوں کا بیڑہ تیار کیا اور منتخب روزگار افراد کا لشکر اور بحری جنگی سامان لے کر رومیوں سے بھڑ گئے۔ رومیوں کا قائد قسطنطین بن ہرقل تھا۔ مسلمان اپنے دشمنوں کے قریب ہوگئے اور انہیں دعوت دی کہ خشک زمین پر آؤ تاکہ پنجہ آزمائی ہو سکے لیکن انہوں نے اس سے انکار کردیا اور اپنی کشتیاں ایک دوسرے سے باندھ دیں تاکہ کسی کی واپسی کا امکان نہ رہے۔ پھر مسلمانوں نے دشمن کی بعض کشتیوں کا تعاقب کیا۔ ادھر سے بھی ایسا ہی ہوا حتیٰ کہ شدید جنگ شروع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ثابت قدمی بخشی، ان کے بعض رفقاء شہید ہوگئے۔

جب کہ دشمنوں کے مقتولین کی تعداد مسلمان شہدا سے کئی گنا زیادہ تھی...... حالت یہ تھی کہ ساحل سمندر خون سے سرخ ہوگیا اور مقتولین کی لاشیں سطح آب پر تیرنے لگیں...... جنگ اس طرح انتہا کو پہنچی کہ مسلمان فتح وکامرانی سے سرفراز ہوئے، باقی رومی بھاگ گئے، رومیوں کا قائد قسطنطین شدید زخمی ہو کر بھاگ نکلا۔

اس طرح مسلمانوں نے سمندر کے بیچوں بیچ کتنے ہی معرکے بپا کیے، انہیں دشمن پر فتح وکامرانی حاصل ہوئی اور ثابت ہوگیا کہ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں گے...... فتح انہی کا مقدر ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور اس کا فضل ہے۔

Marfat.com

جیش مصر

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مصر کے گورنر تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اس منصب پر برقرار رکھا...... جب سکندریہ کے لوگوں نے رومیوں کے بہکاوے میں آ کر تمرد وسرکشی کا رویہ اختیار کیا تو حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی جماعت کے ساتھ ان کا تعاقب کیا۔ ٹکراؤ ہوا تو رومی چت ہو گئے اور انہیں عبرتناک شکست ہوئی، مسلمان برابر ان کے تعاقب میں رہے حتیٰ کہ رومی بڑی تعداد میں قتل ہوئے اور قید بھی ہوئے حتیٰ کہ رومی مطیع وفرمانبردار ہو گئے، گھٹنے ٹیک دیئے اور مملکت اسلامیہ کی طرف لوٹ آئے۔

پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے افریقہ کی طرف توجہ کی...... وہاں جہاد وقتال کی طرح ڈالی...... حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر تیار کیا۔ انہوں نے رخت سفر باندھا افریقہ پہنچے، لڑائی ہوئی اللہ تعالیٰ نے فتح دی۔ یہ مال غنیمت بڑی مقدار میں لے کر مصر واپس تشریف لائے، ان کی خواہش یہ تھی کہ افریقہ میں اسلام کی اشاعت ہو، ان کا یہ سفر اس معاملہ میں بڑا مؤثر ثابت ہوا، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد میسر آئی...... اس سفر میں اصلی مقصد تو حاصل نہ ہو سکا لیکن اس سفر کے حوالہ سے افریقہ کے جغرافیائی اور اندرونی حالات کا علم ہو گیا جو آئندہ چل کر بڑا ممد ومعاون ثابت ہوا۔

پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ جانے کی درخواست کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

> ”اگر کل اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ سے افریقہ فتح کرا دیا تو اس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ (جو حکومت کی ملکیت ہے) میں سے پانچواں بطور انعام آپ کو دیا جائے گا۔“

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی السرح نے دوسری مرتبہ افریقہ کا رخ کیا ایک لشکر ان کے ہمراہ تھا۔ دو لشکر انہوں نے مزید تیار کیے، انہیں بھی کوچ کر کے افریقہ آنے کی ہدایت کی۔ تمام لشکر افریقہ کے اندر گھس گئے۔ اجتماعی طور پر تمام لشکر اندر جمع ہو گئے۔ تو افریقیوں سے گھمسان

Marfat.com

کارن پڑا، زبردست لڑائی ہوئی مسلمانوں نے صبر و ہمت سے حالات کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کی زمین اور پہاڑ سبھی فتح کرا دیئے، وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بکثرت اسلام میں داخل ہو گئے...... افریقیوں کی اطاعت و فرمانبرداری بھی اس کے بعد ضرب المثل رہی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت اصول کے طور پر لشکریوں میں تقسیم کر دیا اور خمس (1/5) جو سرکاری حصہ تھا۔ اس کے پانچواں حصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وعدہ کے مطابق رکھ کر باقی (۴/۵ حصہ) دارالخلافہ میں بھیج دیا۔

جب لشکریوں نے اس خصوصی انعام پر اعتراض کو دارالخلافہ تک پہنچایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بر بنائے مصلحت وہ انعام واپس طلب کر لیا۔ جو انہوں نے واپس کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی گورنری سے معزول کر کے حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر بنا دیا...... حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ افریقہ کے مابقی حصوں کی فتح کے لیے ان کی مدد کی جائے اور لشکر بھجوایا جائے...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا لشکر بھیجا جس میں اکابر مہاجرین و انصار کافی تعداد میں تھے...... حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رخت سفر باندھا ادھر رومی ''جرجیر'' نامی سردار کی قیادت میں جمع ہو کر نکلے، گھمسان کا رن پڑا لیکن فیصلہ نہیں ہو رہا۔ وقت لمبا ہو رہا تھا اور لڑائی بڑھ رہی تھی، دوپہر کے بعد تک یہی صورت حال بپا رہی...... پھر استراحت و آرام کے لیے لڑائی سے توقف کیا گیا...... اگلے دن پھر لڑائی ہوئی...... یہی صورت حال جاری رہی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بار دگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کی، انہوں نے نوجوان صحابی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دوسرا لشکر بھیجا۔ جس میں انصار اور جنگ آزما بڑی تعداد میں تھے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جا پہنچے، حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے ملے، دوپہر تک جنگ اور پھر آرام کی کیفیت کو دیکھا...... انہوں نے سوچا کہ فتح کس طرح ممکن ہے......؟ انہوں نے حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لشکر دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک حصہ دوپہر تک لڑائی کرے دوسرا شام تک۔ حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو پسند کر لیا اور دوسرے دن اسی پر عمل شروع ہو گیا۔

Marfat.com

اگلے دن لڑائی شروع ہوئی، دوپہر کے وقت رومی لشکر اپنے اصول کے مطابق واپس ہوا۔ وہ مضبوط لشکر تھا لیکن بہر حال تھکا ہوا تھا...... لیکن مسلمانوں کا دوسرا محفوظ دستہ نکل کھڑا ہوا اور رومیوں کے لشکر کے وسط میں جا پہنچا...... یہ رومیوں کے آرام کا وقت تھا۔ اس لیے وہ مزاحمت نہ کر سکے، شکست کھا گئے ''جرجیر'' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا، حضرت عبداللہ عبد سعد رضی اللہ عنہ نے شکست خوردہ عناصر کے تعاقب اور پوری طرح ان کو ٹھکانے لگانے کی غرض سے لشکر کے مختلف حصے بنا دیئے، جنہوں نے دائیں بائیں تعاقب کر کے انہیں بھگایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جناب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ خوشخبری سنائی گئی۔ ۱۵ مہینے اس علاقہ میں جنگی ضرورتوں کے تحت قیام کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ واپس مصر تشریف لائے...... اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن نافع رضی اللہ عنہ بن عبدالقیس رضی اللہ عنہ قائم مقام گورنر رہے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا یہ ان جنگی مہمات اور فتوحات کا بہت کم حصہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وقوع پذیر ہوئیں...... عراق، شام، مصر اور بحری علاقوں کی لڑائیوں اور فتوحات کا سلسلہ بہت طویل ہے جن کی تفصیل کا موقعہ نہیں...... افسوس کہ لوگوں نے اپنے عظیم اسلاف کی محنتوں اور ان کی کاوشوں کو بھلا دیا، ان اکابر نے کیا کیا اور کس طرح معاملات کو سلجھایا اور حکومتی نظم قائم کیا یہ کسی کو معلوم نہیں وہ یہودی و مجوسی سازش جس نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا راستہ روکنے کے لیے ابتدا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور پھر حضرت عثمان کے عہد آخر میں شدید سازش کی...... اس کی کسی قدر تفصیل آئندہ سطور میں...... انشاء اللہ

الفتنہ

عبداللہ بن سباء الیہودی کی بھڑکائی ہوئی آگ

☆ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی گرفت ڈھیلی کر دو۔

☆ لوگوں سے کہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ناحق خلافت کا منصب ہتھیا رکھا ہے...... علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

☆ ہمت کر کے آگے بڑھو اور حق دار (علی رضی اللہ عنہ) کو اس کا حق لوٹا دو۔

Marfat.com

ابتدا ہوتی ہے

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اعلان پر لوگ خوش تھے اور مطمئن......انہیں اس بات سے بطور خاص راحت محسوس ہوئی کہ نئے خلیفہ رحمدل اور نرم مزاج ہیں......وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حوالہ سے دینی شدت، حزم واحتیاط، رفعت کی بجائے عزیمت جیسے معاملات کی چاشنی سے واقف ہو چکے ہیں۔اب گویا نرمی وملائمت کا ذائقہ چکھنا مقصود تھا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کے نزدیک نہایت ہی محبوب اور پسندیدہ شخصیت تھے، ابتدائی چھ سالوں میں کسی قسم کے فتنہ کا کوئی نشان تھا نہ ہی شر پسند عناصر کی کوئی سرگرمی لوگ بڑے سکون سے وقت گزار رہے تھے، ہر طرح کی راحت حاصل تھی، مال ودولت کی کمی نہ تھی، مال غنیمت خوب آرہا تھا اور سبھی لوگ فتوحات کی طرف متوجہ تھے۔پھر ایک دم ترازو کا پلڑا جھک گیا......لیکن حالات کی یہ تبدیلی ایک دم نہیں ہوئی......دھیرے دھیرے، سجے سجے بات بڑھی......اس پر ایک نظر:

پہلا سبب

ایرانیوں اور رومیوں کے مقابلہ میں ہر میدان میں مسلمانوں کی کامیابی......ظاہر ہے کہ ان کی دشمنی وعداوت کا باعث تھی......شکست خوردہ ذہنیت مکروفریب کی راہ اختیار کرتی ہے اور ہر اس شخص اور طاقت کی ساتھی بن جاتی ہے جو کسی بھی حوالہ سے مکروفریب کا جال بچھائے۔فتنوں کی ابتداء اور فتنہ پروری کے جراثیم ایسے ہی جنم لیتے ہیں۔

دوسرا سبب

یہود کا حاسدانہ رویہ بھی رومیوں اور مجوسی ایرانیوں کے حاسدانہ رویہ سے کم نہ تھا بلکہ کہیں زیادہ اور سخت!

نبی مکرم علیہ السلام نے انہیں مدینہ منورہ سے نکالا تھا نہ صرف مدینہ سے بلکہ نواحی آبادیوں سے بھی اور یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے بدعہدی کی اور رسول مکرم کے قتل کے منصوبے گانٹھے......پھر خیبر سے ان کا اخراج ہوا کہ یہ وہاں رہ کر مشرکوں کو رسول مکرم سے

Marfat.com

لڑائی پر بھڑکاتے۔ مکروفریب کا رویہ ان کی طبیعت ثانیہ تھی اور مسلمانوں سے جنگ اور قتل من بھاتا مشغلہ۔

اسی عمل میں وہ رسوائے زمانہ شخصیت بھی نکالی گئی جو ''ابن السودا'' اور ''ابن سبا'' کے ناموں سے معروف ہے...... رسوائے زمانہ یہودی...... رفض وسبائیت کی سازشی تحریک کا بانی...... اس نے فتنہ کی آبیاری کی، اسے متحرک، مرتب ومنظم کیا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈا، مسلمانوں کے درمیان تفریق کے بیج بونے والا یہی شخص تھا...... اس کا عنوان ''آل بیت کی محبت'' تھا اسی نعرے کو اس نے بار بار دھرایا۔

تیسرا سبب

اسلام بہت سے خطوں میں...... دور دراز پھیل چکا ہے، چاروں طرف کے حالات کا جائزہ معمولی بات نہ تھی، بہت ہی مشکل سوال تھا۔ ادھر پے در پے فتوحات کا سلسلہ رواں دواں تھا، مختلف المزاج لوگوں کا سیاسی نظم آسان نہ تھا۔

(گورنروں کے لیے لازم ہے کہ وہ خلیفہ کی معاونت کریں۔ حسن سیاست کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے ساتھ شفقت کا رویہ اختیار کیا جائے اور عدل وانصاف سے کام لیا جائے۔ اگر کوئی ماتحت کسی حکم میں غلطی کرتا ہے یا ایسا معاملہ اختیار کرتا ہے۔ جس میں بعض لوگوں پر سختی ہوتی ہے تو اس کا عکس مملکت کے انتظام پر پڑتا ہے اور ہوتے ہوتے یہ بات مرکزی حکومت کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہے)

حالات کے پیش نظر ماتحت عملہ بعض لوگوں کی مدد کرتا ہے اور بعض کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ اسی نسبت سے کچھ لوگ حکومت کے مؤید ہو جاتے ہیں، اور بعض اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل پھٹ جاتے ہیں اور جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز متعدد مثالوں میں سے ایک ہے۔

چوتھا سبب

مال کی بہتات، خوشحالی اور لوگوں پر دنیا کی توجہ بہت سے لوگوں کو مالی معاملات اور تجارت میں مشغول کر دیتی ہے جب کہ بعض لوگ اس صورت حال کی اصلاح اور تردید کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یوں لوگ رد وقبول اور مدافعت اور ہنگامہ آرائی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

پانچواں سبب

فقہی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کے نتیجہ میں انسانی قلوب نفرت کا مرقع بن جاتے ہیں اور فتنہ پرور لوگ اس نفرت کو مزید بھڑ کاتے ہیں۔ معروف طریقہ یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں خلیفہ خود اجتہاد کرے اور لوگ اس کے اجتہاد پر عمل کریں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا ہی کرتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے اجتہاد تھے۔ جن پر لوگ عمل کرتے تھے اور کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

حضرات صحابہ کرام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بعض معاملات میں اختلاف کے باوجود حدود ادب کا لحاظ کر کے توقف اختیار کرتے اور فتنہ پرور لوگوں کو حقیقت حال سمجھانے کی کوشش کرتے اس کے باوجود فتنے کی آگ پھیلتی گئی اور جب اسے ایک رخ سے بجھایا جاتا دوسرے رخ سے بھڑک اٹھتی۔

چھٹا سبب

بہت سے لوگ صبح اس حال میں کرتے کہ وہ ہر چھوٹے بڑے کے سامنے ادھر ادھر کی باتیں کرتے۔ وہ امور جو اختلافی اور اجتہادی تھے، انہیں عام رعایا کے سامنے تک نمک مرچ لگا کر دہرایا جاتا، جس کے نتیجہ میں عام لوگ بات کا بتنگڑ بناتے، اس سے نقد و جرح اور جھگڑے کی نوبت آ جاتی۔ بڑے لوگ چھوٹوں کی زبان سے یہ لاطائل باتیں سنتے، نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بھڑکتا گیا، تیزی سے پھیلتا گیا اور کوئی اس پر قابو نہ پاسکا اور نہ اس آگ کو بجھا سکا۔

ساتواں سبب

عصبیت جاہلیہ نے سر اٹھایا، اپنی رائے کے معاملہ میں خودسری عام ہو گئی۔ مشکل یہ تھی کہ دین کے معاملہ میں کم علمی عام تھی، دینی غیرت کی کمی تھی۔ لوگوں کی ایک جماعت کے دلوں میں تخم ایمان کی صحیح طور سے آبیاری نہ ہوئی تھی۔ یہ چیز بھی فتنہ کے پھیلاؤ کا سبب بنی۔

Marfat.com

آٹھواں سبب

ایک مشکل یہ تھی کہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد مختلف مقامات میں پھیل چکی تھی۔ مدینہ سے اکثر لوگ دور ہو چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان اکابر صحابہ کی رائے سے محروم ہو چکے تھے...... اس کی موجودگی ہوتی تو آراء کا تبادلہ ہوسکتا تھا اور بہتر رائے سامنے آ سکتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پالیسی یہ تھی کہ وہ اکابر صحابہ کے مدینہ سے باہر جانے کے مخالف تھے...... ان کے دور میں کوئی جانا چاہتا تو کسی معقول عذر کی بنا پر ایک مقرر مدت کے لیے ان کی اجازت سے جا سکتا...... حتیٰ کہ انہوں نے اکابر صحابہ کو مدینہ سے باہر جہادی مہمات تک میں جانے سے روک دیا تھا جب کبھی اکابر باہر جانے کی اجازت طلب کرتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے:

''تمہارے مختلف شہروں میں پھیل جانے پر مجھے غیر مرئی خوف محسوس ہوتا ہے۔''

اور جو شخص جہاد کی اجازت مانگتا اس سے فرماتے:

''اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ تم نے جو جہاد کیا وہ تمہارے لیے کافی ہے اور آج کے جہاد سے کہیں بہتر آج مصلحت کا تقاضا ہے کہ نہ تم دنیا کے پھیلاؤ کو دیکھو نہ دنیا تمہیں۔''

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہر و محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی جانے والے کو روکا نہیں...... وہ تو ادھر ادھر نکل گئے اور ان کی جگہ دوسرے لوگوں نے لے لی۔

نواں سبب

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض عزیز جوان کے ہی نہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تک کے عہد میں اپنی صلاحیتوں کے سبب مختلف مناصب پر فائز تھے، ان سے لوگوں کو حسد ہو گیا...... شر پسند عناصر ان حضرات کے حوالہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف گز بھر لمبی زبانیں استعمال کرتے...... حالانکہ باصلاحیت افراد سے اجتماعی کام میں تعاون حاصل کرنا جرم نہ تھا۔ پھر اکثر حضرات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے قبل مختلف مناصب پر فائز چلے آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ بھی خفیہ اور کھلے بعض اسباب تھے جو فتنہ کا سبب بنے...... حتیٰ کہ وہ حادثہ رونما ہو کر رہا جس نے امت کو ہلا دیا۔

Marfat.com

فتنہ پروروں کی سرگرمیاں

یہ جن امور کا ہم نے ذکر کیا یہ گویا آنے والی قیامت خیز گھڑی کے لیے تمہید تھے۔ دشمنان اسلام اس سے کہیں بڑھ کر خفیہ تیاری کر چکے تھے اور انہوں نے اس مقصد کے لیے زمین ہموار کر لی تھی۔ اب تو زمین میں بیج ڈالا جا چکا تھا اور اس کا تلخ پھل سامنے آنے والا تھا۔

جس شخص نے اس فتنہ کو حرکت دی، منظم کیا، اس کے لیے لائن آف ایکشن وضع کی اور اس کو عملی جامہ پہنایا۔ اس کا نام عبداللہ بن سبا یہودی تھا جو ''ابن السوداء'' کی کنیت و معروف نام سے جانا جاتا تھا، یہ صنعاء کے علاقہ کا یہودی تھا، دلی طور پر نہیں بلکہ ضرورت کے تحت اس مردود زمانہ نے اسلام قبول کیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صنعا سے مدینہ منورہ منتقل ہو گیا۔

اس یہودی نے بڑی چابکدستی سے حالات کا جائزہ لیا...... ہر خبر کا ریکارڈ رکھا، یہ معلومات حاصل کیں کہ کون کون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسیوں سے خوش ہے اور کون کون ناخوش...... مختلف اسباب کے تحت کن لوگوں کو سزائیں ہوئیں۔ کون لوگ ہیں جو اپنے آپ کو بوجوہ مشکل حالات میں محسوس کرتے ہیں۔

اس نے اکابر صحابہ کرام کے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کیں اور یہ کہ عام لوگوں کا ان میں سے ہر بزرگ صحابی کے متعلق کیا تصور و نظریہ ہے کہ اور لوگ انہیں کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ اس نے مختلف صوبوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں اور ماتحت عملہ کے متعلق رپورٹیں اکٹھی کیں......ان کے مضبوط پہلو کیا ہیں اور کمزور پہلو کیا ہیں......اس کا بھی ریکارڈ فراہم کیا...... اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادات اور ان کی آراء کے متعلق معلومات حاصل کریں تاکہ معلوم ہو سکے کہ انہیں کس حد تک پذیرائی حاصل ہوئی جب اس نے اپنی صوابدید اور ضرورت کے مطابق معلومات اکٹھی کر لیں تو اب اس نے پلاننگ کی۔ اس نے اپنا ہدف خلیفہ مسلمین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بنایا کہ حدود مملکت میں جو ہوتا ہے اس کی آخر میں ذمہ داری خلیفہ پر ہی ہوتی ہے......اس کا مقصد یہ تھا کہ مخلص مسلمان دل برداشتہ ہو جائیں متبادل شخصیت کے طور پر اس نے بزعم خویش مضبوط دلائل کا سہارا لے کر ''حضرت علی رضی اللہ عنہ'' کو تجویز کیا۔ آل بیت کی محبت کا سلوگن ایجاد کیا...... ہر طرف اپنے معتمد ارکان متعین کیے۔

Marfat.com

زہر آلود پروپیگنڈے کے لیے ابتدا یوں ہوئی کہ ہر طرف چرچا ہونے لگا کہ:

''ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے (نیابت کے لیے نبی جس کی وصیت کرتا ہے) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔''

''اور یہ کہ بنات رسول کے معاملہ میں عثمان نے اس امت پر زیادتی کی ہے...... وقت آ گیا ہے کہ حق چھین کر حق دار کو واپس دلایا جائے۔''

پھر وہ مدینہ منورہ سے بصرہ گیا۔ وہاں ایک نیا سلوگن اور نعرہ دیا یعنی:

''تعجب ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ واپسی کا کوئی نہیں کہتا۔''

مزید کہا:

''مسلمانوں پر تعجب ہے تم میں وہ شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) موجود ہیں جو تمہارے نبی کے ''گھر والے'' ہیں [۳۵]۔ اس کے باوجود حکومت کے معاملہ میں تم شدید کوتاہی کر رہے ہو (کہ اس شخص کو نظرانداز کر کے دوسرے کو قبول کیا ہے)۔''

یہ رپورٹ امیر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو اسے بلوایا اور پوچھا تم کون؟ اس نے کہا میں اہل کتاب کا ایک فرد ہوں، اسلام کی رغبت اور آپ کے پڑوس میں رہنے کی خواہش میرے دل میں موجود ہے۔

انہوں نے فرمایا...... تمہارے متعلق مجھے ایسی ایسی رپورٹ ملی ہے کہ تم یہ یہ باتیں کرتے ہو، اس لیے میرے پاس تمہارے لیے گنجائش نہیں، یہاں سے چلے جاؤ۔

وہ وہاں سے نکل کر کوفہ گیا وہاں بھی برابر سرگرم عمل رہا اور جب اس کی شہرت ہونے لگی تو وہاں سے نکل کر مصر چلا گیا۔

مصر میں ایسے ایسے افراد مل گئے جو اس کی پارٹی میں شامل ہو گئے، اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے...... یہ ایسے اشخاص تھے جو بددینی کا شکار تھے، خواہشات کے پجاری۔ تمرد و سرکشی اور جہل و نادانی کے شیدائی۔

''ابن السوداء'' نے کوشش کی کہ ہر شہر میں ایک جماعت منظم کی جائے جو اس کی ہفوات کو پھیلائے...... اس نے ادھر ادھر خطوط لکھنے شروع کیے جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے

Marfat.com

ماتحت گورنروں کے مظالم اور مفاسد کا قصہ ہوتا...... یہ سب جھوٹ اور دجل وفریب کی داستان تھی...... مقصد محض یہ تھا کہ شر وفساد کی لہر اٹھ کھڑی ہو، تمام معاملات درہم برہم ہو جائیں، رعایا کے قلوب واذہان خلیفہ اور ان کے...... ماتحت افراد سے پھر جائیں اور نفرت کی فضا پیدا ہو جائے۔

یہ خطوط پوری منصوبہ بندی سے پھیلائے گئے۔ جہاں یہ بھیجے جاتے وہاں عوام کو جمع کر کے انہیں سنایا جاتا لیکن لوگوں کا ردعمل یہ ہوتا کہ ان خطوط کے لکھنے والے ممکن ہے کس مشکل میں مبتلا ہوں ہم تو ہر طرح عافیت میں ہیں...... ان خطوط و بکثرت پھیلایا گیا حتیٰ کہ مفاسد اور مصائب کا معاملہ عام ہو گیا...... ہر خطہ کے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ شاید دوسرے مقامات پر ظلم کا دور دورہ ہے اور ظلم سے بچا ہوا ہے تو محض ان کا علاقہ...... کہ اپنے یہاں کسی کو کوئی ایسی بات نظر نہ آتی۔ یہ مکروہ پروپیگنڈا مدینہ پہنچا...... صحابہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگاہ ہوئے تو مدینہ میں موجود صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اکٹھا کر کے مشورہ طلب کیا تو یہ فیصلہ ہوا کہ مختلف علاقوں میں تفتیشی ٹیمیں بھیجی جائیں جو تحقیق کریں کہ آیا واقعی کہیں کوئی ظلم ہو رہا ہے یا فساد دین اور بگاڑ پیدا ہو چکا ہے؟

اس فیصلہ کے مطابق حضرت محمد بن مسلمہ کوفہ، حضرت اسامہ بن زید بصرہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، شام، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مصر، (رضی اللہ عنہم) اور بعض دوسرے حضرات دوسرے علاقوں میں بھیجے گئے...... یاد رہے کہ یہ سب جلیل المرتبت صحابہ تھے۔

یہ حضرات اپنے اپنے علاقوں میں گئے، اجتماعی اور انفرادی طور پر لوگوں سے مل کر پوری ذمہ داری سے حالات معلوم کر کے جو دیکھا اور سنا اور محسوس کیا اس کی رپورٹ دی۔ خلاصہ یہ تھا:

> ''جن مظالم و مفاسد کا ڈھنڈورہ پیٹا گیا، ان میں سے کوئی چیز نہ دیکھی نہ سنی نہ مزعومہ بگاڑ کا کوئی اثر نظر آیا اور کہیں بھی کسی شخص نے اپنے علاقہ کے امیر و گورنر کو معزول و برخاست کرنے کی بات نہ کی۔''

یہ سب حضرات قریب قریب ایک ہی وقت واپس آئے گویا جو دن انہیں دیئے گئے ان میں احساس ذمہ داری سے کام پورا کر کے پلٹ آئے البتہ مصر جانے والے بزرگ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کسی قدر تاخیر سے واپس لوٹے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ آئے ہی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مترجم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ یہ رپورٹیں سن کر سمجھ گئے کہ مختلف علاقوں میں فتنہ و فساد کی چنگاری بھڑکائی جا رہی ہے اور خفیہ طریق سے وساوس پھیلائے جا رہے ہیں...... حضرت

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ نے امن وامان کے ان دشمنوں کے قلع قمع کے لیے کوششیں دو چند کر دیں...... آپ نے ساتھ ہی تمام ماتحت گورنروں کو خطوط لکھے۔ جن میں ہدایت کی گئی کہ ان خطوط کو عام لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔ ان کا مضمون یہ تھا:

امابعد میں نے اپنے ماتحت گورنروں اور دوسرے ذمہ دار لوگوں کو موسم حج میں ملاقات کی ہدایت کر رکھی ہے تا کہ صحیح صحیح صورت حال سے میں مطلع ہوتا رہوں اور جب سے مجھے ذمہ داری سونپی گئی میں نے لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی برابر تلقین کی (جو حکومتی ذمہ داری اور فرض ہے)۔

(میری ذات سے متعلق اور میرے گورنروں اور دوسرے ذمہ دار لوگوں سے متعلق اگر کبھی کوئی الزام سامنے آیا تو پورے عدل وانصاف سے اس کی صفائی کی گئی...... جہاں تک میری ذات اور میرے متعلقین کا تعلق ہے، ان کا کوئی حق رعایا کے کسی فرد پر ہے تو اس کو نظر انداز کر دیا، اپنے حق کے لیے کبھی کسی سے تقاضا نہیں کیا بلکہ معاف کر دیا...... اہل مدینہ کے پاس ایسی اطلاعات آئی ہیں کہ بعض کو گڑ بڑ پھیلا کر انارکی کا ماحول پیدا کرنا چاہتے اور لوگوں کو آپس میں لڑا کر مروانا چاہتے ہیں جب کہ بعض لوگ مکروہ پروپیگنڈا میں مشغول ہیں...... اگر کوئی شخص میری ذات یا میرے ماتحت لوگوں میں سے کسی پر اپنا کوئی حق سمجھتا ہے، تو اسے موسم حج میں آ کر مقدمہ ثابت کر کے اپنا کوئی حق لینے کا مکمل اختیار ہے...... ہاں کوئی شخص عفو و درگذر سے کام لے تو سبحان اللہ کہ اللہ تعالیٰ ایسا رویہ اختیار کرنے والوں کو بڑا اجر مرحمت فرماتے ہیں۔"

(یہ مکتوب گرامی ہر جگہ پڑھا گیا...... اس میں شر پسندوں کی حرکات کا جو اشارہ تھا اسے سن کر لوگ بلک بلک کر رونے لگے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خیر و بھلائی اور شر و فتن سے ان کے محفوظ رہنے کی دعائیں کرنے لگے)

موسم حج میں بکثرت لوگ بھی آئے اور امراء بھی...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب کو اکٹھا کر کے ان سے فتنہ پروروں کے لیے رائے مانگی اور جو خطرات نظر آ رہے تھے۔ ان کے سد باب کے متعلق مشورہ پوچھا...... ہر امیر و ذمہ دار سے الگ الگ رائے پوچھی گئی تو اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ مفسدہ پرداز لوگوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس رائے کے حق میں نہ تھے...... وہ بہر طور خلیفہ راشد تھے، عام دنیا دار حکمران نہ تھے...... محض شبہ کی بنا پر گرفت مناسب نہ تھی۔

Marfat.com

اجتماعی معاملات میں ان کا نقطہ نظر نرمی و مروت کا تھا اور یہ کہ معاملات کو دلیل و حجت سے نمٹایا جائے، وہ شدت و سختی کو ناپسند کرتے اور ڈرتے، ان کا خیال یہ تھا کہ اس سے فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے، شدت کے سبب ان کے ہاتھوں مصیبت و ابتلاء کا دروازہ کھلے، یہ بات انہیں مطلق پسند نہ تھی...... انجام زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ وہ قید حیات سے محروم ہو جاتے...... اس لیے انہوں نے فرمایا:

''معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کی چکی اپنا عمل شروع کر چکی ہے...... اس حال میں عثمان رضی اللہ عنہ کام آ جائیں، تو یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے تبریک و تحسین کی بات ہوگی، مرنا گوارا لیکن سختی گوارا نہیں۔

لوگوں کے معاملہ میں نرمی و ملائمت سے کام لو، ان کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت نہ برتو، بلکہ انہیں جائز حدود میں خوب نوازو وہاں جب حدود الٰہی پامال ہونے لگیں تو پھر مداہنت و سستی سے مت کام لینا۔''

اس کے بعد انہوں نے امراء اور گورنروں کو رخصت کر دیا اور وہ اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے۔ شام کے گورنر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان بھی موجود تھے...... مشورہ میں شامل...... انہوں نے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں...... لیکن آپ نے فرمایا:

''رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس کی سعادت کسی شکل چھوڑی نہیں جا سکتی اگرچہ اس راہ میں میری گردن کاٹ دی جائے۔''

انہوں نے عرض کیا کہ وہ شام سے سیکورٹی کے مخصوص دستے بھیج دیتے ہیں۔ جو حفاظت کے لیے مدینہ منورہ میں مقیم رہیں گے...... لیکن فرمایا:

''نبی کے شہر میں بسنے والوں کے لیے مشکل پیدا کرنا مناسب نہیں...... وہاں سے جو دستے آئیں گے ان کا محض قیام بھی اس شہر کے ان لوگوں کے لیے وجہ پریشانی ہوگا۔ جنہوں نے رسول مکرم کے ساتھ ہجرت کی سعادت حاصل کی اور جنہوں نے نصرت و تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔''

ادھر ابن سباء اپنے متبعین میں اپنے افکار کو خوب پھیلا رہا تھا اور انہیں ہدایت کر رہا تھا کہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے لیکن تحریک اس طرح جاری رہے کہ اس پر ظاہری لیبل

Marfat.com

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہو...... (یعنی دین کے نام پر فتنہ انگیزی...... جواب تک یہودی فطرت اور مجوسی مزاج عناصر کا وطیرہ ہے...... (مترجم)

اب اس نے لوگوں کو مدینہ منورہ چلنے کی ترغیب دی تاکہ حکومتی اہلکاروں کے مظالم کے خلاف وہاں احتجاج کیا جا سکے......خلیفہ کے سامنے ان کی غلطیوں کا ذکر ہو سکے اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا جا سکے کہ وہ ان مظالم اور غلطیوں (جو امر واقعہ میں نہیں محض ان کے خیال میں تھیں) کا اعتراف کر کے خلافت سے دستبردار ہو جائیں...... اگر غلطیوں کا اعتراف کر لیں لیکن خلافت نہ چھوڑیں تو عوام کے پاس جا کر انہیں کہا جائے کہ خلیفہ توبہ کے لیے تیار نہیں (تو یہ یہودیوں کے نزدیک تب معتبر ہوتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت چھوڑ دیتے اور ان کے زعم میں ''وصی رسول'' خلیفہ بن جاتے) اس شکل میں ان کا خون بہانا جائز ہوگا اور خلافت اس کو مل جائے گی جو اس کا اصل حق دار ہے......لیکن ادھر مشکل یہ تھی کہ اہل مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، اہل کوفہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اور اہل بصرہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق گردانتے......

یہ بات ابن سبا کے عین مفاد میں تھی کہ جونہی خلیفہ قتل ہو جائیں گے، تو نئے خلیفہ کے لیے مختلف علاقوں کے لوگ الجھ پڑیں گے اور مسلمانوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی جنگ اور فتنہ کھڑا ہو جائے گا، جس سے ان کی قوت کمزور ہوگی اور اسلام کی گاڑی رک جائے گی۔

> ''ابن السودا کا یہ وہ اصل منصوبہ جس کے لیے اس نے تدبیر کی...... اللہ تعالیٰ اسے اور یہود کو اور ساتھ ہی ایرانی مجوسیوں کو تباہ و برباد کرے کہ یہی اصل میں فتنہ، مکر و فریب اور خبث و شیطنت کا منبع تھے۔''

چنانچہ طے شدہ منصوبہ کے مطابق بڑے بڑے شہروں سے لگ بھگ ایک ایک ہزار افراد مدینہ پر چڑھائی کے لیے نکلے......اور مقررہ وقت و دن میں ایک دوسرے سے آملے تاکہ ان کی جو خواہش ہے۔اسے پورا کر سکیں۔

مدینہ منورہ پہنچنے سے کچھ پہلے انہوں نے اپنے وفد اپنی من پسند شخصیات کے پاس بھیجے...... اہل مصر نے جناب علی رضی اللہ عنہ کے پاس...... اہل بصرہ نے جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس اور اہل کوفہ نے جناب زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس...... مقصد یہ تھا کہ یہ حضرات خلیفہ سے مبینہ مظالم کے حوالہ سے گفتگو کر کے یہ مطالبہ کریں کہ وہ ان کا انسداد کریں اور بعض دوسرے مسائل پر بھی گفتگو کریں۔

Marfat.com

لیکن ان اکابر صحابہ نے انہیں مردود قرار دے کر دفع کر دیا اور سمجھ گئے کہ یہ نامراد فتنہ پھیلانا چاہتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ ان بزرگ صحابہ نے ان نامرداوں سے بحث و جدال کیا، انہیں شرم دلائی اور جتنے جھوٹ الزامات تھے ان کی صفائی دی...... تاکہ یہ مطمئن ہو جائیں۔ اولاً اپنے لوگوں کے پاس...... جو مدینہ سے باہر منتظر تھے...... واپس چلے جائیں اور پھر انہیں بھی مطمئن کر کے سب اپنے اپنے شہروں میں لوٹ جائیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنفس نفیس ان کے پاس گئے اور کتاب اللہ کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرنے کی دعوت دی...... انہوں نے ان خبث باطن کے مارے ہوؤں کو شرم دلائی، ان کی جھوٹی تہمتوں اور غلط الزامات کو دلیل و حجت سے رد فرمایا...... اور اس صورت حال کے المناک انجام سے آگاہ کیا...... اور انہیں مجبور کیا کہ وہ خلافت کی اطاعت کا قلاوہ گردن سے نکال کر پھینک کر بدبختی کی وادی میں نہ گریں اور جماعت حقہ سے علیحدگی اختیار کر کے جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔

وہ لوگ ایک مرتبہ اپنے شہروں کی طرف پلٹ گئے...... مدینہ میں موجود مسلمان خیال کرنے لگے کہ معاملہ نمٹ گیا...... حالانکہ وہ مردود ایک نئی تیاری کے لیے وقتی طور پر ٹلے تھے...... یہ سرکش اور باغی عناصر وقتی طور پر بکھر گئے یہ بھی منصوبہ کے تحت ہوا...... کچھ حج کی غرض سے مکہ کو چل نکلے اور کچھ مدینہ منورہ کے بائیں دائیں اپنی کمین گاہوں میں جا گھسے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فتنہ پرور اور مفسدہ پرداز لوگوں کا منصوبہ یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں داخلہ کے لیے ایسی پلاننگ کی جائے کہ اہل مدینہ بالکل غافل ہوں اور انہیں ہمارے منصوبہ کی کسی قسم کی خبر نہ ہو...... یا ان مجرم ضمیر لوگوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ دوبدو گفتگو اور بحث و تمحیص سے انہیں کامیابی نہ ہوگی۔ اس کے لیے سازش اور خفیہ تدبیر ہی صحیح راستہ ہے۔

الزامات

مجرم ضمیر اور فسادی عناصر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے خلاف ہنگامہ آرائی کرنے اور ہر طرف تشویش و اضطراب پھیلانے کے لیے بعض اتہامات اور الزامات گھڑ لیے جن کی حیثیت محض گھڑنتو تہمتوں کی تھی...... حضرت عثمان اور دوسرے اکابر صحابہ نے ان تمام

Marfat.com

الزامات کی نہ صرف تردید کی بلکہ دلائل سے ان کا غلط ہونا ثابت کیا..... لیکن فسادی عناصر کا تو مقصد ہی اور تھا، وہ اس عظیم مملکت اسلامیہ کو تاراج کرنا چاہتے تھے جس نے اس دور کی دو عظیم طاقتیں......روم......اور ایران کو زیروزبر کر دیا تھا......جس نے یہود کی آواز کو دبا دیا تھا اور ہمیشہ کے لیے ان کی ہیبت وشوکت کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔

ان الزامات میں پہلا الزام تھا کہ حضرت عثمان نے سفر میں نماز قصر کے بجائے پوری ادا کی[۳۶] ......ان کا خیال تھا کہ حضرت عثمانؓ نے اس طرح ایک شرعی ضابطہ کی مخالفت کی ہے...... کیوں کہ معروف بات یہ کہ نماز کا قصر (۴ کے بجائے ۲ رکعت) ایک شرعی رخصت ہے۔ حالانکہ آدمی جب کسی شہر میں قیام کا ارادہ کرے (۱۵ دن یا زیادہ) تو اس شکل میں قصر نہ ہوگا اور اگر کسی شہر میں اس کے اہل وعیال ہوں تب بھی قصر نہ ہوگا......سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہی دوسرا جواب ان کو دیا کہ مکہ میں اگر انہوں نے قصر نہیں کیا تو اس لیے کہ وہاں ان کے اہل خانہ مقیم ہیں[۳۷]۔

مفسدہ پردازوں نے یہ بھی الزام لگایا کہ چراگاہ کو قبضہ میں لے کر عوام کو اس میں مویشی چرانے سے منع کر دیا گیا ہے۔

یہ معاملہ ذرا تفصیل طلب ہے اصل قصہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صدقہ اور سرکاری اونٹوں کے لیے ایک چراگاہ کا انتظام کیا، یہی انتظام دور فاروقی اور عثمانی میں رہا، دور عثمانی میں عام لوگوں کو بھی اس چراگاہ سے استفادہ کی اجازت دے دی گئی (لیکن پھر کسی مصلحت وضرورت سے پابندی پر اعتراض کیوں؟) ایک اعتراض یہ تھا کہ ''مصاحف'' (قرآنی اوراق) تلف کر کے لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کیا گیا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظیم نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے۔ جس کا اجر صبح قیامت تک ان کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا......ایک سابقہ فصل میں اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے کہ کیا اسباب پیش آئے۔ جن کی وجہ سے ایسا کرنا پڑا......اور خود حضرت علی کا ارشاد اس حوالہ سے گزر چکا ہے کہ:

''اگر عثمان یہ کام نہ کرتے تو وہ خود ایسا کرتے۔''

ایک الزام یہ تھا کہ آپ نے حضرت عمار بن یاسر کو اتنا مروایا کہ ان کی انتڑیاں نکل آئیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو پٹوایا حتیٰ کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور ان کو ملنے والا وظیفہ بند کر دیا۔

Marfat.com

حالانکہ یہ محض الزام اور جھوٹا بہتان ہے۔ حضرت عمار اور حضرت ابن مسعود جیسے جلیل المرتبت صحابہ کو مارنے کا سوال ہی نہیں...... اس تہمت کے لیے جھوٹی بنیاد فراہم کی گئی۔ حالانکہ مسئلہ یہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار کے درمیان اختلاف رائے تھا...... وہ آئندہ چل کر حضرت علی کے حمایتی تھے...... اور ایک مصحف کے معاملہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا جو مصحف تھا، ان سے مطالبہ کیا پھر سختی سے لے کر تلف کر دیا، اس لیے حضرت ابن مسعود رنجیدہ تھے...... یہ اجتہادی مسئلہ تھا جسے تمام صحابہ نے سراہا کہ امت ایک مصحف پر جمع ہوگئی...... لیکن اختلافی رائے کے نتیجہ میں مارنے کا سوال ہی نہیں وہ بھی حضرت عثمان جیسا رحمدل اور شفیق انسان!

ایک الزام یہ تھا کہ حضرت ابوذر غفاری کو مدینہ سے نکال کر ''ربذہ'' نامی مقام پر نظر بند کر دیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں سرکاری آرڈر سے نکالا نہیں گیا۔ بلکہ وہ اپنی آزاد مرضی سے ''ربذہ'' تشریف لے گئے...... ان کا خیال تھا کہ مالی معاملات میں ان کا جو اجتہاد ہے اس سے نہ تو خلیفہ اسلام متفق ہیں نہ باقی صحابہ...... اس لیے اس ماحول سے الگ تھلگ رہنا بہتر ہے، اس لیے وہ وہاں تشریف لے گئے...... سیدنا ابوذر کا خیال تھا کہ اہل دولت پر لازم ہے کہ وہ اپنی جائز ضروریات سے زائد سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیں اور جو لوگ مال جمع کر کے رکھتے ہیں۔ سورۂ توبہ کی آیت ۳۴ کی زد میں آتے ہیں...... اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

''جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے پیغمبر) انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیں۔''

جب دنیوی اور مادی نعمتیں لوگوں کے پاس بہت آ گئیں اور لوگوں نے اپنی معاشرت میں توسیع اختیار کر لی...... لباس خوراک، مشروبات اور سواری کے معاملہ میں زیادہ بہتر انتظامات کرنے لگے تو حضرت ابوذر اس کے حق میں نہ تھے...... ان کے نزدیک روایتی سادگی لازم تھی۔ ورنہ مادیت کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ تھا۔

تاہم باقی صحابہ اس کے حق میں نہ تھے اور شدت و سختی کو وہ کوئی علاج نہ سمجھتے ان کے خیال میں احکامات الٰہی کی سختی سے پابندی ہی اصل علاج تھا؟ وہ خیال فرماتے کہ زکوٰۃ و صدقات اور انفاق کے دوسرے احکامات پر سختی سے عمل ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ دنیوی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گے۔ پس جو شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور انفاق فی سبیل اللہ کی قرآنی ہدایات پر

Marfat.com

عامل ہے۔اس پر اس آیت کا اطلاق نہیں ہوتا اور اپنی ضروریات میں توسیع اختیار کرنے کے باوصف وہ مخالف دین شمار نہ ہوگا...... حق بات یہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بیدار رہے تو پھر اس آیت سے تعارض نہیں...... ہاں جب مملکت بعض لوگوں کی عیش کوشی کو اس طرح دیکھے کہ دوسرے لوگ دکھ درد کا شکار ہوں تو پھر عیش کوش طبقہ پر قانونی پابندی لازم ہے...... ان حالات کے سبب حضرت ابوذر نے یہی مناسب سمجھا کہ لوگوں کے میل جول سے اپنے آپ کو الگ کرلیں...... سچی بات یہ ہے کہ ان کے اس عمل سے ان کے حق میں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول سچا ثابت ہوگیا۔جس میں آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتیں ابوذر رضی اللہ عنہ پر...... پر وہ تنہا چلیں گے، تنہا مریں گے اور صبح قیامت تنہا اٹھیں گے۔''

سیدنا ابوذر اپنے لہجہ میں حد درجہ سچے تھے...... اپنی سوچ میں سچے اور مخلص تھے...... ان کی اجتہادی رائے تھی جس کا انہیں حق حاصل تھا۔ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ...... جو خلیفہ تھے، ان کی اپنی رائے تھی اور صحابہ علیہم الرضوان میں سے ہر ایک صاحب الرائے اور مجتہد تھا...... اس معاملہ میں بھرپور اکثریت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ...... لیکن نامراد فتنہ پروروں نے اس معاملہ کو غلط رنگ دے کر اس مرحلہ پر لا پہنچایا اور ان بدبختوں نے یہ مشہور کردیا کہ حضرت عثمان نے جناب ابوذر پر زیادتی کی اور ان پر ظلم کیا...... حالانکہ ان کا دامن ایسی ہر آلائش سے پاک!

ایک الزام یہ ہے کہ دمشق میں قاضی کے منصب پر فائز بزرگ صحابی بزرگ ابوالدردا کو دمشق سے واپس مدینہ بلالیا...... کہ جب وہ کسی قسم کے تصرف وتبدیلی میں مصلحت سمجھتا ہے تو اس پر عمل کرتا ہے لیکن برا ہو بغض ودشمنی کا کہ یاروں نے اس بات کو بھی حضرت عثمان کے ناکردہ گناہوں کی فہرست میں شمار کرلیا۔ایک بڑا اہم اعتراض یہ ہے کہ آپ نے اپنے بعض ایسے عزیزوں کو ذمہ داریاں سونپیں جو ان کے اہل نہ تھے...... مثلاً حضرت معاویہ، عبداللہ بن عامر، مروان بن الحکم اور ولید بن عقبہ...... رضی اللہ عنہ۔

لیکن حقیقت حال مختلف ہے...... جناب معاویہ ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان نے نہیں بلکہ ابتدأ حضرت ابی بکر نے ذمہ داری سونپی...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اسی پر قائم رکھا...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی قائم رکھا۔

Marfat.com

رہ گئے حضرت عبداللہ بن عامر تو بلاشبہ انہیں ذمہ داری آپ نے سونپی...... لیکن کسی اہل شخص کو ذمہ داری سونپنا تو جرم نہیں۔ وہ ہر اعتبار سے اہل تھے۔ انہوں نے خراسان کا سارا علاقہ اور فارس (ایران) کے دائیں بائیں کے بعض علاقے فتح کیے...... یزد جر جیسے ایرانی سورما کی بربادی ان کے ہاتھوں ہوئی...... ان کے فضائل کا ایک پورا دفتر ہے، اضافی بات یہ ہے کہ وہ پھوپھیوں اور خالاؤں کے اعتبار سے (جو بڑی عظیم صحابی خواتین تھیں) بڑی اہمیت وعظمت کے حامل ہیں...... ان کی پیدائش ہوئی تو سب سے پہلے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن ان کے منہ میں گیا اور یہ نگل گئے اور نبی مکرم نے فرمایا:

''یہ بچہ ہم سے بہت مشابہ ہے۔''

ان کی زندگی وجوانی ایک شریف، سخی اور بہادر انسان کی زندگی وجوانی ہے حضرت عثمان نے ان کی انہی صفات وکمالات اور اہلیت کی بنا پر انہیں ذمہ داری سونپی...... اور یہ بالکل جرم نہیں۔

رہ گئے جناب مروان...... تو وہ بھی منتخب روزگار صحابہ میں سے ہیں...... ان کی تقرری واہلیت پر دشمنان اسلام کو کوئی اعتراض نہیں، نہ ہی تاریخ میں اس کا ثبوت ہے...... محض یہ غوغا کہ وہ آں جناب کے عزیز ہیں...... بیکار اور لایعنی اعتراض ہے...... سوال یہ ہے کہ صاحب صلاحیت انسان کو محض اس لیے نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ عزیز رشتہ دار ہے؟ بلکہ صاحب صلاحیت لوگوں کی خدمات سے فائدہ نہ اٹھانا شاید جرم ہو...... لیکن افسوس کہ بدباطن وحاسد یہودی مجوسی اپنی سی کہے چلے جاتے تھے۔

پھر یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ سرکاری اہلکاروں کا تقرر ''ایک اجتہادی معاملہ'' ہے اور خلیفہ وسیع تر ملی اور اجتماعی مصالح کے پیش نظر کسی کا تقرر کر سکتا ہے...... کسی کو معزول کر سکتا ہے...... اس کو اس کی بھی اجازت ہے کہ اپنے رشتہ داروں کا تقرر کرے یا غیروں کا...... اس میں مطلقاً شرعی رکاوٹ نہیں۔ بس مصلحت عامہ اور اہلیت شرط ہے اور اس کا لحاظ ضروری ہے۔

اور یہ مشہور تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت عمر نے حضرت سعد بن ابی وقاص جیسے جلیل المرتبت صحابی اور حضرت خالد بن الولید جیسے معروف جرنیل کو معزول کر دیا کہ ان حضرات کو معزول کرنے کی مصلحت واضح طور پر سامنے آ چکی تھی۔

ادھر حضرت علی نے اپنے قریبی عزیزوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں، اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا...... اور نہ ہی حضرت عمر پر ان بزرگ صحابہ کو معزول کرنے پر کسی نے اعتراض

Marfat.com

کیا...... پھر حضرت عثمان کو ہدف تنقید کیوں بنایا جاتا ہے؟ انہوں نے جب دیکھا کہ مسائل بہت پھیل رہے ہیں تو انہوں نے سابقہ خلفاء کے طرز عمل سے استفادہ کیا اور مناسب اقدامات کئے۔ جس میں سرکاری اہل کاروں کے عزل ونصب کا معاملہ شامل ہے۔

رہ گیا حضرت ولید بن عقبہ کا معاملہ تو انہیں عزیز داری کی بنا پر نہیں مقرر کیا گیا، انہوں نے پانچ سال گورنر کوفہ کے طور پر وہاں قیام کیا۔ وہ اہل کوفہ کے نہایت محبوب گورنر تھے...... انہوں نے کمال درجہ دیانت داری، اخلاص اور جرأت سے حدود الٰہی کو قائم کیا، لوگوں کے حقوق ادا کئے اور کسی شخص پر اپنا دروازہ بند نہیں کیا...... لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ جھوٹے گواہوں نے روایتی کردار ادا کرتے ہوئے ان پر شراب نوشی کا الزام لگایا...... واقعہ یہ تھا کہ ان بد باطن افراد کی بعض ناجائز فرمائشیں حضرت ولید پوری نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے حسد وکینہ پروری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شراب نوشی کا الزام دھر دیا...... حضرت عثمان نے انہیں فوراً مدینہ طلب کیا، اس الزام سے متعلق ان سے پوچھا، جناب ولید نے قسم کھا کر اس الزام سے اپنی برائت کا اظہار کیا لیکن چونکہ شہادت (گو کہ مکمل جھوٹی) موجود تھی۔ اس لیے حضرت عثمان نے شراب نوشی کی حد (شرعی سزا) کا فیصلہ کیا تا کہ فتنہ دور ہو جائے...... ان سے یہ تہمت دور ہو جائے...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کو ان کی صلاحیتوں کے سبب بہت چاہتے...... آپ نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"ہم اللہ تعالیٰ کی حد جاری کر رہے ہیں...... رہ گئے جھوٹے گواہ تو انہوں نے اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالیا۔"

ویسے ولید کو پہلی مرتبہ حضرت عثمان نے ہی سرکاری اہلکار نہیں بنایا۔ اس سے پہلے وہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں، خلیفہ اور حضرت خالد بن ولید کے درمیان جنگی خط وکتابت کے کاتب اور یوں بڑے اہم راز دان تھے...... حضرت ابوبکر نے انہیں قبیلہ خزاعہ کے سرکاری واجبات وصول کرنے کی ذمہ داری سونپی...... اس لشکر کی قیادت سونپی جو اردن کی فتح کے لیے گیا...... پھر دور فاروقی میں یہ شام کے علاقہ کے ایک منطقہ وحصہ کے گورنر رہے۔ باقی اس دور کی فتوحات جو ان کی ہاتھوں ہوئیں وہ الگ ہیں...... اور ولایت کوفہ کے حوالہ سے ان کی تعریف بھی کی۔[۳۸]

ایک الزام یہ ہے کہ حضرت عثمان نے افریقہ کے مال غنیمت کا سرکاری حصہ "خمس" (1/5) اپنے داماد اور سیکرٹری جناب مروان کو بخش دیا...... اصل میں "خمس" نہیں بلکہ خمس کا پانچواں

Marfat.com

حصہ ہے...... بہرحال اس الزام کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مخصوص حصہ مروان کو نہیں بلکہ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کو دیا گیا...... جیسا کہ گذرا...... کیونکہ ان کا حوصلہ بڑھانے کی غرض سے ان سے کہا گیا تھا کہ افریقی فتوحات کی تکمیل پر آپ کو یہ حصہ ملے گا۔ گو کہ فوجی حضرات کے اعتراض پر یہ بھی ان سے واپس لے لیا گیا......اور حضرت عثمان نے انہیں ذاتی طور پر عطیہ دے کر مطمئن کر دیا...... بہرحال جناب مروان کو یہ عطیہ دینے کا الزام سوفی صد جھوٹ، صریح غلط بیانی اور نری تہمت تھی۔

ایک الزام یہ ہے کہ وہ اپنے عزیزوں کو عطیات (سرکاری مال سے) دیتے اور یوں ان سے اپنی محبت و تعلق کا مظاہرہ کرتے...... لیکن حضرت عثمان نے اس کے جواب میں فرمایا:

میرے عزیزوں سے میری محبت کا یہ مطلب نہیں کہ میں انہیں کھلی چھٹی دے دوں اور ظلم کی بنا پر سرکاری خزانہ سے بغیر استحقاق انہیں دوں ہاں اپنے ذاتی مال سے میں انہیں دیتا ہوں اور یہ صلہ رحمی کا تقاضا ہے۔ مسلمانوں کا مال نہ میرے لیے روا و جائز ہے اور نہ ہی بغیر استحقاق کسی دوسرے کے لیے...... چاہے وہ میرا رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔"

ایک الزام وہ بھی ہے...... جس کا ذکر گذرا کہ ہرمزان (ایرانی سورما) کے قتل میں ملوث حضرت عمر کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ پر حد جاری نہیں کی...... انہیں قصاص میں قتل نہیں کیا اور یوں حدود الٰہی کو معطل کیا...... اس کی تفصیل گزر چکی، اس کا قصہ معروف ہے...... صحابہ کرام سے مشورہ ہوا، ان سب نے جناب عبیداللہ کے قتل پر...... ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ اس طرح حضرت عمر کے گھرانہ پر ایک کے بعد دوسری مصیبت آجاتی...... حضرت عثمان کی طرف سے معاملہ کو سلجھانے کا کمال یہ ہے کہ ہرمزان اور دوسرے مقتولین کے وارثوں کو خوشی سے مالی معاوضہ پر راضی کر کے دیت اپنے ذاتی مال سے ادا کر دی لیکن ان کا یہ کمال حاسدوں کی نظر میں عیب بن گیا۔

اسی طرح کے اور لایعنی الزامات تھے۔ جن کے ذکر کی ضرورت نہیں...... حقیقت یہ ہے کہ وہ سب محض غلط اور جھوٹے ہیں...... آخری الزام یہ ہے کہ حضرت عثمان نے مصر کے گورنر کو خط لکھا کہ جو لوگ خط لے کر آرہے ہیں انہیں قتل کر دیا جائے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں...... فتنہ پروروں کے نزدیک انہوں نے یہ اقدام کر کے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور امت

Marfat.com

سے خیانت کی...... معاذ اللہ تعالیٰ...... اگلی سطور میں اس طرح جھوٹے اور باطل الزامات پر ہم تفصیلی گفتگو کریں گے۔

منحوس خط

مفسدوں کے اعتراضات حضرت عثمان نے بھی رد کر دیئے اور باقی جلیل القدر صحابہ نے بھی...... انہیں اطمینان ہو گیا اور وہ مدینہ سے واپس چلے گئے...... اہل مدینہ نے بھی اطمینان کا سانس لیا تو اچانک ایک اور فتنہ رونما ہوا۔

وہ یہ کہ یہ وفد تین اطراف سے باردگر مدینہ منورہ آ دھمکے...... شہر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے نعرے بازی شروع کر دی، ہنگامہ برپا کر دیا اور شور وشرابا سے آسمان سر پر اٹھالیا...... اہل مدینہ گھبرا گئے، اپنے گھروں میں خاموشی سے چمٹ گئے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بعض دوسرے حضرات کے ساتھ ان کے پاس گئے اور پوچھا:

''اب تمہیں پھر کیا ہوا...... جانے کے بعد تم دوبارہ کیوں لوٹ آئے؟''

ان لوگوں نے حضرت عثمان سے بحث ومجادلہ کیا...... مصر کے والئی حضرت عبداللہ بن ابی السرح کی شکایت کی، حضرت عثمان نے ان کے تقاضے سے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو والی و گورنر بنا دیا۔ وہ اس وقت ان کے ہمراہ تھے...... اس پر یہ لوگ اپنے شہروں میں واپس چلے گئے لیکن سوال یہ ہے کہ پھر یکا یک کیوں واپس آ گئے......؟ اہل مصر نے حضرت علی اور ان کے رفقاء سے کہا...... حضرت عثمان نے ہمارے قتل کا حکم دیا تھا...... وہ یوں کہ یہاں سے واپسی پر تین دن ہم مصر کے راستہ میں تھے کہ ہم نے ایک سیاہ غلام کو اونٹ پر سوار دیکھا، اس کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ کبھی ہم سے دور ہو جاتا، کبھی قریب آ جاتا...... ہم نے محسوس کیا کہ اس غلام کا خاص معاملہ ہے۔ ہم نے اس کو پکڑ لیا، اس سے پوچھا تو اس نے جواب میں کہا:

''میں امیر المومنین کا غلام ہے، انہوں نے مجھے مصر کے گورنر کے پاس بھیجا ہے۔''

ہم نے کہا لیکن مصر کے گورنر تو ہمارے ساتھ ہیں...... اس نے کہا یہ وہ نہیں جس کے پاس مجھے بھیجا گیا ہے...... ہم نے اس ایلچی کو بتلایا کہ گورنر تو محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مقرر ہو چکے ہیں۔ پھر ہم نے مزید چھان پھٹک کی اور اس سے اس سفر کا سبب پوچھا تو اس نے کہا:

Marfat.com

''مجھے ایک خط دے کر گورنر مصر کے پاس بھیجا گیا ہے۔''

ہم نے زبردستی وہ خط حاصل کرلیا۔اس کا مضمون یہ تھا:

''بنام گورنر مصر...... جب تمہارے پاس محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں شخص پہنچے تو انہیں کسی حیلہ سے قتل کر دیا جائے۔ان کے پاس گورنری کا جو تقرر نامہ ہے اسے لغو سمجھ کر میرے دوسرے حکم تک اپنے منصب پر قائم رہ کر کام کرتے رہو۔''

ہم نے وہ خط پڑھا تو ہم نے سمجھ لیا کہ ہمارے قتل کا منصوبہ اور حکم ہے تو ہم واپس لوٹ آئے تاکہ صورت حال کی وضاحت ہو سکے......اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ نے اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ خیانت کی اور ہمارے ساتھ بھی کہ ہمیں بظاہر تو گورنری کا پروانہ دیا لیکن ادھر ہمارے قتل کا آرڈر بھیج دیا۔اہل بصرہ سے پوچھا گیا کہ ان کے ساتھ یہ ہوا لیکن تم کیوں اور کس طرح واپس آ گئے......انہوں نے کہا اپنے مصری بھائیوں کی مدد کے لیے!

اسی طرح کا سوال و جواب اہل کوفہ سے ہوا۔حضرت علی اور جناب محمد بن مسلمہ نے بصریوں اور کوفیوں سے پوچھا لیکن تمہیں اپنے اپنے شہروں کی طرف جانے والے راستوں پر اس خط کا علم کیوں کر ہوا؟......اس میں شک نہیں کہ یہ ایک طے شدہ سازش ہے۔جس کا پلان مدینہ میں بنا اور رات کی تاریکی میں اس پر اتفاق رائے ہوا۔

وہ نامراد حضرت علی اور ان کے رفقاء سے جب گفتگو کر رہے تھے تو آخر میں انہوں نے فیصلہ کن انداز سے کیا۔

اس شخص خلیفہ کے متعلق تم جو چاہو کرو اور کہو ہمیں اس کی مطلق ضرورت نہیں۔مباحثہ بڑھ گیا تو یہ حضرت عثمان کی خدمت میں اس منحوس خط کے حوالہ سے گفتگو کرنے گئے، وہاں پہنچ کر آپ سے پوچھا......تو حضرت عثمان نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ میں نے خط اپنے طور پر لکھا، نہ لکھنے کا حکم دیا، نہ مجھے اس کا علم ہے اور نہ ہی میں نے کسی غلام کو مصر روانہ کیا۔''

حضرت عثمان چونکہ اپنے مؤقف میں سو فی صد سچے تھے لیکن مفسدہ پرور لوگوں نے نئی چال چلی......وہ یہ کہ اب انہوں نے جناب مروان پر تہمت لگائی کہ یہ کام مروان کا ہے کہ انہوں نے خفیہ طور پر خط لکھا اس پر خلیفہ کی مہر لگائی......اب وہ لوگ جناب مروان کے متعلق مطالبہ کرنے

Marfat.com

لگے کہ انہیں ان کے سپرد کر دیا جائے کہ ان کے خیال میں خط کے وہی مجرم ہیں۔ معاملہ سنگین ہو گیا اور لوگ خلیفہ کے گھر کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔

واضح ہے کہ مکتوب کا قصہ تمام تر باطل اور غلط ہے...... اس کا تجزیہ کیا جائے تو دو احتمال سامنے آتے ہیں۔

الاول

وہاں نہ تو کوئی ایلچی تھا نہ غلام۔ یہ محض جھوٹ تھا جو انہوں نے خود گھڑا (جعلی مہر کیا مشکل ہے) اس سے ان کا مقصد اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل تھی، مدینہ کے دوران وہ اس منصوبہ کو طے کر کے وہاں سے نکلے پھر پروگرام کے مطابق واپس آئے، راستہ اور گلیوں میں آ کر ہنگامہ کر دیا تا کہ مقد حاصل ہو سکے جو ان کی خواہش ہے اس کی تکمیل ہو سکے۔

دوسرا احتمال

یہ ہے کہ وہاں ایلچی ہو اس کے پاس خط بھی ہو اور اس میں وہی کچھ ہو جس کا ذکر ہوا...... لیکن یہ مکتوب خود انہی مفسدوں نے لکھا۔ اس پر جھوٹی مہر لگائی تا کہ روایت پوری ہو سکے...... پھر صدقہ کا اونٹ چوری کیا، بعدازاں حضرت عثمان یا مروان کے کسی غلام کو اغوا کیا۔ اور اسے مجبور کیا کہ وہ اس خط کو لے اور کچھ راستہ طے کرے تا کہ لوگ اسے چلتا ہوا دیکھ لیں اور یوں مکروہ منصوبہ کی تکمیل ہو جائے۔

خوف و دہشت زدہ غلام واپسی کی فکر میں قریب آ جاتا لیکن پھر ان کے ڈر سے رفتار تیز کر کے دور ہو جاتا۔

اس سے پوچھا تو اس نے یہ تو سچ کہا کہ میں امیر المومنین کا غلام ہوں...... اگلا معاملہ جبر و تشدد کا تھا کہ اس سے کہلوایا گیا کہ مجھے ایک خط کے ہمراہ گورنر مصر کے پاس بھیجا گیا...... ممکن ہے اس غریب کو محمد بن ابی بکر کا پتہ ہی نہ ہو جو ان کے ساتھ تھے۔ بلکہ اس کے ذہن میں اصلی گورنر ابن ابی السرح ہوں۔

جب اسے طے شدہ منصوبہ کے مطابق دبوچ لیا گیا تو اپنا ہی لکھا ہوا خط نکل آیا۔ جس میں محمد بن ابی بکر اور دوسرے سرداران قوم کے قتل کی ہدایت تھی بس اب منصوبہ مکمل ہو گیا۔

Marfat.com

مصری واپس آ گئے، حضرت عثمان پر خیانت کی تہمت لگا دی...... بصریوں اور کوفیوں کی واپسی مصریوں کی مدد کے لیے ہوئی...... لیکن سوال یہ ہے کہ انہیں کس نے خبر دی اور انہیں اس صورت حال کا کیونکر علم ہوا؟

داخلی شہادتوں کے حوالہ سے یہ واقعہ سراسر کذب وافترا نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے ایک طے شدہ منصوبہ تھا جس پر عمل کیا گیا...... مدینہ سے نکلتے ہی انہوں نے واپسی کا طے کر لیا تھا تاکہ اپنا منصوبہ مکمل کر سکیں اور اس کے لیے خط کا قصہ گھڑا۔

اس سے فائدہ یہ حاصل کیا گیا کہ محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھ بعض دوسرے لوگ بھڑک اٹھے...... یا کم از کم یہ لوگ ایک کش مکش کا شکار ہو گئے...... واپسی ہو تو یہ لوگ بھی مفسدوں کے ساتھ ''بیت الخلافت'' کو گھیر کر ہلہ بول دیں اور اس مطالبہ میں شریک ہو جائیں کہ عثمان خلافت سے دستبردار ہو جائیں...... ان کے اس مطالبہ پر حضرت عثمان نے پوری طرح معاملات پر غور و فکر کر کے ارشاد فرمایا:

''وہ قمیص جو میرے رب نے مجھے پہنائی اسے کبھی نہ اتاروں گا۔''

لیکن وہ نامراد ہنگامہ کرتے رہے، تلخ کلامی شروع کر دی، صحابہ نے خطرہ محسوس کیا تو حضرت عثمان کی حمایت کے لیے باہر نکل آئے۔ ہتھیار اٹھا لیے اور حضرت امیر المومنین سے جوابی کارروائی کی اجازت طلب کی۔

کیا جناب عثمان نے ان مفسدوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی؟ حصار کیوں کر مکمل ہوا اور آپ کس طرح شہید ہوئے؟

جنتی مہمان

مجرم حضرت عثمان کے گھر کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور جناب مروان بن الحکم کو ان کے سپرد کر دیا جائے۔ حضرت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ اس انکار میں حق بجانب تھے اور وہ برابر اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے ثابت قدم رہے، کمال درجہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ مظلومانہ شہادت کی خلعت فاخرہ پہن کر جوار الٰہی میں پہنچ گئے۔

Marfat.com

محاصرہ کے دوران ان کے پاس بزرگ صحابی حضرت عبداللہ بن عمر تشریف لائے......

حضرت عثمان نے ان سے کہا دیکھیں یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ان مجرموں کا کہنا ہے کہ یا تو خلافت سے دستبردار ہو جاؤ یا پھر ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے پوچھا......کیا آپ سدا دنیا میں رہیں گے؟

حضرت عثمان نے جواب دیا......بالکل نہیں......اس دنیا میں سدا کون رہا؟

حضرت ابن عمر نے پوچھا......کیا یہ مجرم ضمیر لوگ قتل سے بڑھ کر بھی کچھ کریں گے؟ اور کیا آپ کی جنت یا دوزخ کے یہ مالک ہیں؟

حضرت عثمان نے فرمایا......بالکل نہیں۔

اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا...... جو قمیص (خلعت خلافت) اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنائی اس کو اتارنا نہیں......ورنہ یہ ایک مکروہ رسم بن جائے گی کہ جب کوئی قوم اپنے خلیفہ کو ناپسند کرے گی (چاہے وجہ کچھ بھی نہ ہو) تو یا تو معزول کر دے گی (اور اس طرح یہ منصب بے وقار ہو کر رہ جائے گا) وہ نامراد برابر حضرت عثمان سے جھگڑا کرتے رہے تھے کہ آپ نے یہ خط لکھا جس میں ہمارے قتل کا حکم تھا......آپ نے ارشاد فرمایا:

"یہ بالکل غلط ہے۔ اس معاملہ میں یا تو تم دو مسلمان، ذمہ دار عادل گواہ پیش کرو یا میں قسم کھاتا ہوں۔ (جو مسائل کے حل کا شرعی طریقہ ہے کہ مدعی گواہ لائے ورنہ مدعا علیہ قسم کھائے۔(مترجم)

لیکن وہ کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور یہی شور مچا رہے تھے کہ مروان کو ان کے سپرد کیا جائے......حضرت عثمان یہ کیسے کر سکتے تھے کہ ایک بے گناہ کو ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے جو بھیڑیوں کا روپ دھارا کر خون کے پیاسے ہو رہے تھے......اگر حضرت عثمان جناب مروان کو ان کے سپرد کر دیتے تو ان کے قتل کا الزام ان پر ہوتا اور وہ یہ الزام کسی طرح لینے کو تیار نہ تھے......چاہے اپنی جان چلی جائے......یہی عزیمت ہے یہی استقامت۔

جب انہوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ سخت کر دیا۔ تو آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم یاد دلائے اور دور رسالت میں توفیق الٰہی سے جو خیر و بھلائی کے کام کیے وہ یاد دلائے......یعنی مسجد نبوی کی توسیع، رومہ کے کنواں کا خرید کر وقف کرنا......اور غزوہ تبوک کے لیے گراں قدر امداد......

لیکن چونکہ ان کے دل و دماغ پر خون مسلط تھا اس لیے وہ کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے۔

Marfat.com

حضرت والا، مسجد میں نماز کے لیے جانا چاہتے تو وہ نامراد رکاوٹ ڈالتے آپ تک پانی کا پہنچنا ناممکن ہو گیا...... بعض صحابہ بصد مشکل کچھ دن خفیہ طریق سے پانی پہنچانے کی تدبیر کرتے رہے...... بعض حضرات نے مکان کے قریب آ کر حضرت عثمان سے ان ظالموں کے خلاف لڑائی کی اجازت مانگی تاکہ اس کا قلع قمع ہو جائے لیکن آپ نے سختی سے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا:

ہر وہ شخص جس نے میری سمع واطاعت کی بیعت کی ہے اور اس پر قائم ہے، اسے میں حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھ روکے اور کسی قسم کا ہتھیار نہ اٹھائے۔

آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو مکلف ٹھہرایا کہ میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا جائے......

اسی اثنا میں حضرت زید بن ثابت انصاری دروازہ پر تشریف لائے اور عرض کیا:

"انصار کی جماعت دروازہ پر موجود ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ اجازت دیں تو رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے بعد آج بار دگر ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں"...... اللہ اللہ جذبہ ایثار اور قربانی۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... اس بات کی ضرورت ہے بس اپنے ہاتھ روکے رکھیں۔

بعض نوجوان صحابہ نے آپ سے رابطہ کیا، جن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات شامل تھے...... لیکن حضرت عثمان ہر شخص کے متعلق یہ رائے رکھتے کہ ان کی وجہ سے کوئی لڑائی نہ لڑے۔ کوئی شخص نہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا خون بہائے (اس موقعہ پر) اور نہ ہی محاصرہ کرنے والوں میں کسی کا خون بہایا جائے اس بات کا انہیں اصرار تھا، وہ یہی چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو۔ البتہ محاصرہ کرنے والے ان کی بات سن لیں، نصیحت قبول کر لیں اور یہ جھگڑا خون بہائے بغیر ختم ہو جائے۔

حضرت عثمان نے جناب حسن رضی اللہ تعالیٰ وحسین اور دوسرے نوجوان صحابہ کو حکم دیا کہ وہ ہتھیار پھینک دیں...... اپنے گھر چلے جائیں...... ان کا خیال یہ تھا کہ اگر یہ حضرات یہاں موجود رہے اور انہیں مجرموں نے دیکھا تو ان کی دشمنی اور سرکشی بڑھ جائے گی۔ وہ بدبخت یہ خیال کریں گے کہ گویا خلیفہ نے انہیں بلایا اور روکا ہوا ہے تاکہ یہ محاصرہ کرنے والوں پر دھاوا بول سکیں۔

Marfat.com

محاصرہ لمبا ہو رہا تھا۔ محاصرہ کرنے والے گھبرا رہے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ یہاں لوگوں کی تعداد بڑھ جائے یا دوسرے مقامات سے خلیفہ کی مدد کے لیے کمک آ جائے...... ایسا ہوا تو اپنے منصوبہ پر عمل ان کے لیے مشکل ہو جائے گا، اس لیے وہ آپس ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ معاملہ نمٹاؤ...... محاصرہ کرنے والوں میں بعض بد بخت و نامراد ایسے تھے جو کئی سال سے حضرت عثمان سے کینہ رکھتے تھے...... مثلاً الغافقی بن حرب، کنانہ بن بشر، سودان بن حمران حکیم بن جبل اور مالک بن الاشتر...... اور یہ سب اپنی قوم کے نام نہاد چودھری تھے، حضرت عثمان اس سے قبل ان سب کی اصلاح کی تدبیر فرما چکے تھے۔ انہیں پہلے حضرت معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا پھر حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید رضی اللہ عنہما کے پاس...... حتیٰ کہ انہوں نے توبہ کر لی تو انہیں آزاد کر دیا گیا اور یہ کوفہ لوٹ گئے، وہاں انہیں ابن سبا نے پھر بھڑکایا اور یہ فتنہ کے بانی بن کر محاصرہ کی قیادت کرنے لگے، انہوں نے ابتدا میں حضرت عثمان کے گھر کے دروازہ کو توڑنا چاہا وہ ممکن نہ ہوا تو پچھلی طرف سے دیوار توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔

روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حضرت عثمان کو خواب میں ہوئی...... نبی رحمت نے فرمایا آپ چاہیں تو مدد ہو سکتی ہے ورنہ آج روزہ ہمارے ساتھ افطار ہو۔

(حضرت عثمان اپنا وقت تلاوت قرآن میں گزار رہے تھے۔ دن میں روزہ سے ہوتے، رات کا غالب حصہ تہجد میں...... ان کی خواہش تھی کہ محاصرہ کرنے والے اپنے ہاتھ روک لیں اور واپس چلے جائیں، آپ آخری وقت تک محاصرہ کرنے والوں کو مخاطب کر کے سمجھاتے رہے لیکن وہ سر پر سوار ہو گئے، مکان کی پچھلی طرف سے اندر داخل ہو گئے) بعض کے پاس آگ کی مشعلیں تھیں۔ ان سے انہوں نے دروازہ بھی جلا دیا اور اب عام لوگ اندر داخل ہو گئے...... سب سے پہلے جو شخص اندر داخل ہوا۔ وہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ تھا...... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرزند، بچپن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے سبب اس کی والدہ نے حضرت رضی اللہ عنہ علی سے نکاح کر لیا۔ اب اس کی ساری تربیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں ہوئی...... یہ اندر داخل ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے ڈرایا، اپنے عظیم والد (حضرت ابوبکر) کے مقام اور ان

Marfat.com

کے کردار سے آگاہ کیا، وہ فوراً باہر نکل گیا، دوسرے لوگوں نے اسے دھکیل کر دوبارہ اندر کرنا چاہا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ اب الغافقی نے اندر داخل ہوکر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لوہے کے گرز سے آپ پر حملہ کیا اور سودان بن حمران نے تلوار سے وار کیا، حضرت عثمان کی اہلیہ آڑے آئیں تو ان کی انگلیاں کٹ گئیں، تلوار کے وار سے حضرت عثمان کا خون بہہ نکلا اور آپ کے سامنے کھلے ہوئے قرآن پر آپ کے خون کے قطرات گر گئے۔ یہ نامراد گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ متکبرانہ انداز میں کہہ رہے تھے کہ:

''ہم نے عثمان کو قتل کر دیا...... اللہ تعالیٰ ان قاتلوں کو تباہ و برباد کرے۔''

آپ کے مکان کا محاصرہ ذوالقعدہ کے آخر سے شروع ہوا اور ۱۸ ذوالحجہ ۲۵ھ جمعہ کے دن تک رہا...... یہی تاریخ آپ کی مظلومانہ شہادت کی ہے۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلومی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔ باقی صحابہ حیران و پریشان کہ کیا کریں؟ سرکش اور فسادی عناصر، آپ کی شہادت کے بعد وہیں رک گئے۔ وہ اب اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنے کی کوشش میں لگ گئے، بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ، بعض حضرت طلحہ رضی اللہ عنہا اور بعض حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے لیکن ان تینوں نے انکار کر دیا۔

اور ان کے جو مجرمانہ اعمال و افعال سے مکمل برأت و لاتعلقی کا اعلان کیا...... حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس بھی گئے لیکن نامراد واپس آئے۔ بعض سرکش عناصر اس بات پر اڑ گئے کہ اگر علی رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو انہیں بھی قتل کر دیں گے...... حالات کے پیش نظر بعض صحابہ حضرت علی کے پاس گئے اور اصرار کیا کہ وہ حکومت سنبھال لیں۔ یوں حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ۱۵ دن حضرت علی کی بیعت ہوئی...... یاد رہے کہ سب لوگوں نے بیعت نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب رحمتیں عثمان پر

آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ فتنہ ٹل جائے...... آپ کے پاس صحابہ کرام اور ان کی اولاد آتی رہی برابر لوگ درخواست کرتے رہے کہ وہ فتنہ کے قلع قمع کے لیے حاضر ہیں لیکن آپ نے سختی سے منع فرما دیا کہ ان کے لیے کسی کا خون بہایا جائے یا کوئی شخص اپنا خون بہائے۔

Marfat.com

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

> ''میں بھی حضرت عثمان کے ساتھ انہی کے گھر میں محصور تھا، کہ ایک شخص نے ہمیں پتھر مارا، میں نے عرض کیا اب تو ہمیں بھی جوابی کارروائی کی اجازت ہونی چاہیے...... حضرت عثمان نے فرمایا ابو ہریرہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اپنی تلوار نیام میں ڈال لو تمہیں میری فکر ہے مجھے مسلمانوں کی۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس پوزیشن میں تھے کہ اپنے آپ کو بچا لیتے، بہادر لوگ ان کے پاس تھے ان کی پیش کش تھی، شرعاً اور قانوناً بھی وہ خلیفہ کی حمایت و مدافعت کے پابند تھے، حضرت عثمان کا اشارہ ہو جاتا تو محاصرہ کرنے والے ذلیل ہو کر رہ جاتے، ان کا خون زمین پر بہہ جاتا اور محاصرہ ختم ہو جاتا لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپ جابر بادشاہ نہیں، خلیفہ راشد تھے، لوگوں کے اجتماعی معاملات حکمت و تدبر کے ساتھ چلانا آپ کا فرض منصبی تھا۔ محض شبہات کی بنا پر لوگوں کو پکڑنا اور سزائیں دینا نہ آپ کا طریقہ تھا نہ یہ بات مناسب تھی...... آپ ایسے کمزور نہ تھے کہ کچھ کر سکتے جیسا کہ بعض فرضی قصہ گویا جاہل مغربی مؤرخ کہتے ہیں...... لوگ بھول جاتے ہیں کہ آپ کا موقف اور آپ کا طریق کار سیاست عادلہ کا تھا رعایا کے ساتھ شفقت و محبت کا تھا، رحم و کرم اور احسان و مروت آپ کی عادت مستمرہ تھی...... ورنہ ڈنڈے سے کیا نہیں ہو سکتا لیکن اس کا انجام؟

اللہ تعالیٰ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بے حد و حساب رحمتوں سے نوازے اور ہم سب کو ان کے ساتھ اپنی ابدی نعمتوں اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔

حیات مبارکہ چند سطروں میں

☆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قبول اسلام کے تھوڑے ہی دن بعد، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، جن کی وفات جنگ بدر کے ایام میں ہوئی، ان سے ایک صاحبزادے حضرت عبداللہ ہوئے جن کی نسبت سے حضرت عثمان کی کنیت ''ابو عبداللہ'' تھی۔ یہ صاحبزادے چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے......

Marfat.com

تاہم بعض روایات میں ان کا دیر تک زندہ رہنا اور صاحب اولاد ہونا ثابت ہے...... تفصیل کے لیے ''سادات بنی رقیہ'' دیکھیں۔

ہجرت کے تیسرے سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم سے شادی ہوئی جو ۹ھ میں انتقال فرما گئیں......اس موقعہ پر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس تیسری بیٹی ہوئی تو اس کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا۔

۲۳ھ کے آخر میں حضرت عثمان کی بیعت ہوئی (پیر کا دن) اور آپ کی شہادت ۳۵ھ میں ہوئی۔

☆ آپ کی مدت خلافت ۱۱ سال ۱۱ ماہ اور ۲۲ دن ہے۔

☆ خلافت شروع ہوئی تو آپ کی عمر ۷۰ برس تھی اور وفات کے وقت ۸۲ برس۔

☆ آپ کے دور حکومت میں صوبائی مراکز ۲۴ تھے وہاں ۲۴ ہی گورنر تھے۔

☆ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۶۴ احادیث روایت کیں۔ مناسک حج کے سلسلہ میں آپ بطور خاص سب لوگوں سے بڑھ کر عالم تھے۔اس معاملہ میں ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر کا نام آتا ہے۔

آپ کے عہد حکومت میں فتوحات کا سلسلہ مصر کی آخری حدود تک جا پہنچا......ادھر حدود ہند تک بات آ پہنچی، شمالی افریقہ فتح ہوا، ترک علاقوں پر مسلمانوں نے جہاد کیا اور ''القوفاز'' تک جا پہنچے جب کہ جزیرہ قبرص جزیرہ رودوس پر ان کا قبضہ ہو گیا، جنگی کشتیاں اور دوسرا بحری سامان تیار ہوا، قسطنطنیہ کی فصیل تک مسلمان پہنچے، جس کا محاصرہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا......ایک مدت محاصرہ کے بعد مسلمانوں کی واپسی ہوئی۔ بے پناہ مال میسر آیا اور لوگوں کی کارستانیوں کے باوجود مملکت اسلامیہ اور خلیفہ کی ہیبت و شوکت برابر قائم رہی......اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو ہر قسم کی تبدیلی، تغیر اور کمزوری سے بچایا......لوگ دین پر ثابت قدم رہے اور اسے برابر مضبوطی سے تھامے رکھا، دینی غیرت، دین کے لیے دفاعی مورچہ اور پہلے عہد کی طرح دین کی تبلیغ میں مسلمان سرگرم عمل رہے۔

یہ صورت حال اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا محافظ ہے...... باوجودیکہ کوتاہ بیں اور اختلاف کی ڈفلی بجانے والے برابر سرگرم عمل رہتے ہیں لیکن اس کی حفاظت کے لیے بھی ایک طبقہ مصروف کار رہتا ہے......کوئی طبقہ اپنے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ نہ ہوگا تو

Marfat.com

اسلام نہ ہوگا...... اسلام کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے...... سورۂ قتال (سورۂ محمد بھی اس کا نام ہے) کے آخر میں ہے۔ (آیت ۳۸)

اے لوگو! اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہارے سوا، پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح۔" (ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ)

والحمد للہ رب العالمین...... اللہ تعالیٰ خلیفہ راشد و امام عادل و مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمات اور قربانی کو قبول فرما کر ہمیں ان سمیت تمام صحابہ علیہم الرضوان کی محبت کے جذبہ سے سرشار کرے اور ان کے متعلق ہر قسم کی بدگمانیوں سے بچائے............

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

***

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی کو مخاطب کر کے فرمایا:

''علی تم میرے نزدیک ایسے ہی ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (مسلم روایت: ۲۴۰۴)

☆ حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں نبی معصوم و امام آخر الزمان نے فرمایا:

''جس کا میں دوست ہوں، اس کا علی رضی اللہ عنہ بھی دوست!۔'' (ترمذی: کتاب المناقب)

☆ حضرت عمرو بن شاس الاسلمی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے علی رضی اللہ عنہ کو اذیت پہنچائی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔'' (مسند احمد ص ۴۸۳)

اقوال زریں

☆ علم سیکھو، اللہ تعالیٰ کو پہچان لو گے...... عمل میں محنت کرو اور خوب عمل کرو، اللہ والے بن جاؤ گے۔

☆ یاد رہے کہ دنیا بہر طور کنارہ کرنے والی ہے اور آخرت بس آیا ہی چاہتی ہے۔ دنیا اور آخرت ہر ایک کے فرزند ہیں (ٹوٹ کر محبت کرنے والے) تم آخرت سے محبت کرنے والے بنو، دنیا سے نہیں۔

☆ یاد رہے کہ دنیا میں بے رغبتی سے زندگی گزارنے والے زمین کو فرش، مٹی کو بچھونا اور پانی کو ضرورت کی چیز خیال کرتے ہیں...... ہر ایک سے محض ضرورت ناگزیر کے طور پر استعمال میں لاتے ہیں اور بس۔

Marfat.com

☆ یادر ہے کہ آخرت کا مشتاق اپنے آپ کو خواہشات سے الگ تھلگ رکھتا ہے۔

☆ اور آگ سے ڈرنے والا، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے مکمل پرہیز کرتا ہے۔

☆ اور جنت کا طالب طاعت و بندگی کی راہ میں تیز رو ہوتا ہے......اور جو دنیا میں رہ کر دنیا سے لاتعلق ہو جائے۔ دنیا اپنی مصیبتوں کے ساتھ اس پر ڈیرہ ڈال دیتی ہے (جس پر صبر لازم ہے)۔ (سیدنا علی ص)

تمہید!

علی کے متعلق کیا لکھا جائے؟

کیا چند سطریں یا صفحات حق ادا کرنے کے لیے کافی ہیں؟

☆ وہ پہلے بچے ہیں، جنہوں نے دعوت رسول پر لبیک کہا اور آپ سے مل کر نماز ادا کی۔

☆ ان کی تربیت، بیت رسول میں، خود رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اولاد کے ساتھ کی، اپنی پیاری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا، علی ہر جنگی مہم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی تدفین جناب علی کے ہاتھوں ہوئی۔

☆ انہوں نے بڑے نازک موڑ پر امت کو بچانے اور اس کی خدمت کے لیے خلافت کا منصب سنبھالا، باوجودیکہ نظر آرہا تھا کہ تقدیر کا لکھا جلدی سے سامنے آرہا تھا۔

☆ وہ ایسے ہیں کہ بعض طبقات نے ٹوٹ کر ان سے محبت کی......وہ حدود کو قائم نہ رکھ سکے اور ہلاک ہو گئے اور بعض نے تو ان کی عبادت و بندگی تک دھندا شروع کر کے کفر و ضلالت مول لی اور بعض طبقات نے ان کے بغض و دشمنی میں حد کر کے دین اسلام سے منہ موڑ لیا۔

سوال یہ ہے کہ ان کے متعلق کیا لکھا جائے۔

☆ ان کی جرأت و شجاعت......امر واقعہ ہے۔

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت، جذبہ فدائیت کو دیکھا جائے تو وہ ایک غیرت مند محب نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

☆ جہاد، صبر اور مصائب کے برداشت کو دیکھا جائے تو بچپن سے شہادت تک ایک صابر مجاہد نظر آتے ہیں۔

☆ نسب کے اعتبار سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور باقی لوگوں کے مقابلہ میں ان کے تعلق کو دیکھا جائے تو اس شرف میں بھی وہ خوب سے خوب تر ہیں۔

☆ اس لیے قلم ان کی سیرت و کردار لکھنے سے عاجز آ جائے تو تعجب نہیں۔ میں اس معاملہ میں الجھن میں پڑ جاؤں تو تعجب نہ ہوگا کہ ان کے فضل و کمال اور حق کا معاملہ چند در چند ہے اور مجھے کوتاہی علم کا اعتراف ہے۔

☆ ہاں یہ ضرور ہے کہ عبقری لوگوں پر لکھنے کا شعور کسی درجہ میں مجھے حاصل ہے، اس معاملہ میں میرا ذہن صاف ہے۔ کوئی وسوسہ اور غلط بات رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

☆ نئے اور پرانے اہل ہوا و ہوس نے جو لکھا، اس سے مجھے آگاہی ہے اس لیے ان کی سیہ کاریوں کے ازالہ کا مجھے شعور ہے۔

اس لیے میں ہمت کر کے قدم اٹھا رہا ہوں اور اپنے قلم کو حرکت دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ غلط و ناصواب تحریر سے میری حفاظت فرمائے، سچائی کے ساتھ لکھنے کی توفیق بخشے، اللہ تعالیٰ ہی میرا حقیقی آقا اور بہترین مددگار ہے۔

***

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ مکی زندگی

رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی

علی بن ابی طالب (اصل نام عبد مناف، ابو طالب کنیت) بن عبد المطلب بن ہاشم...... والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم۔ ماں باپ ہر دو اعتبار سے ہاشمی ہیں...... یہی فخر ان کے لیے کافی ہے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ میں وہ چچازاد بھائی ہیں۔

رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس قبل اپنے والد کے مکان میں پیدا ہوئے...... رسول کریم کے دادا جناب عبد المطلب کے بعد ابو طالب کا گھر ہاشمیوں کا مرجع تھا۔

اصل یہ ہے کہ جناب عبد المطلب کے بعد ان کے فرزند ''زبیر'' رسول مکرم کے تایا، سربراہ خاندان مقرر ہوئے، انہوں نے ہی رسول مکرم کی سرپرستی کی، ان کے بعد ابو طالب کا نمبر آیا جناب علی نے ناز ونعم میں زندگی گذاری، ان کا گھرانہ قابل احترام تھا...... باوجودیکہ والد معاشی طور پر اچھے حال میں نہ تھے، پھر بھی انہوں نے اولاد کا خیال خاص رکھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ جناب علی، اس دور کے رواج کے مطابق بیت اللہ میں پیدا ہوئے......شرفاء مکہ کی خواتین ولادت کے وقت بیت اللہ میں موجود بتوں کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے بیت اللہ میں چلی جاتیں...... اس وقت ابو طالب مکہ میں موجود نہ تھے، والدہ نے نام ''حیدر'' رکھا (شیر کا نام ہے) لیکن والد نے واپسی پر نام بدل کر ''علی رضی اللہ عنہ'' رکھ دیا۔

جناب علی سب سے چھوٹے تھے، ان کے بڑے بھائی جعفر رضی اللہ عنہ، عقیل رضی اللہ عنہ اور طالب رضی اللہ عنہ تھے...... لیکن چونکہ علی ابتداء ہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر تربیت آگئے اس لیے انہیں بڑا مقام میسر آگیا، پھر یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں آنے کا سبب یہ ہوا کہ مکہ میں شدید قحط پڑ گیا۔ ابو طالب مفلس تھے اور عیال دار...... رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کا بوجھ ہلکا کیا جائے، آپ اپنے چچا جناب عباس کے پاس گئے، جن کے مالی حالات بہت اچھے تھے اور ان سے کہا:

Marfat.com

''چچا جان! آپ کے بھائی ابوطالب عیال دار آدمی ہیں اور یہاں شدید قحط ہے، میرا خیال ہے کہ ان کا ایک فرزند میں لے لوں، ایک آپ، اس طرح ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

عباسؓ نے کہا...... بہت اچھا۔

چنانچہ دونوں چچا بھتیجا ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے کہا:

''ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ کا بوجھ ہلکا کریں...... یہ ہماری خواہش الخ۔''

''ابوطالب نے کہا...... بہت اچھا ''عقیل'' کو تو میرے پاس چھوڑ دو باقی جیسے چاہو کرلو۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو لے لیا اور جناب عباس رضی اللہ عنہ نے جعفر رضی اللہ عنہ کو...... یہ دونوں حضرات اپنے سرپرستوں کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ جوان ہو گئے اور اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کرلی...... اس طرح حضرت علی گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبہ کے فرد بن گئے...... رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت اپنی اولاد کی مانند کی، اولاد کی طرح ان کا خیال رکھا اور انہیں ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اپنی اولاد کو۔ جناب علی کو جو فضیلت میسر آئی اور جو عزت و شہرت ملی، اس کا اصل راز یہ ہے۔ اگر وہ اپنے بچپن میں اس طرح کے ہو گئے کہ اپنی عمر سے بڑھ کر فہم و شعور کی دولت انہیں میسر آ گئی تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ اس کا اصل راز صحبت و تربیت نبوی ہی ہے...... دس برس کی عمر میں نبوت کے معنیٰ کا شعور، حق و باطل کے درمیان فرق اور اللہ تعالیٰ اور بتوں کی عبادت کے درمیان فرق جو سمجھ آ گیا تو یہ نگاہ نبوت کا فیض تھا...... اس چھوٹی عمر میں وہ ہر معاملہ میں نبی علیہ السلام کے ساتھ نظر آتے ہیں، آپ کا دین قبول کیا، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور آپ کے ساتھ مل کر نماز ادا کی...... تو صحبت نبوی کے سبب۔

جہاں تک سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی کا تعلق ہے...... تو اس کا ذکر مدینہ منورہ کے حالات میں آئے گا۔

Marfat.com

مسلمان بچہ

جناب علی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں منتقل ہوئے تو انہیں ایک مقدس گھرانا میسر آ گیا...... اس گھر کے سربراہ تو محمد بن عبداللہ جیسے کریم النفس انسان تھے، تو خاتون خانہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی ذی استعداد، مروت و اخلاق کی پتلی خاتون...... اور اس گھر میں جناب علی کو جو بہن بھائی میسر آئے وہ جناب رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا...... تھے پیغمبر اقدس کے بڑے صاحبزادے جناب قاسم انتقال کر چکے تھے، عبداللہ بعد میں پیدا ہوئے...... ابراہیم مدینہ میں پیدا ہوئے اور بڑی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہو چکا تھا...... اس لیے ان تین صاحبزادیوں کا ذکر کیا گیا اس سے زیادہ پاکباز خاندان کون ہوگا؟

ان کے اعزاز و اکرام کے لیے یہ کافی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے بیٹوں میں سے انہیں منتخب کیا...... پھر اس مہمان کو بڑی عزت و توقیر کے ساتھ اپنے گھر میں رکھا...... یہ اس احسان کا بدلہ بھی تھا کہ ان کے والد عبد مناف (ابوطالب) نے کچھ دن رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی...... آپ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب کے بعد آپ کے تایا زبیر آپ کے مربی تھے...... بعد ازاں ابوطالب خاندان کے سربراہ بنے تو اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے...... بہر حال جناب علی نے ایک پاکباز گھرانے میں بڑی عزت سے وقت گذارا۔

شب و روز اسی طرح گذرتے رہے کہ رسول مقدس کے گھرانہ میں نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا، جناب علی اس کا مشاہدہ کر رہے تھے...... نزول وحی کی کیفیت اور کیا نازل ہو رہا تھا۔ اس سے وہ آگاہ تھے۔

اپنی منہ بولی اماں...... سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بات بھی انہوں نے سنی جو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی...... سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ سے عرض کیا:

> "میرے چچازاد بھائی (قدیم رشتہ داروں کے حوالہ سے) آپ کو بشارت ہو، ثابت قدم رہیے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جان ہے، مجھے یقین ہے کہ اس امت کے آپ ہی نبی ہیں۔"

Marfat.com

جناب علی اس وقت دس سال کے بچے تھے لیکن ان باتوں سے آگاہ ہو گئے، انہوں نے معاملہ کی نزاکت کو سمجھا اور کچھ وقت ذہنی کش مکش سے گزرنے کے بعد اسلام قبول کر لیا...... انہوں نے اپنے والد ابو طالب سے استصواب کی ضرورت نہ سمجھی کہ ایمان باللہ کی وادی محبت کے لیے والد کی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ وہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتے...... ابھی ایسا کسی نے نہ کیا تھا۔

بار ہا رسول اللہ کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں تشریف لے گئے...... ایسے ہی ایک مرتبہ ان کے والد نے انہیں دیکھ لیا تو پوچھا یہ کیا ماجرا اور قصہ ہے...... جناب علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

> ''ابا! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں اور رسول اللہ کو ان کے پیغام میں سچا جان کر ان کی اتباع کی راہ اختیار کر چکا ہوں۔''

باپ نے کہا:

> ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم...... تمہیں بھلائی کی طرف دعوت دیں گے اس لیے ان کو مضبوطی سے پکڑ لو۔''

پر افسوس ابو طالب نے اس خیر و بھلائی کی دعوت کو خود قبول نہ کیا اور یوں دائمی جہنم کا حق دار قرار پایا...... فیا حسرتا

ابو طالب نے رسول اللہ سے کہا:

> ''بھتیجے یہ سب کچھ کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا:

> ''چچا! یہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، سابقہ تمام رسولوں اور ہم سب کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے...... اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ مجھے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے...... اور ہاں اے چچا، آپ پر زیادہ حق ہے کہ آپ اسے قبول کریں، اس کی خیر خواہی کا راستہ اختیار کریں، اس کی دوسروں کو دعوت دیں، میرے ساتھ تعاون کریں اور اس راستہ میں مجھے جو مشکلات پیش آئیں، ان میں میرا ہاتھ بٹائیں۔''

ابو طالب نے کہا...... بھتیجے میرے ساتھ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑنا بہت مشکل ہے...... ہاں میں جب تک زندہ رہا، تمہارے سامنے کوئی ناگوار کام نہ کروں گا۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے رسول، دعوت کے کام میں لگ گئے...... لوگوں کو حق کی طرف برابر بلاتے رہے، بعض خوش قسمت مان گئے، اکثر نے انکار کیا، حتیٰ کہ سورۂ شعراء کی آیت ۲۱۴ نازل ہوئی جس میں حکم تھا کہ:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ.

اپنے قریبی اعزہ کو تنبیہ کریں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے سبھی کو اکٹھا کیا...... سب اکٹھے ہو گئے تو آپ نے دعوت دی، قبول حق پر رضا الٰہی کی بشارت اور انکار پر عذاب کی خبر دی لیکن کسی نے اس دعوت کو قبول کیا، تنہا دس سالہ بچہ علی اٹھا اور عرض کیا:

''میں اس راہ میں آپ کا ساتھ دوں گا اور جو آپ سے لڑے گا، اس سے لڑوں گا۔''

مخالفین میں سب سے بڑھ کر آپ کے دوسرے چچا ابولہب تھے...... انہوں نے بڑی سختی سے کہا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا خانہ ویران ہو، اس کام کے لیے ہمیں بلایا تھا؟''

غیرت حق جوش میں آئی...... اور سورۂ تبت نازل ہوئی...... جس میں ارشاد ہوا؟

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا، اس کا مال اور جو اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا، وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑے گا اور اس کی عورت بھی جو ایندھن اٹھائے پھرتی تھی۔ اس کی گردن میں مونج کی رسی ہے۔'' (ترجمہ از مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ)

اب آپ غور کریں کہ اس مسلمان بچے اور اس ضدی اور متکبر چچا کے کردار میں کتنا فرق ہے؟

فداکار نوجوان

دعوت دین مکہ میں پھیلنے لگی، بہت سے لوگ دائرہ میں داخل ہو گئے...... اب مشرکوں نے اصحاب ایمان کو دکھ پہنچانے شروع کر دیئے اور انہیں طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ بعض حضرات پریشان ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے تا کہ اپنا دین محفوظ رکھ سکیں۔

Marfat.com

خود رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی تکلیف پر کمال درجہ صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اور اپنے رفقاء کو بھی صبر کی تلقین کی...... تاہم ایک ایسی جگہ کی تلاش کر دی، جہاں مسلمان اطمینان سے رہ کر دعوت دین کا کام کر سکیں اور دین اسلام کا پودا نمو حاصل کر سکے...... اسی دوران یثرب کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی جس نے اس بات پر آپ کی بیعت کر لی کہ اگر آپ ہجرت کر کے ان کے پاس تشریف لائیں گے تو وہ آپ کی بھرپور مدد کرے گی...... بلکہ آپ کے ساتھ ہجرت کر کے آنے والوں کی وہ حضرات مدد کریں گے...... اس پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کو اس نئی جگہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی جو اس کی طاقت رکھتا ہو۔"

اب مسلمانوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق خفیہ اور اعلانیہ طریق سے ہجرت شروع کر دی، قریش کفار نے جب یہ محسوس کیا تو انہوں نے بقدر ہمت مسلمانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیئے...... پھر جب قریش نے سمجھ لیا کہ اب خود رسول اللہ بھی ہجرت کرنے والے ہیں، تو انہوں نے مشورہ کے بعد آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے زبردست اہتمام کیا لیکن:

"کافر اپنی تدبیروں میں مشغول تھے، اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر میں......اور اللہ تعالیٰ سب سے اچھی تدبیر فرمانے والے ہیں۔" (آل عمران:۵۴)

کے مصداق اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے منصوبہ قتل سے آگاہ کر کے ہجرت کا حکم دے دیا...... اب اللہ تعالیٰ کے رسول نے اسباب ہجرت فراہم کئے، ساتھ ہی وہ راستہ تجویز فرمایا۔ جس سے آپ سلامتی سے مدینہ منورہ (یثرب) پہنچ جائیں...... کفار قریش کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ مخفی طریق سے بیت نبوت کو گھیر لیں اور یکبارگی حملہ آور ہو کر آپ کو قتل کر دیں...... حالات ایسے تھے کہ آپ اکثر گھر ہی رہتے اور اپنے بستر پر لیٹے رہے...... اب سوال یہ تھا کہ اس گھر میں کون مقیم ہو گا؟

"دشمنان دین وملت ننگی تلواریں لے کر بیت نبوت کے دائیں بائیں کھڑے ہوں تو بستر نبوت پر کون سوئے گا؟

جو بھی اس گھر میں قیام کی جرأت کرتا وہ اس بات سے واقف تھا کہ مجرم ضمیر لوگوں کے ہاتھ اس کی طرف اٹھیں گے...... ان کے نزدیک کوئی فرق نہ تھا کہ بستر پر کون ہے؟ تاہم زیادہ دیر

Marfat.com

سوچنے میں نہیں لگے، نہ ہی زیادہ بحث ہی کی ضرورت پڑی...... علی جو اس گھر میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم تھے...... وہ یہاں رہیں گے...... وہ ایک بہادر نوجوان تھے...... ایسے نوجوان جو خوب سمجھ کر اور سوچ کر اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لائے تھے۔ ان کے لیے رسول اکرم کے مکان میں مقیم ہونا اور آپ پر اپنی جان قربان کرنا مشکل نہ تھا۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو منتخب کر کے انہیں حکم دیا کہ وہ اسی مکان میں مقیم رہیں، بستر پر لیٹ جائیں اور اپنی سانس پر کنٹرول رکھیں...... انہیں دوسری ذمہ داری یہ سونپی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو لوگوں کی امانتیں ہیں وہ ان کے مالکان کے سپرد کر دیں...... پوری کی پوری بغیر کسی کمی کے...... یہ ذمہ داری اس وقت سونپی گئی جب وقت بہت نازک تھا اور ہر شخص اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول نے اس وقت میں بھی لوگوں کی امانتوں کو نظر انداز نہیں کیا اور جناب علی کو ان کی ادائیگی کا حکم دیا...... لطف یہ تھا کہ یہ امانت اِنہیں کی تھیں جو آپ کے دشمن تھے، آپ کے خون کے پیاسے، اس کے باوجود خیانت کا اللہ کا نبی تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

اب اللہ کے نبی اپنے گھر سے پورے اطمینان اور سکون سے نکلے...... گھر کے باہر کفار قریش کے منتخب اور چیدہ افراد ننگی تلواروں سمیت آپ کے قتل (نعوذ باللہ) کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے موجود تھے...... آپ سکون سے ان کے درمیان سے نکل آئے، آپ کی زبان پر سورۂ یٰسین تھی، جس کی آپ تلاوت فرما رہے تھے جب آپ اس آیت پر پہنچے جس میں ارشاد ہے کہ:

> "اور ہم نے ان کے سامنے ایک دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار ہے۔ پھر ہم نے انہیں ڈھانک دیا ہے کہ وہ دیکھ نہیں سکتے۔" (یٰسین: ۹)
>
> (ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ)

تو گویا وہ اندھے ہو گئے اور آپ بخیر و خوبی نکل کر سیدنا صدیق اکبر کے گھر تشریف لے آئے...... اب تنہا جناب علی، بیت نبوت میں آپ کے بستر پر دراز تھے۔ دروازہ پر منتظر لوگ دروازہ کی دراڑوں سے دیکھ رہے تھے...... ان کا خیال یہی تھا کہ اندر رسول اللہ ہی ہیں۔ انہیں اپنے منصوبہ کی تکمیل کے معاملہ میں کوئی شبہ نہ تھا...... اسی دوران وہ مناسب وقت کی انتظار میں سو گئے لیکن ناگہانی ایک شخص آیا۔ اس نے انہیں جگا کر متنبہ کیا کہ رسول اللہ تو نکل گئے...... لیکن وہ

Marfat.com

نہ جانے انہوں نے حسب دستور دروازہ کی ماڑوں سے دیکھا تو کسی وجود مجسم کو بستر موجود پا کر مطمئن ہو گئے اور منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی تیاری کرنے لگے...... اسی اثناء میں آسمان کے افق پر فجر طلوع ہوئی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بستر پر کروٹ بدلی تا کہ نئی صبح کا استقبال کر سکیں، اب دشمنوں نے دیکھا تو ان کی نظر علی پر پڑی...... جو رسول رحمت کی چادر لپیٹے آرام کر رہے تھے...... اب انہوں نے سمجھ لیا کہ ہم انتظار کرتے رہے اور رسول نکل گئے...... چنانچہ انہوں نے چلانا شروع کر دیا، ہنگامہ برپا کر دیا اور ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگے۔ وہاں سے سرپٹ دوڑ لگا دی تا کہ آپ تک پہنچ کر اس کوتاہی کی تلافی کر سکیں...... ان کے وڈیروں کو بھی صورت حال کا علم ہو گیا۔ اب سب مل کر اللہ تعالیٰ کے رسول کا تعاقب کرنے لگے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اعداء کے شر سے بچایا اور ان کی ہر طرح حفاظت کی...... سچ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ اپنے کام جیت کر رہتا ہے (اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنا کر رہتا ہے)
لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔" (یوسف: ۲۱ ترجمہ مولانا احمد علی لاہوریؒ)

حضرت علی تین دن وہاں مقیم رہے اس عرصہ میں انہوں نے تمام امانتیں ان کے مالکان تک پہنچا ئیں...... پھر وہ بھی ہجرت کی راہ پر چل پڑے گویا اپنا شہر اور خاندان کو چھوڑ دیا۔ ایک مخصوص شوق انہیں لیے چلا جا رہا تھا تا آنکہ وہ مدینہ منورہ پہنچ گئے...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے رفقا کے پاس...... اب ایک نئی جگہ اور نئی دنیا کی ابتداء ہوئی...... دعوت الی اللہ کا کام بہت خوبی سے جاری ہوا اور "لا الہٰ الا اللہ" کا جھنڈا سر بلند ہو گیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ مدنی زندگی

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ مکہ معظمہ میں جو ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں، ان سے عہدہ برآ ہونے کے بعد انہوں نے رخت سفر باندھا اور مکہ چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی، وہ صحرائی راستے تنہا قطع کرتے رہے...... راستہ کی مشکلات اور پریشانیاں ایک طرف تھیں لیکن ان کی آنکھوں کے سامنے ایک روشنی تھی جو برابر امید کے لیے مشعل راہ تھیں...... وہ امید یثرب کے مستقل قیام اور وہاں سے ہر طرف آزادانہ جانے آنے کی تھی۔

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سرگرم سفر رہے، باوجودیکہ راستہ پرخطر تھا اور اس میں بے پناہ مشکلات تھیں لیکن وہ کسی خوف وخطر کے بغیر پورے عزم وہمت سے چلتے رہے اس معاملہ میں رات دن کی تمیز نہ تھی...... جونہی مدینہ منورہ کے آثار نظر آئے، شوق لقاء زیادہ ہوگیا...... کہ اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر سے ملاقات ہوگی تاہم وہ بھائی جو ابھی تک مکہ معظمہ میں پریشان کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان کی ملاقات کی خواہش دل میں مچل رہی تھی...... دیکھیں وہ اس عذاب سے کب نجات پاتے ہیں...... وہ غریب بھی مکہ میں بیٹھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یار عزیز ابوبکر کی ملاقات کے لیے دن گن رہے تھے تاکہ مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے وسائل مجتمع کر کے ہنسی خوشی کام کر سکیں اور فرائض دینی ادا کر سکیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے قریب ''قبا'' نامی بستی میں پہنچ گئے...... اہل مدینہ برابر منتظر رہے...... وہ روزانہ شہر سے نکل کر استقبال کے لیے انتظار کرتے...... سورج ڈھلے واپس چلے جاتے اور اگلے دن پھر ایسا ہی کرتے...... حتیٰ کہ ایک دن انہوں نے اس مقدس سہ نفری قافلہ کو دیکھ ہی لیا، وہ ملاقات کے لیے تیار ہوگئے...... آپ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اپنے آپ کو غایت درجہ سعادت مند خیال کرنے لگے...... اس میں شک بھی نہ تھا۔

''قبا'' کے زمانہ قیام میں آپ حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر مقیم رہے جو وہاں کے ایک ذمہ دار فرد تھے...... آپ کا قیام ان کے یہاں پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ کو رہا۔ اس عرصہ میں لوگ آپ سے ملتے رہے اور آپ انہیں تعلیمات ربانی سے منور فرماتے رہے حضرت علی بھی قبا میں آپ کے پاس آ گئے اور جناب کلثوم رضی اللہ عنہما بن ہدم کے مکان پر آپ کے ساتھ ہی تشریف فرما ہوئے۔ آپ کی ملاقات واستقبال کے حسین مناظر میں انہیں شرکت کا موقعہ ملا، آپ کی تعلیم سے وہ بھی بہرہ ور ہوئے۔

قبا میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکے پاس پہنچنے کی انہیں بے حد خوشی تھی انہیں خوب اندازہ تھا کہ قریش نے رسول اکرم کے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کے لیے بڑے انعامات کا اعلان کر رکھا ہے۔ پھر وہ راستہ کے خطرات اور پریشانیوں کا بھی ذاتی طور پر مشاہدہ کر چکے تھے، اس لیے ان کی خوشی دوچند تھی اور آپ بے انتہا خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ظالموں کے چنگل سے نکل کر بعافیت اپنی منزل پر پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی عافیت سے یہاں پہنچا دیا۔

Marfat.com

جمعہ کی صبح رسالت مآب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے اپنے رفقاء سمیت نکلے...... حضرت ابوبکر تو تھے ہی اب علی بھی ساتھ تھے۔ اب رخ مدینہ کا تھا کہ مشتاقان دید کی آنکھیں ٹھنڈی ہو سکیں، جو کئی دن سے انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے۔

مؤاخات و بھائی چارگی

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی صبح مدینہ منورہ کی طرف چلے...... جمعہ کی نماز کا وقت بنو سالم بن عوف کے محلّہ میں ہو گیا تو آپ نے اس محلّہ کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جو اہل محلّہ نے بنائی تھی...... مدینہ میں یہ جمعہ کی پہلی نماز تھی۔

اب لوگ وفد در وفد خدمت اقدس میں حاضری دینے لگے اور اپنے اپنے یہاں قیام کی درخواست کرنے لگے۔

بنو سالم بن عوف کے عتبان بن مالک نے حاضر ہو کر اپنے یہاں پورے عزت و احترام سے قیام کی دعوت دی...... ایسے ہی بنو بیاضہ کے فرد فرید جناب زیاد بن لبید نے ایسی ہی درخواست کی، پھر جناب سعید بن الربیع اور سعد بن عبادہ حاضر ہوئے جو بنو ساعدہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے یہاں قیام کی دعوت دی اسی طرح جناب سعید بن الربیع اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما اپنے اپنے قبائل کے وفود کے ساتھ اور دوسرے متعدد حضرات اس خدمت کے لیے درخواست کرنے والے تھے...... آپ نے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی، سب کی دعوت کا بے حد شکریہ ادا کیا، اور ایسا جواب مرحمت فرمایا جس پر کسی کو شکوہ نہ ہو فرمایا:

"میری سواری کو چلنے دو اس کا راستہ نہ روکو حکم الٰہی کی پابندی اس پر لازم ہے"

رسولِ اکرم یونہی چلتے رہے حتیٰ کہ بنو مالک بن النجار (آپ کے ننھیال کا محلّہ) کے مکانات کے پاس پہنچ گئے...... موجودہ مسجد نبوی کے دروازے کے سامنے، جہاں اس وقت کھلی جگہ تھی...... سواری بیٹھ گئی۔ یہ جگہ بنو نجار کے دو یتیم بچوں کی تھی، آپ وہاں اتر گئے اور حضرت ابوایوب انصاری کے مکان پر فروکش ہو گئے...... آپ نے پوچھا کہ یہ جگہ کس کی ہے...... حضرت معاذ بن عفراء نے بتلایا:

Marfat.com

"یا رسول اللہ! یہ جگہ دو بھائیوں سہیل اور سہیل بن عمرو کی ہے وہ یتیم بچے ہیں...... میری کفالت وتربیت میں ہیں، میں انہیں راضی کرلوں گا تا کہ اس جگہ مسجد بن سکے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کی قیمت ادا کی...... باوجودیکہ وہ بچے اور ان کے کفیل ہدیہ کے طور پر جگہ دینے کو تیار تھے لیکن آپ اس پر راضی نہ ہوئے تا کہ ابتداء میں غلط روایت نہ پڑ جائے۔ جگہ کا انتظام ہوگیا تو آپ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ تعمیر کے کام میں آپ برابر کے شریک تھے اس کا مقصد واضح تھا کہ آپ اپنے لیے کوئی ترجیحی مقام نہ چاہتے اور آپ کی شرکت سے سب لوگوں کے لیے ترغیب کا سامان تھا۔ چنانچہ انصار، مہاجر، چھوٹے بڑے، سردار اور عام مسلمان سب تعمیر کے کام میں شریک رہے...... جناب علی بھی شریک کار تھے، مسجد کی تکمیل ہوگئی...... گویا دعوت الی اللہ کے لیے ایک مرکز تیار ہوگیا۔

تعمیر مسجد کے عرصہ میں آپ حضرت ابوایوب انصاری کے گھر ہی مقیم رہے اور مہاجر حضرات اپنے انصاری بھائیوں کے یہاں...... اس کی مستقل داستان ہے۔ بڑی عجیب وغریب جب مہاجر حضرات مدینہ منورہ پہنچے تو انصار بھائی انہیں اپنا بھائی بنانے میں دعوت دینے میں پیش پیش تھے، ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر...... الحاح وزاری سے دعوت دے رہے تھے، حتیٰ کہ مہاجر حضرات کے لیے اس کا انتخاب مشکل ہوگیا کہ وہ کس کی دعوت قبول کریں؟

چنانچہ نبی علیہ السلام نے بصیرت نبوی سے ایسی تدبیر ڈھونڈھ نکالی، جس سے سب راضی ہوگئے...... یہ ایسی تدبیر تھی، جس سے انسانی سوچ عاجز تھی اور نہ اس سے بہتر تدبیر کبھی ہو سکے گی...... وہ تدبیر تھی "اخوت و بھائی چارگی" کی...... رسول مکرم نے حکم دیا کہ دو دو حضرات آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔

علی رضی اللہ عنہ چونکہ سب سے پہلے آپ کی تربیت میں تھے اس لیے انہیں اپنے ساتھ لے لیا...... آپ کے چچا سید الشہداء حمزہ، زید بن حارثہ کے، جعفر بن ابی طالب، معاذ بن جبل کے، ابوبکر صدیق اکبر، خارجہ بن زید کے ابوعبیدہ بن الجراح، سعد بن معاذ کے عثمان بن عفان، اوس بن ثابت کے اور طلحہ بن عبید اللہ، کعب بن مالک کے...... بھائی قرار پائے (رضی اللہ عنہ) ایسے ہی سب حضرات کا طے کر دیا گیا۔

Marfat.com

ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی کے گھر میں مقیم ہوا۔

اس رشتہ اخوت نے غربت و مہاجرت کی وحشت کو دور کر دیا اور مہاجر حضرات اپنی زمینیں، گھر اور مال و منال جو چھوڑ آئے اس کا گویا معاوضہ اس محبت و الفت باہمی سے ادا ہو گیا...... **سبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم**......

یہ وہ رشتہ اخوت تھا۔ جس نے ان حضرات کے دلوں کو اس طرح جوڑ دیا کہ وہ سیسہ پلائی دیوار بن گئے...... معاملہ یہاں تک پہنچا کہ انصاری بھائیوں نے اپنی زمینیں اور نقد سرمایہ مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کرنے کی ٹھان لی۔ حتیٰ کہ جن حضرات کی ایک سے زائد بیویاں تھیں، انہوں نے چاہا کہ ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کا گھر بسا دیں...... یہ الگ بات ہے کہ مہاجر برادری نے انصاری عزیزوں کی اس قسم کی پیش کش کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا اور ان کی محبت و الفت کے سرمایہ سے محبت کا راستہ اختیار کر کے اپنی دنیا بنائی...... (رضی اللہ عنہم۔)

علی رضی اللہ عنہ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد

مسجد نبوی بن گئی تو اس کے متصل بعض کمرے تعمیر کئے گئے جو آپ کے خاندان کی رہائش کے کام آئیں...... آپ ان حجروں میں منتقل ہو گئے اور جناب ابوایوب کا گھر چھوڑ دیا...... جتنا عرصہ آپ وہاں رہے ابوایوب نے خدمت و احترام کی حد کر دی، ان کے لیے اس سے بڑھ کر سعادت بھی کیا تھی؟...... مسجد کا رقبہ اچھا خاصہ تھا، جس میں مسلمان اجتماعی نماز ادا کرتے، مشاورت کے لیے اجتماع کرتے، ایک دوسرے سے میل ملاقات کر کے اطمینان حاصل کرتے...... غزوات اور جہادی مہموں کے لیے رسول اکرم یہیں سے لشکر جھنڈوں کے ساتھ روانہ فرماتے اور آنے والے وفدوں سے مسجد میں ہی ملاقات فرماتے...... گویا مسجد صحیح معنی میں مرکز حیات اجتماعیہ تھی۔

ہجرت کا پہلا سال تو اس طرح گذرا کہ مسجد کی تعمیر ہوئی، لوگوں کی آبادی کا اہتمام کیا گیا، اجتماعی نظم کی فکر کی گئی اور ایک مملکت کی بنیادیں استوار کی گئیں، دوسرے سال بھی اسی طرح معاملات آگے بڑھتے رہے...... بعض جنگی مہمیں چھوٹے پیمانہ پر پیش آئیں...... بعض بڑی جنگی مہموں سے واسطہ پڑا...... جن میں مشہور ترین "غزوہ بدر کبریٰ" ہے جو ۱۷ رمضان ۲ھ کو بدر نامی

Marfat.com

چشمہ پر پیش آیا، جس سے متعلق کافی حد تک تفصیلات سورہٗ انفال میں ہیں اور کسی درجہ میں سورہٗ آلِ عمران میں بھی ہیں۔

ہجرت کے دوسرے ہی سال اپنے عزیز ترین دوست، ساتھی، سب سے پہلے بالغ مسلمان اور راہ حق میں سب سے بڑھ کر ایثار و قربانی کرنے والے بزرگ سیدنا المخدوم صدیق اکبر کی صاجزادی، سیدہ کائنات اور صدیقہ کائنات عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ، حمیرا رضی اللہ عنہا سے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی...... یا عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقدر چمک اٹھا، وہ امہات المومنین میں شامل ہوئیں...... جنہیں قرآن نے امت کی مائیں قرار دیا۔

اسی برس اپنی تیسری صاجزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ نے اپنے چچازاد اور تربیت یافتہ...... علی...... سے کیا۔

سیدہ کے رشتہ کے لیے جناب ابوبکر اور جناب عمر کی طرف سے تقاضے آچکے تھے...... انہی بزرگوں کے توجہ دلانے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے درخواست کی تو اسے قبول فرمالیا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

"کہ علی! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کردوں"۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ والے حصہ میں یہ گذرا کہ نبی علیہ السلام نے جتنی شادیاں کیں یا آپ نے اپنی صاجزادیاں جہاں جہاں بیاہیں، سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے...... نبی علیہ السلام نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنی صاجزادی کا حق مہر لیا...... کہ یہی ایک بچی کا اصل حق ہوتا ہے جو فریقین کی مرضی کے مطابق طے کیا جاتا ہے اور مرد پر اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے...... مزید انہیں فرمایا کہ اپنا گھر بسانے کے لیے کسی قدر سامان تیار کرو [۳۹]۔

بعض قریبی احباب کو بلا کر خطبہ پڑھا گیا، اس نکاح کا باقاعدہ اعلان ہوا اور خیر و برکت کی دعا مانگی گئی۔ یہ نیا جوڑا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش گاہ کے قریب ہی مقیم رہا، حضرت علی نے اپنے افلاس و تنگ دستی کے باوجود سیدہ کی تکریم کی ہر ممکن کوشش کی...... ایک مرحلہ پر انہوں نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا عزم کرلیا۔ جس سے قدرتی طور پر رسول اکرم کو رنج ہوا اور سیدہ بھی کبیدہ خاطر ہوئیں، اس کے علاوہ حالات معمول کے مطابق رہے اس جوڑ کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا حسن، حسین رضی اللہ عنہ، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ زنیب رضی اللہ عنہا کی شکل میں چار بچے عطا

Marfat.com

فرمائے...... سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جو سیدنا فاروق اعظم کے نکاح میں آئیں...... سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد بھائی کی اہلیہ تھیں...... کربلا کے افسوس ناک حادثہ کے بعد یہ دمشق میں اس وقت کے خلیفہ وحکمران جناب یزید بن معاویہ کے یہاں مقیم رہیں کہ ان کی سوتیلی صاحبزادی یزید کی اہلیہ تھیں...... سیدہ نے دمشق میں انتقال کیا۔ سیدنا حسن اور حسین کا ذکر آگے آئے گا۔

ابو جہل کی بیٹی سے رشتہ ازدواج بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا، اس کے علاوہ سیدہ فاطمہؓ کی زندگی میں انہوں نے مزید کوئی نکاح نہ کیا بعد میں متعدد نکاح کئے۔ جن میں سے ایک سیدہ کی محبوب ترین بھانجی، بڑی ہمشیرہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی اور رسول اکرم کی انتہائی چہیتی نواسی...... سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق نکاح کیا۔

سیدہ اپنے عظیم باپ کے سانحہ ارتحال کے محض ۶ ماہ بعد جوار الٰہی میں پہنچ گئیں...... سیدہ کی عمر محض تیس سال یا اس کے لگ بھگ ہوئی...... (رضی اللہ عنہا!)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیرت و کردار اور علمی مقام

کردار و سیرت...... مختصر خاکہ

اب ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صفات کا ذکر کریں گے اور ان کے بعض اخلاق پر روشنی ڈالیں گے، ساتھ ہی ان کی علمی حیثیت پر ایک نظر ڈالیں گے...... خاص طور پر مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد کے حوالہ سے...... یہ دور اس لیے بھی قابل ذکر ہے کہ وہ اب بھرپور جوان ہو چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اس سے قبل کہ ہم ان کے اخلاق و کردار پر روشنی ڈالیں، یہ واضح کرنا لازم ہے کہ جو بیان ہوگا وہ ان کی سیرت و کردار کا محض ایک حصہ ہے...... آخر ان کی تربیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ہوئی، انہوں نے ایک معتبر گھرانے میں آنکھ کھولی اور پھر جلد ہی رسول اکرم سے وابستہ ہو گئے اور یہ وابستگی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اختتام تک رہی۔

Marfat.com

آپ کے سیرت وکردار کی حسین ترین صورت وہ ہے جس کا ذکر ''ضرار العدائی'' نے اس وقت کیا جب ان سے سیدنا امیر معاویہ نے، حضرت علی کی سیرت وکردار پر روشنی ڈالنے کا کہا...... یاد رہے کہ یہ وہ دور تھا جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سید معاویہ رضی اللہ عنہ ایک شدید اختلافی دور سے گزر چکے تھے...... اس سے ہر دو بزرگوں کے عظمت کردار کا اندازہ ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو آخر کو دونوں جلیل المرتبت صحابی تھے۔ضرار نے پہلے تو معذرت چاہی...... پھر امیر معاویہ کے اصرار پر کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہادر اور حوصلہ مند شخص تھے، کھری بات کرتے اور مبنی بر عدل فیصلہ کرتے، ایسے معلوم ہوتا گویا علم ان کے اعضا سے ٹپک رہا ہے اور ان کے ہونٹوں سے حکمت بھرے اقوال نکل رہے ہیں۔ انہیں دنیا اور اس کی شادابیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، وہ رات کی تاریکی میں یاد الٰہی سے آسودگی حاصل کرتے، ان کی زندگی ایسی تھی کہ وہ ہر شے سے عبرت حاصل کرتے اور ہر چیز کی کہنہ میں غور سے کام لیتے۔لباس سے اتنی دلچسپی رکھتے جو ناگزیر ہے اور کھانے سے اس حد رغبت رکھتے جو روح کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

وہ ہم میں اس طرح رہتے گویا ہم میں سے ہی ہیں، ہم ان سے سوال کرتے تو ہمیں مطمئن کرتے، کوئی چیز معلوم کرنا چاہتے تو آگاہ کرتے۔ ہم ہر حال میں ان سے قریب رہتے اور انہیں اپنے قریب خیال کرتے اور ان سے بے تکلفانہ گفتگو کرتے۔ وہ دینداروں کی تعظیم کرتے، مساکین کو اپنے قریب رکھتے کوئی نام نہاد بہادر یہ سوچ نہ سکتا تھا کہ انہیں ان سے کوئی غلط رعایت مل جائے گی اور نہ ہی کوئی کمزور ان کے عدل سے مایوس ہوتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ انہیں میں نے بعض مواقع پر اس طرح پایا کہ چادر لپیٹے آنسو بہا رہے ہیں، اپنی داڑھی کو پکڑ رکھا ہے۔ اسے بل دے کر رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں...... اپنے آپ سے مخاطب ہو کر:

''اے دنیا مجھے دھوکہ دینا ہے تو میرے سوا کوئی دوسرا تلاش کر...... مجھے بتلائے شوق کرنا چاہتی ہے یا مجھ سے اعراض تجھے پسند ہے؟ یاد رکھ! میں نے تجھے تین

Marfat.com

طلاقیں دے دیں، جن کے بعد رجوع ممکن نہیں، تیری عمر مختصر اور تیری دلچسپیاں نہایت درجہ قلیل...... افسوس میرے پاس زادِ سفر کی بہت کمی ہے، سفر بہت لمبا ہے اور راستہ بہت ہی پر خطر اور وحشت ناک؟''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی سیرت و کردار جو نقشہ کھینچا گیا...... اس کے سامنے باقی دفتر ہیچ ہیں...... اس لیے اس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اقرار کیا...... کہ جو کہا گیا وہ درست ہے...... علی رضی اللہ عنہا ایسے ہی تھے...... انہیں باہمی اختلافات اور جنگ و جدال کا صدمہ...... تھا انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مغفرت کی (رضی اللہ عنہما)

قوت و شجاعت

آپ کا رنگ گندمی تھا، سر اور داڑھی کے بال سفید تھے، سر صاف تھا، بس کانوں کے ساتھ پچھلی طرف برائے نام بال تھے، جسم بھرا ہوا مائل بہ فربہی، داڑھی سینہ تک...... ایک قدرتی رعب ان کی صورت سے ہویدا تھا، قد آور لوگوں کی نسبت کوتاہ قامت...... ہاتھ اور پنڈلیاں سخت تھیں۔

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی قوت بخشی تھی...... خیبر کی لڑائی کے دن ۱۴ قلعوں میں سے ایک قلعہ ان کے ہاتھ سے فتح ہوا...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع فرماتے ہیں:

> ''نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب علی کو خیبر کے دن جھنڈے کے ساتھ بھیجا تو ہم ساتھ تھے، جس قلعہ کے لیے ہمیں بھیجا گیا۔ وہاں جب پہنچے تو قلعہ سے قلعہ کے باسی نکل آئے ان سے مقابلہ ہوا، ایک یہودی نے آپ پر وار کیا، جسے آپ نے اپنے ہاتھ پر روک دیا، حضرت علی تنہا جنگ آزما رہے حتیٰ کہ وہ قلعہ فتح ہوا...... ہم آٹھ شخص جس دروازے کو الٹ نہ سکے اسے انہوں نے تنہا الٹ دیا۔'' (مسند احمد)

ان کی شجاعت اور بہادری بہت سے غزوات میں سامنے آئی...... بلکہ قبول اسلام کے وقت ہی اس کا ظہور ہو گیا جب ساری قوم مخالف تھی اور یہ علانیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

Marfat.com

پھر ہجرت کے موقعہ پر اس کا ظہور ہوا کہ قریش کے اور چنیدہ نوجوان ننگی تلواروں کے ساتھ بیت رسول کے اردگرد موجود تھے اور یہ بستر نبوی پر استراحت فرما رہے تھے۔

بدر کی جنگ کے موقعہ پر کفار کے تین سورما نکلے ادھر سے حضرت حمزہ سمیت تین بہادر نکلے جن میں ایک آپ تھے...... آپ کے جو مدمقابل تھا، اسے آپ نے تہ تیغ کر دیا۔ احد کے موقعہ پر صورت حال نازک وسنگین تھی، کفار کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ کو آپ نے تہ تیغ کیا جب کہ اس کی حمایت کے لیے اور لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔

خندق کی جنگ میں آپ کے مقابلہ کے لیے مشہور پہلوان عمرو بن ود العامری نکلا...... اس کے ساتھ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے...... آپ بے خوفی سے عمرو کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

> ''عمرو! تو نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ تو کسی قریش کو مدد کے لیے نہیں بلائے گا ورنہ میرا راستہ صاف ہے۔ اس نے اقرار کیا تو فرمایا...... میں تجھے دین حق کی دعوت دیتا ہوں...... اس نے کہا ''مجھے ضرورت نہیں'' جناب علی رضی اللہ عنہ نے کہا...... لیکن میری تو یہی خواہش ہے۔ پھر سامنے آ جاؤ، اس نے کہا! کیوں؟ اے میرے بھائی کے فرزند...... میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتا۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے کہا...... لیکن میری تو یہی خواہش ہے...... اس پر عمرو غضبناک ہو گیا، اسے جاہلانہ غیرت نے مبتلائے غرور کر دیا، وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر جناب علی سے الجھ پڑا، اب دونوں گتھم گتھا ہو گئے...... چند لمحے گذرے ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر شدید وار کیا، جو اس کے قلب کو چیرتا ہوا نکل گیا، اس کے حمایتی اس کیفیت کو دیکھ کر جائے پناہ کی تلاش میں بھاگ نکلے۔''

خیبر کا قصہ مشہور ہے...... اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر اور حنین میں...... الغرض ہر جگہ انہوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے!

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ......ورع وزہد کے حوالہ سے!

خلافت کے زمانہ میں جناب علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''امیر المومنین! اگر آپ اپنے گرامی قدر رفقاء......محمد کریم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بامراد ملاقات کے متمنی ہیں تو تمناؤں اور آرزوؤں کا سلسلہ کم سے کم رکھیں...... پیٹ بھرنے سے قبل کھانے سے ہاتھ کھینچ لیں، لباس بھی بس ضرورت کی حد تک استعمال کریں......واجبی تہہ بند، چھوٹی قمیص اور برائے نام جوتا......آپ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے گرامی قدر رفقاء سے ملیں گے تو مسرت و شادمانی کے ساتھ!''

یہ کلمات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کہنے والا دنیا سے محض واجبی اور برائے نام تعلق رکھتا ہے......اس میں شبہ نہیں کہ حضرت علی نے ایسے ہی زندگی گزاری وہ کھردرا لباس استعمال کرتے، خلافت کے زمانہ میں بھی بیت المال سے حتی الوسع اجتناب کرتے اور بہت ہی برائے نام وظیفہ حاصل کرتے۔

ابوسعید الازدی کہتے ہیں:

''علی کو میں نے بازار میں دیکھا وہ پوچھ رہے تھے کہ کسی کے پاس ضرورت کی حد تک قمیص ہو جو بیچنا چاہے، اس کی قیمت تین درہم سے زائد نہ ہو۔ ایک شخص نے کہا ایسی قمیص میرے پاس ہے، وہ لے آیا، آپ نے پسند کر کے اس کی قیمت ادا کر دی، آپ نے وہ پہن لی تو اس کی آستین ذرا لمبی تھیں۔ تو انہوں نے انہیں اسی طرح کٹوا دیا۔''

کسی نے اس بہت ہی معمولی لباس کے بارے میں انہیں کہا......کہ آپ کے لیے مناسب نہیں تو فرمایا:

''میرا لباس ایسا ہے کہ اس میں تکبر و خود پسندی کا شائبہ نہیں اور یہ ایسا لباس ہے کہ ہر مسلم اس کا اہتمام کر سکتا ہے۔''

Marfat.com

ایک شخص سردی کے موسم میں آپ کے یہاں گیا ایک بوسیدہ چادر اوڑھے آپ سردی سے کپکپا رہے تھے، اس نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کے اہل وعیال کے لیے بیت المال میں حصہ رکھا ہے اور آپ ہیں کہ اپنے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''میں تمہارے مال سے اپنی ذات پر خرچ کر کے اسے گھٹانا نہیں چاہتا...... انہی اسباب سے تو میں نے مدینہ کو دارالحکومت کے طور پر ترک کر دیا ہے۔''

ایک دن آپ کا ایک ساتھی آیا...... اور کہا...... امیر المومنین، بیت المال سونے چاندی سے بھرا پڑا ہے...... آپ نے خوشی سے اللہ کا نام بلند کیا...... بیت المال تشریف لائے اور زر و جواہر کو مخاطب کر کے کہا:

''دھوکہ دینا ہے تو کسی اور کو منتخب کرو، مجھ پر تمہارا بس نہ چلے گا۔''

پھر آپ نے ضرورت مندوں میں تقسیم شروع کر دی اور جب کچھ باقی نہ رہا تو پانی منگوا کر وضو کر کے وہیں دو رکعت ادا کیں۔

ایک مرتبہ بیت المال گئے تو وہاں کچھ سامان پڑا پایا...... فرمایا:

یہ یہاں کیوں رکھا ہے جب کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے، چنانچہ اسے تقسیم کرا دیا، جھاڑو پھر گئی تو وضو کر کے نماز ادا کی۔''

ان کے زہد کے لیے یہ بات کافی ہے کہ انہوں نے ایک موقعہ پر شدید ضرورت مند ہو کر بھی متواتر تین دن مسکین، یتیم اور قیدی کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی جیسا کہ سورۂ دھر کی آیت میں ہے:

''کہ لوگ رضائے الٰہی کے حصوں کے لیے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

ایک موقعہ پر نبی علیہ السلام نے ایک میت کی نماز جنازہ سے اس لیے اعراض فرمایا کہ اس میت کے ذمہ قرض تھا...... جناب علی آگے بڑھے اور اس کا قرض اپنے ذمہ لے لیا...... چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ سے کہا:

Marfat.com

اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے اور تمہیں آخرت کی ذمہ داریوں سے اسی طرح آزاد کر دے جیسے تم نے اپنے بھائی کی آزادی کا سامان کیا۔

ایک روایت ہے کہ وہ شخص مردہ نہ تھا بلکہ قرض کے سبب حالات کے جبر کا شکار تھا...... اس شکل میں یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا ہوگا کہ جس کے ذمہ قرض ہوگا اس کی جنازہ کی نماز میں ادا نہ کروں گا...... اس شخص کو پریشانی لاحق ہوئی ہوگی تو حضرت علی نے اس کی پریشانی کا ازالہ کیا ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ...... علم وفقہ کے میدان میں

شجاعت وجرأت اور تقویٰ وزہد کے ساتھ ساتھ ان میں علم وفقاہت اور معاملہ فہمی کی خوبیاں بھی اعلیٰ درجہ میں موجود تھیں...... اس سے ان کی شخصیت کا ہیولیٰ بڑی عظمت کے ساتھ سامنے آتا...... ہے ان کے منہ سے نکلی ہوئی باتوں میں بڑی بلاغت اور ایک خاص اثر ہے۔ جس سے ان کی گہری بصیرت اور فکری کمال کا پتہ چلتا ہے۔

اگر ان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات سب جمع کیے جائیں تو وہ طویل دفتر کی شکل اختیار کر لیں...... اس سلسلہ میں ''الشریف الرضی'' کا مرتب کردہ مجموعہ ''نہج البلاغہ'' بڑی اہم چیز ہے[۲]۔

ان کی علم وفقاہت پر تعجب نہ ہونا چاہیے...... کہ انہوں نے بچپن سے ہی کاشانہ نبوت میں قدم رکھ لیا تھا اور وہ برابر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے اور سیکھتے رہے۔

ان کی اس حیثیت کا اعتراف صحابہ کے ارشادات میں موجود ہے...... حضرت عمر اہم فیصلوں میں انہیں ساتھ رکھتے اور فرماتے کہ:

> ''علی رضی اللہ عنہ کی قوت فیصلہ خوب ہے اور یہ کہ وہ عہد قضا کی ذمہ داری خوب نبھا سکتے ہیں۔''

(بعض محدثین نے اس روایت پر شدید تنقید کی ہے اور ایک خاص ذوق کے لوگوں کی اسے کارستانی قرار دیا ہے) (علوی)

حضرت عبد بن اللہ عباس فرماتے ہیں:

Marfat.com

"کوئی ذمہ دار، ثقہ اور معتبر شخص حضرت علی کے حوالہ سے کسی فتویٰ کا ذکر کرتا تو ہم اس کو رد نہ کرتے۔"

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت علی سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے......یعنی:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا...... میں نے عرض کیا کہ آپ منصب قضا کے لیے بھیج تو رہے ہیں میں جوان جہان آدمی......کیا کروں گا؟ مجھے اس منصب کی حساس پوزیشن کا پورا شعور بھی نہیں......اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر پھیرا اور دعا فرمائی......واللہ تو علی کی بہترین رہنمائی فرما، اس کی زبان کو ثبات نصیب کر......اس دعا کے بعد میرا یہ حال ہو گیا کہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ میں مجھے کبھی شک اور تردد سے واسطہ نہیں پڑا......میں اس پر قسم کھا سکتا ہوں۔" (ابن ماجہ)

شاید کہ اس کا یہ سبب بھی ہو کہ آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سب سے زیادہ میسر آئی......آپ خود فرماتے ہیں جیسا کہ امام سیوطیؒ نے ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ جناب علی سے پوچھا گیا تو فرمایا:

"جب میں آپ سے سوال کرتا تو آپ مجھے باخبر کرتے، خاموشی اختیار کرتا تو آپ خود مسائل کا ذکر فرما کر میرے علم میں اضافہ کرتے۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو بے پناہ عقیدت تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ پر نظر کرم بھی تھی......امام احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے حضرت علی کے متعلق پوچھا گیا......کہ وہ کیا تھے؟ تو جناب ابن عباس نے فرمایا:

"علم وحکمت اور زور وقوت کا خزینہ......اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت خاصہ مستزاد! ان کا خصوصی فن قضا تھا، اس میں ان کی فہم وفراست کا جواب نہ تھا۔"

یمن کے قاضی کے طور پر ان کے پاس مقدمہ آیا۔ چار شخص ایک کنویں میں گر گئے...... وہاں ایک شیر رہتا تھا۔ مقصد اس کا شکار تھا......ایک کے بعد دوسرا، تیسرا اور چوتھا اندر اتر گئے۔ شیر نے سب کو زخمی کر دیا حتیٰ کہ وہ مر گئے......چاروں کے ورثا الجھ پڑے، مزید خون خرابے کا خدشہ تھا......حضرت علی نے فرمایا:

Marfat.com

''اگر تم راضی ہو تو میں فیصلہ کئے دیتا ہوں، ورنہ سب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوا دوں گا تاکہ آپ خود فیصلہ فرمائیں...... فیصلہ یہ ہے کہ جن قبائل نے کنواں کھودا وہ دیت جمع کریں...... اس طرح کہ وہ مقدار میں چوتھائی، تہائی، نصف اور پوری (کے برابر) ہو۔ پہلے کے ورثاء کو تو ایک چوتھائی ملے کہ وہ باقی تینوں کی ہلاکت کا باعث بنا ہے...... دوسرے کو ایک تہائی تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پوری...... وہ لوگ راضی نہ ہوئے، معاملہ پیغمبر اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بحال رکھا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک حاملہ خاتون نے اعتراف گناہ کیا تو اسے رجم کی سزا ہوئی...... رجم کے لیے لے جا رہے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مل گئے...... پوچھا تو صورت حال انہیں بتلائی گئی...... جناب علی رضی اللہ عنہا سے واپس لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اس خاتون نے تو جرم کیا، اس کے پیٹ میں جو ہے اس کا قصور؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چونکہ جو پیٹ میں ہے وہ اس گناہ ہی کے سبب ہے اس لیے وہ بھی ایسا ہی ہے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا نہیں کہ ایسا شخص جو ناگہانی آفت کے بعد اقرار کرے، اس پر حد نہیں (اس عورت کا معاملہ ایسا ہی تھا کہ حمل ظاہر ہو گیا تو اس نے مجبور ہو کر اعتراف کر لیا) یہ تو ایسے ہی جیسے کسی کو قید یا تہدید سے اقرار کرایا جائے...... وہ اقرار نہیں...... حضرت عمر نے اسے آزاد کر دیا۔''

ایسے ہی ایک عورت کا قصہ ہے...... وہ بھی حاملہ تھی...... بحث کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا...... ہر شخص مجھ سے زیادہ فقیہ ہے...... بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کو اپنے پاس رکھا اور بچے کی ولادت کے بعد اس پر سزا نافذ ہوئی۔

ایک روایت کے بقول دو شخص ایک خاتون کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ ایک سو دینار امانت ہیں...... ہم دونوں اکٹھے ہو کر آئیں تو دینا الگ الگ کو ادائیگی نہ کرنا۔ سال گزرنے پر ایک نے آ کر کہا کہ دوسرے کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا سو دینار واپس دے دو، اس خاتون نے انکار کر دیا تو وہ شخص اس خاتون کے گھر والوں سے الجھ پڑا، آخر اس نے رقم دے دی، سال گزرا تو دوسرا مطالبہ

Marfat.com

لے کر آ گیا...... خاتون نے کہا کہ تمہارا دوست تمہاری موت کے ذکر کر کے روپے لے گیا...... تو وہ دوسرا شخص حضرت عمر کے پاس مقدمہ لے گیا...... حضرت عمر نے فرمایا...... کہ میرے خیال میں خاتون ذمہ دار ہے کہ اس کو بھی رقم دے...... اس خاتون نے درخواست کی کہ ہمارے درمیان فیصلہ کے لیے مقدمہ حضرت علی کے یہاں بھیج دیں...... حضرت علی کے پاس مقدمہ آیا تو انہوں نے تفصیل سن کر کہا...... دونوں مردوں نے اس خاتون کے ساتھ فریب اور مکر کیا ہے...... اس مرد نے کہا کہ تم نے کہا تھا کہ دونوں کے بغیر ادائیگی نہ کرنا؟ اس نے کہا...... یہ تو کہا تھا...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تمہارے لیے اب کچھ نہیں، جا کے اپنے دوست کو لاؤ تو ادائیگی بھی ہو جائے گی۔''

ایسے ہی بہت سے مقدمات اور نظائر ہیں، جن سے ان کی فراست کا علم ہوتا ہے......

اصحاب رسول اس بات کو پسند کرتے کہ حضرت علی سے سوال پوچھیں...... حضرت علی فرماتے:

''تم مجھ سے کتاب اللہ کے متعلق پوچھو...... بخدا میں بتاؤں گا کہ یہ آیت رات میں نازل ہوئی یا دن میں...... حضور شہر میں تھے تو نازل ہوئی یا جنگل پہاڑ کے سفر کے دوران نازل ہوئی۔''

صحابہ علیہم الرضوان مختلف جہلوں سے سوال کرتے تا کہ علمی ابواب کی نقاب کشائی ہو......

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسائل کا پوچھنے والوں کو ان کے پاس بھیجتے۔

حضرت معاویہ سے کسی نے مسئلہ پوچھا...... فرمایا جا کر علی سے پوچھو کہ وہ زیادہ عالم ہیں...... حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جرابوں پر مسح کا مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا...... علی سے جا کر سوال کرو...... ایک خوبصورت مثال وہ فیصلہ ہے کہ ایک خاتون نے چھ ماہ بعد بچہ کو جنا تو حضرت عمر نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا...... حضرت علی نے کہا ایسا کرنے کا آپ کو حق نہیں...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے ہیں (اڑھائی سال) (الاحقاف: ۱۵)

(ترجمہ مولانا احمد علی لاہوریؒ)

جب کہ دوسری جگہ:

''دو برس کے دودھ کا ذکر ہے۔'' (لقمان: ۱۴)

Marfat.com

گویا چھ ماہ کا حمل اور دو سال دودھ کی تطبیق سے ٦ ماہ کے حمل کی گنجائش موجود ہے۔ اس پر حضرت عمر نے اپنا فیصلہ منسوخ کر دیا اور حضرت علی کی تحسین فرمائی...... اس مرحلہ پر ہم اپنے سابقہ حاشیہ کی طرف پھر ایک بار توجہ دلائیں گے اور یہ احساس دلانا چاہیں گے کہ بلاشبہ حضرت علی کو صحبت نبوی کا بڑا موقعہ میسر آیا لیکن حضرت عمر جیسے عظیم المرتبت انسان کو ان بنیادی مسائل میں بھی الجھاؤ پیدا ہو جائے...... سمجھ میں آنے والی بات نہیں، ایک خاص طبقہ نے شخصیت پرستی کے ہی حوالہ سے حضرت علی کو خدا مانا اور انہیں ''امام'' کا درجہ دیا اور عقیدہ رکھا کہ امامت نبوت سے برتر ہے، امام پر وحی آتی ہے اور اسے حرام وحلال کا اختیار ہوتا ہے...... اللہ تعالیٰ اسلام کی عادلانہ تعلیم پر عمل کی توفیق دے۔ (علوی)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے بقول حضرت علی مدینہ منورہ میں وراثت کے مسائل میں سب سے بڑھ کر تھے...... بسا اوقات منبر پر آپ ہوتے تو لوگ مسائل پوچھتے اور آپ فی البدیہہ جواب دے دیتے...... (رضی اللہ عنہ)

علیؓ کے لیے جنت کی بشارت

حضرت علی کو صحابہ میں امتیازی مقام حاصل تھا...... آپ رسول اللہ کے قریبی عزیز تھے، صحبت نبوی میں رہے، دامادی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے علاوہ ان کی جرأت وشجاعت اور علم و دانش کا قصہ گذر چکا...... ساتھ ہی آپ کو دوسرے متعدد بزرگوں جنت کی بشارت ملی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بقول جن بزرگ صحابہ کو نام بنام جنت کی بشارت ملی، ان میں حضرت ابوبکر صدیق، عمر، عثمان، سمیت حضرت علی بھی شامل ہیں۔ (مسند احمد۔ ترمذی)

حضرت بریدہ کے بقول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں سے محبت کا حکم دیا...... صحابہ کی درخواست پر ان کے نام ارشاد فرمائے علی، ابوذر رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی اور مقداد بن الاسود......'' (ترمذی، مسند احمد)

حضرت علی کی اپنی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ محبت وبغض کو ایمان ومنافقت کی ترازو قرار دیا)...... فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بقول...... میرے ساتھ مومن تو محبت رکھے گا اور منافق بغض۔'' (مسلم)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بے حد شفیق تھے، ان کی خیر و بھلائی کے لیے ہمیشہ دعا مانگتے رہتے...... آپ انہیں اور اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات میں تہجد کے لیے جگاتے اور مغفرت کے لیے دعائیں سکھاتے......

حضرت علی کی روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے وہ کلمات سکھاتا ہوں کہ ان کے پڑھنے سے تمہاری مغفرت ہو جائے گی۔ گو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں تم ویسے بھی مغفور ہو...... وہ کلمات یہ ہیں:

'' لا اله الا اللّٰه العليم الكريم . لا اله الا اللّٰه العلى العظيم ، لا اله الا اللّٰه رب السموات السبع و رب العرش العظيم و الحمد للّٰه رب العالمين ''

(مسند احمد۔ نسائی)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ معرکہ ہائے جہاد

دور رسالت

☆ دورِ رسالت، کے غزوات اور معرکہ ہائے قتال کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو حضرت علی ہر جگہ موجود نظر آتے ہیں۔

☆ کبھی وہ علمبردار نظر آتے ہیں۔

☆ کبھی دشمنوں کی صفوں میں گھس کر معرکہ آرا نظر آتے ہیں۔

☆ مجاہدین کے سرخیل، قریش کے سورماؤں کو پچھاڑنے والے اور انہیں بے دست و پا کرنے والے، قلعوں کو سر کرنے والے بتوں کو توڑنے والے۔

☆ وہ عظمت کا نشان اور سراپا شجاعت تھے۔

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ اٹھو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے اور ابتدائی معاملات طے پا گئے تو ہلکی پھلکی جنگی مہمات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ جنہیں سیرت کی اصطلاح میں ''سریہ'' کہتے ہیں...... یہاں تک کہ اس قافلہ کی خبر ملی جو سردار قریش ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا تھا...... یہ تھا تو تجارتی قافلہ لیکن اہل مکہ میں سے ہر گھر کا سرمایہ اس میں لگا ہوا تھا اور طے یہ تھا کہ اس کے نفع سے حربی تیاری کر کے مسلمانوں پر چڑھائی کی جائے گی۔

ان حالات کے پیش نظر اس قافلہ کا راستہ روکنا لازم تھا، اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوراً تیار ہو گئے باقی حضرات بھی جمع ہو گئے اور منصوبہ بندی کے بعد چلنے کا وقت آ گیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوڑھنی سے بننے والے جھنڈے کو حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ دیا گیا جو قافلہ کے آگے آگے تھے اور مہاجرین اور انصار کے قافلوں کی شناخت کے لیے دھاری دار سیاہ جھنڈے حضرت علی اور ایک بزرگ انصاری کے ہاتھ میں تھے۔

اہل قافلہ کے پاس کل ۷۰ اونٹ تھے ۳۴ افراد کے حصہ میں ایک اونٹ آیا حضرت علی اور حضرت مرثد بن ابی مرثد، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی تھے...... باری باری سوار ہونے کا نظم طے تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کوئی ترجیح پسند نہ کی...... مسلم قافلہ چل نکلا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے قافلہ کے بچ نکلنے کی اطلاع ملی نیز یہ معلوم ہوا کہ مکہ سے ایک لشکر بغرض جنگ آ رہا ہے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر صحابہ سے از سرنو مشورہ ضروری تھا...... ان بلانوشان محبت نے افرادی طاقت کی کمی اور سامان جنگ کی قلت کے باوصف آگے بڑھنے کی رائے دی (رضی اللہ عنہم)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ کی کیفیت، مکی قافلہ کی نقل و حرکت معلوم کرنے کی غرض سے بعض لوگوں کی ڈیوٹی لگائی۔ ان میں جناب علی، سیدنا زبیر بن العوام سیدنا سعد بن ابی وقاص اور بعض دوسرے صحابہ تھے...... یہ حضرات بدر کے کنوئیں تک جا پہنچے۔ وہاں کے قریش کے دو غلام،

Marfat.com

قریش کے لیے پانی کا نظم کر رہے تھے، انہیں گرفتار کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا...... آپ کے لیے ان غلاموں سے جملہ حالات کی تفصیل معلوم کرنا ممکن ہو گیا۔

حتیٰ کہ معاملات اپنی ترتیب سے آگے بڑھتے رہے اور دونوں لشکر سامنے آ گئے، ابتدائی مرحلہ میں تین قریشی سورما جنگ کی دعوت دیتے نکلے اور انہوں نے اپنی ٹکر کے لوگوں کو سامنے آنے کے لیے للکارا...... نبی علیہ السلام نے خوب چھان پھٹک کے بعد حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث کو اٹھنے کا حکم دیا...... اب تین مسلمان جنگ آزما تین قریشی جنگ آزماؤں کے دوبدو تھے۔

علی رضی اللہ عنہ...... ولید بن عتبہ سے الجھ پڑے اور پہلے ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا جب کہ سیدنا حمزہ نے اپنے مدمقابل شیبہ بن ربیعہ کو پہلے ہی وار میں ڈھیر کر دیا۔ البتہ حضرت عبیدہ کا مقابلہ عتبہ بن ربیعہ سے کمزور رہا ان کی مدد جناب علی و حمزہ نے کی...... اس میں حضرت عبیدہ زخمی ہوئے...... لیکن ہر دو حضرات کی مدد سے عتبہ بھی ڈھیر ہو گیا اور یہ حضرات ان روسائے قریش کے سر اٹھائے نبی مکرم کی خدمت میں آ گئے۔ یہ مدد الٰہی کی ابتدا تھی۔

میں ''ابوالقصم'' ہوں

احد کی باری آئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشاورت فرمائی، اکثر نے کہا کہ دشمن مدینہ پر چڑھ دوڑے، اس کا باہر مقابلہ مناسب ہوگا...... آپ اس مشورہ کے بعد جنگی لباس میں ملبوس باہر آ گئے اور احد پر پڑاؤ فرمایا...... وہاں صف بندی کی، تمام راستوں کا نظم کیا، لشکر کے حصے کر کے اس کے امراء منتخب کیے جنگی اعتبار سے اہم ترین جگہ گھاٹی کی تھی۔ اس کا انتظام فرمایا۔

جنگ شروع ہوئی تو مسلمان آگے بڑھنے لگے اور کافر دفاعی جنگ کی پوزیشن میں آ گئے۔ کافروں کے علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ نے للکارا کہ میرے مقابلہ میں کون آئے گا......؟...... مصلحتاً ابتداء خاموشی اختیار کی گئی اور کسی نے جواب نہ دیا...... پھر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی کو جھنڈا تھما کر آگے بڑھنے کی تلقین کی۔ وہ بڑھے اور فرمایا میں ''ابوالقصم'' ہوں...... وہ شخص ہوں جو دشمنوں کے سینے چیرتا اور انہیں موت کی وادی میں دھکیلتا ہے۔

طلحہ چلایا...... ابوالقصم...... (دشمنوں کے سینے چیرنے والا؟) آپ مقابلہ چاہتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت علی نے کہا...... کیوں نہیں...... آپ نے ابتداء ہی میں اس کو پچھاڑ دیا اور اس سے الگ ہو گئے۔ احباب کے سوال پر فرمایا کہ اس کی عورت سامنے آ گئی۔ اس نے مجھ سے رحم کی درخواست کی۔ اس لیے میں نے علیحدگی کر لی...... اب عثمان ابن ابی طلحہ کافروں کا جھنڈا لے کر بڑھا، جناب علی نے اسے بھی پچھاڑ دیا...... اب مسلمان گتھم گتھا ہو گئے، مسلمان فتح یاب ہو گئے اور کافر شکست کھا گئے۔

گھاٹی پر موجود حضرات نے خیال کیا کہ معرکہ ختم ہو گیا، تو اکثر حضرات (۵۰ میں سے ۳۹) مال غنیمت جمع کرنے کی غرض سے نیچے آ گئے...... خالد بن الولید ہنوز مشرک تھے۔ انہوں نے گھاٹی کو خالی دیکھ کر ادھر کا رخ کیا...... اور پیچھے سے پھر کر مسلمانوں پر نیا حملہ کر دیا...... اب نئی مصیبت کھڑی ہو گئی...... مسلمان مضطرب ہو گئے اور سمجھ نہ سکے کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی۔ حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی معرکہ آرا تھے۔ ابو عامر راہب نامی مشرک کی کھودی ہوئی کھائی میں رسول اللہ کے گر جانے کے سبب قریش نے آپ کے قتل کی خبر اڑائی...... رسول اکرم کے قتل کی خبر پھیل گئی۔ جس سے بہت سے مسلمان پریشان ہو کر مدینہ کو لوٹنے لگے لیکن بعض حضرات ہمت کر کے معرکہ آراء رہے...... جناب علی اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے رسول اللہ کو باہر نکالا، آپ زخمی تھے، آپ کو ایک محفوظ جگہ بٹھایا گیا، مدینہ کے قرب کے سبب وہاں خبر پہنچ گئی۔ جس کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لے آئیں اور والد گرامی کے چہرۂ انور سے خون دھویا، حضرت علی پانی بہاتے رہے...... مدینہ واپسی پر رسول اکرم نے اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو صاف کرنے کے لیے دی اور فرمایا...... بیٹی اسے صاف کرو، اللہ تعالیٰ نے میری صداقت ظاہر فرما دی۔ حضرت علی نے بھی اپنی تلوار صفائی کے لیے انہیں دی اور ایسے ہی کلمات دھرائے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت علی کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ جس سے جھنڈا گر پڑا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بائیں ہاتھ میں اسے لے لیا...... لیکن گرنے کے بعد...... اس موقعہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا...... دوسروں سے:

"جھنڈا اسی کے بائیں ہاتھ میں دے دو کہ دنیا و آخرت میں وہ میرا علمبردار ہے۔"

اسی جنگ میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ...... عم رسول...... مظلومانہ شہید ہو کر زبان نبوت سے "سید الشہداء" کے لقب گرامی کے مستحق قرار پائے اور مرکزی علمبردار سیدنا مصعب بن زبیر کا

Marfat.com

دایاں ہاتھ کٹا تو جھنڈے کو فوراً بائیں ہاتھ میں لے لیا...... گرنے نہ دیا...... بایاں ہاتھ مجروح ہونے پر بھی جھنڈا نہ گرنے دیا۔ کٹے ہوئے بازوؤں سے سینہ سے چمٹا لیا...... جس کے بعد وہ شہید ہو گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ سے گرد جھاڑی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا بڑا جانی نقصان ہوا ۷۰ حضرات شہید ہو گئے...... بہت سے حضرات زخمی ہو گئے...... بہت سے حضرات کا خون بند ہونے کا نام نہ لیتا، اس کے باوجود مدینہ منورہ کو واپسی کے اگلے ہی دن ''حمراء الاسد'' کے معرکہ کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دعوت دی...... وہ سب تیار ہو گئے تو حضرت علی کو ابتدائی دستہ کی قیادت سونپ کر بھیج دیا گیا۔ جو تین دن ''حمراء الاسد'' میں مقیم رہے اور وہ وہاں تین دن رہے تو اس سے دشمن مرعوب ہو گئے اور مکہ واپس چلے گئے۔ مدینہ پر چڑھائی کی ہمت نہ کر سکے...... اس کے بعد مسلمان بھی اپنے گھروں کو لوٹ کر اگلے معرکہ کی تیاری کرنے لگے...... (رضی اللہ عنہم۔)

نیچے اترو

ہجرت کے پانچویں برس مسلمانوں نے حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے دفاع کے نقطہ نظر سے خندق کھودی اور اس کی اوٹ میں پڑاؤ کر لیا...... مشرکین عرب کا ہجوم مدینہ کی طرف بڑھا تو انہیں اس عجیب وغریب دفاعی مورچہ کو دیکھ کر تعجب ہوا...... وہ اس سے قبل اس سے ناآشنا تھے، چاروناچار انہوں نے پیچھے ہی خیمے نصب کر لیے لیکن یہ انتظار ان پر گراں گذر رہی تھی اور وہ مسلسل اس کو عبور کرنے کے لیے سوچ بچار میں لگے ہوئے تھے......

آخر ان کے بعض سورما ہمت کر کے خندق میں کود پڑے۔ ان میں عمرو بن ود العامری اور عکرمۃ بن ابی جہل تھے، انہوں نے نسبتاً ایک کم تنگ جگہ کا انتخاب کیا جہاں سے یہ کود کر دوسری طرف جا سکتے ہیں لیکن وہاں مسلمانوں کا ایک دستہ موجود تھا، اس کے سربراہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور عمرو کے درمیان مشہور گفتگو ہوئی...... حضرت علی کی شجاعت و بہادری سامنے آئی۔

وہ گفتگو یہاں ہم اس لیے نقل کر رہے ہیں کہ اس سے حضرت علی کی جنگی مہارت کا اندازہ ہو سکے گا اور کہ ایسے وقت میں بھی وہ اسلام کی طرف دعوت کے فرض سے غافل نہ تھے...... موقعہ بہت سخت تھا لیکن اس کے باوجود وہ بہادرانہ کردار ادا کرنے والے تھے...... انہوں نے کہا:

Marfat.com

''تمہارا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد تھا کہ کوئی قریش جب تمہیں اسلام یا لڑائی کے لیے دعوت دے گا تو تم دونوں میں سے ایک بات ضرور قبول کرلو گے؟''

عمرو نے کہا...... بالکل! میں اپنے وعدہ پر قائم ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا...... میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا...... مجھے اسلام کی ضرورت نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا...... پھر نیچے اترو۔

عمرو نے انہیں کم عمر سمجھ کر تمسخر کے انداز میں کہا...... برادرزادے! کیوں؟ میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا...... لیکن میری تو یہی خواہش وتمنا ہے۔

عمرو غصہ میں گھوڑے سے اترا اور اس کو مار ڈالا تاکہ واپسی کا امکان نہ رہے اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہوا...... حضرت علی بھی پوری جرأت اور ہمت سے اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہوگئے...... عمرو کے وار کو حضرت علی نے روک دیا اور خود اتنی تیزی سے وار کیا وہ زمین پر تڑپ کر رہ گیا، اب حضرت علی اس کے رفقا کی طرف متوجہ ہوئے وہ گھبراہٹ میں بھاگ کر جائے پناہ تلاش کرنے لگے اور بڑی مشکل سے جان بچائی اور پھر لوٹ کر نہیں آئے اور سمجھ گئے کہ بہادر مسلمانوں کا دستہ موجود ہے۔ اس کے سربراہ علی ہیں...... سو ہماری دال نہ گلے گی۔

کل کو جھنڈا میں اسے دوں گا!

۷ ھ کی ابتداء میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احباب کو خیبر کے یہودیوں کی سازشوں کا قلع قمع کرنے کے لیے تیاری کا حکم دیا...... یہودیوں نے پہلے خندق کی جنگ کے موقعہ پر مشرکین عرب کے ساتھ مل کر مدینہ پر چڑھائی کی اور اب مشرکین عرب کے ساتھ باقاعدہ جنگی معاہدہ کرلیا۔

خیبر ایک ایسی جگہ تھی جس میں متعدد محفوظ قلعے تھے...... یہود نے انہیں اور بھی مستحکم کرلیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہ سکیں۔

Marfat.com

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک دھاوا بولا تو وہ گھبرا کر قلعہ بند ہو گئے اور دروازے بند کر لیے..... متعدد قلعے متعدد صحابہ کی سرکردگی میں فتح ہو گئے..... خیبر کے قلعہ پر حضرت ابوبکر اور اگلے دن حضرت عمر کی قیادت میں حملہ ہوا لیکن فتح ممکن نہ ہو سکی..... تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کل جھنڈا اسے دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اسی سے محبت رکھتے ہیں۔''

مہاجرین و انصار نے یہ رات اس طرح گزاری کہ ہر شخص اس کا متمنی تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر نے کہا میں نے بس اسی دن امارت کی خواہش دل میں کی۔ اگلی صبح حضور اقدس نے حضرت علی کا پوچھا تو وہ آشوب چشم کا شکار تھے..... نبی علیہ السلام نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھ میں لگایا تو وہ صحت یاب ہو گئے..... پھر انہیں جھنڈا عنایت فرما کر روانہ کیا..... انہوں نے پوچھا:

''ہم ان سے برابر لڑتے رہیں۔ حتیٰ کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں..... مسلمان.....!''

آپ نے فرمایا:

''انہیں گھیرو اور محاصرہ کرو یہاں تک کہ وہ برابر کی سطح پر آ جائیں۔ پھر انہیں اصول کے مطابق اسلام کی دعوت دو اور انہیں آگاہ کرو کہ قبول اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ کا ان پر کیا حق ہو گا..... جانی و مالی..... دیکھو، اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک شخص کو ہدایت عنایت فرما دیں، یہ بات ہمارے لیے سرخ اونٹوں (عرب کا سب سے قیمتی سرمایہ) سے بہتر ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے..... برابر لڑائی ہوئی حتیٰ کہ آپ کامیاب ٹھہرے..... ان کی خواہش پر جزیہ کی شرط پر ان کا خون معاف کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مال لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''مرحب'' نامی یہودی سردار کو ٹھکانے لگایا، وہ معروف بہادر تھا، لوہے کے لباس میں غرق۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر کاری ضرب لگا کر اسے ڈھیر کر دیا..... کہا جاتا ہے کہ اس غزوہ میں جو قلعے فتح ہوئے انکے دروازے اتنے وزنی تھے کہ ایک ایک دروازے کو سات سات آدمی بھی الٹ پھیر نہ کر سکتے تھے۔

Marfat.com

غزوہ تبوک: مدینہ میں رہ کر میری نیابت کرو!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی جنگ میں پیچھے نہیں رہے، ہر موقعہ پر وہ اگلے دستہ میں ہوتے ...... ہاں غزوہ تبوک ایک ایسا غزوہ ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور جنگ کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔

اس موقعہ پر انہوں نے منافقوں کی زبان سے بعض ایسی باتیں سنیں جوان کے لیے ناقابل برداشت تھیں ...... چار و ناچار وہ ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور راستہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے ...... عرض کیا:

"اللہ کے رسول! آپ نے مجھے مدینہ میں رہنے کا فرمایا منافق خیال کرتے ہیں کہ اس طرح گویا آپ نے مجھے کھڈے لائن لگا دیا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ جھوٹ بولتے ہیں، میں نے معمول کے مطابق آپ کو چھوڑا ...... جنگی مہمات کے موقعہ پر ہمیشہ کسی نہ کسی کو مدینہ میں چھوڑا جاتا تھا ...... واپس جاؤ، جا کر میرے اور اپنے نیز مسلمانوں کے اہل و عیال کی خبر گیری کرو ...... علی رضی اللہ عنہ! تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تمہاری میری نسبت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام ...... علیہما السلام ...... کی سی ہو ...... کہ موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو جانشین بنا کر چھوڑ گئے ...... ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ...... واپس مدینہ چلے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر پر تشریف لے گئے۔

حدیبیہ کے سفر میں آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے! اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے تمام حضرات کے ساتھ آپ نے بھی دست رسالت پر درخت کے نیچے بیعت کی ...... جس کا ذکر قرآن مجید سورۃ الفتح میں ہے۔

Marfat.com

اور جب سہیل بن عمرو صلح کے لیے آئے تو صلح نامہ حضرت علی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا اور جب انہوں نے یہ الفاظ لکھے کہ:

"یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ!......تو سہیل نے کہا......"رسول اللہ" تو ہم مانتے نہیں، مانتے تو لڑائی کس بات کی ہوتی......اس کے بجائے "محمد بن عبداللہ" لکھو......حضور، نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا......لفظ "رسول اللہ" مٹا دو اور "محمد بن عبداللہ" لکھ دو لیکن حضرت علی متردد تھے......لفظ "رسول اللہ" کیوں کر مٹائیں؟ ان کے تردد کے سبب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دستاویز اور قلم اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے ہاتھ سے وہ لفظ مٹا دیا۔"

فتح مکہ کے سفر میں وہ ہر ہر قدم پر آپ کے ساتھ تھے......البتہ سواری پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف آپ کی بڑی صاحبزادی......سیدہ زینب کے بیٹے حضرت علی بن العاص تھے......(رضی اللہ عنہما) اور بیت اللہ کی اندرونی دیواروں پر جو بت اونچی جگہ نصب تھے......پیغمبر اقدس کے کندھوں پر کھڑے ہو کر انہیں علی بن العاص نے توڑا تھا......غزوۂ حنین میں ایک موقعہ پر عام مسلمان آزمائش کا شکار ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ اس وقت بعض حضرات ثابت قدم رہے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے......ایسا ہی فدک کی لڑائی میں ہوا۔

سرایا......سریہ کی جمع......وہ لڑائی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر شریک نہ تھے...... میں متعدد بار یہ شریک ہوئے، سریہ فدک میں بنو سعد بن بکر کے مقابلہ میں ایک سو حضرات سمیت آپ تشریف لے گئے، معلوم ہوا تھا کہ وہ خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لیے اس شرط پر جمع ہو رہے ہیں کہ اہل خیبر اپنی کھجوروں کی فصل میں سے انہیں حصہ دیا کریں گے......فدک کے سفر میں رات سفر ہوتا دن کو آرام......حتیٰ کہ بنو سعد بن بکر کے قریب پہنچ گئے تو بنو سعد کے بعض افراد مل گئے، انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ اپنی قوم کے ٹھکانوں کی نشاندہی کر دو گے تو تمہیں امن دے دیا جائے گا۔ انہوں نے راستوں کی نشاندہی کر دی، مسلمان ایک دم جو داخل ہوئے تو وہ مرعوب ہو کر بکھر گئے۔ مسلمان ۵۰۰ اونٹ اور ایک ہزار بکریاں لے کر نبی مکرم کی خدمت میں واپس آ گئے۔

قبیلہ بنو طے کا بت جسے وہ "الفلس" کا نام دیتے تھے، اس کے انہدام کے لیے آپ کو بھیجا گیا۔ آپ کے ساتھ ڈیڑھ سو افراد اور تھے، ان حضرات نے اس بت کو ڈھایا اور قبیلہ طے

Marfat.com

کوشکست دے دی، بہت سامال غنیمت اور لونڈی غلام میسر آئے، ان میں مشہور سخی حاتم طائی کی صاحبزادی بھی تھیں...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سخی انسان کی بیٹی کے احترام میں سب کو آزاد کر دیا۔

یمن کی مہم میں آپ اپنے احباب کے ساتھ گئے تو آپ نے اپنے رفقاء کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ سب مسلمان ہو گئے۔ یہ سب ''ہمدان'' کے لوگ تھے۔ ان کے اسلام کی خبر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے اور شکر بجالائے، پھر بیٹھ کر اہل ہمدان کے لیے سلامتی کی دعا مانگی۔ ان کی دیکھا دیکھی سب یمن مسلمان ہو گئے۔

حضرت علی انہیں اسلام کے بنیادی تعلیمات سے آگاہ کر کے اور ان کے مال کی زکوٰۃ وصول کر کے واپس تشریف لے گئے۔ اہل یمن کا ایک وفد بھی ان کے ہمراہ تھا...... یہ ایک سرسری جائزہ تھا۔ ان کی مہمات کا، جس سے ان کی قوت اور بہادری کا اندازہ ہوتا ہے...... (رضی اللہ عنہ)

علی رضی اللہ عنہ ذرا سعد کو روکو!

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر وقت ساتھ ہوتے...... اکثر مہمات میں اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں ذمہ داریاں سونپ کر بھیجا اور ایسا بھی ہوا کہ جہاں کہیں کوئی معاملہ بگڑنے لگا تو اصلاح احوال کے لیے ان پر اعتماد کیا۔

فتح مکہ کی مہم میں رسول رحمت کی ہر ممکن کوشش تھی کہ مکہ میں اس طرح داخل ہو جائیں کہ ایک سلامتی کا ماحول ہو اور کسی قسم کی خونریزی نہ ہو۔ اسی وجہ سے آپ نے جناب ابوسفیان کو اسلام قبول کر لینے کے بعد کہا ذمہ دار ٹھہرایا کہ وہ لوگوں کو متنبہ کریں کہ وہ جنگ وجدال سے بچیں اور امن وامان کی فضا قائم رکھیں اور قیام امن کے لیے جو وسیع تر مواقع فراہم کئے گئے ہیں اور بہت سی جگہوں کو جائے امن قرار دے دیا گیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اس حوالہ سے اعلان کیا گیا...... اعلان کرنے والے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے کہ...... جو اپنے گھر کا پھاٹک بند کر کے گھر میں بیٹھ رہے اسے امن حاصل ہوگا، جو مسجد حرام میں چلا جائے گا وہ مامون ہوگا اور جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا وہ بھی محفوظ ہوگا۔

Marfat.com

مختلف حضرات کی قیادت میں چھوٹے چھوٹے دستوں کو شہر میں داخل ہونے کی ہدایت کی گئی اور انہیں حکم دیا گیا کہ تاوقتیکہ جنگ تم پر مسلط نہ کر دی جائے، جنگ نہ کرنا نبی مکرم اور آپ کے ساتھ باقی امراء اپنے اپنے دستوں سمیت برابر بڑھ رہے تھے اور مکہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔سیدنا سعد بن عبادہ انصار کے ایک دستہ کے امیر تھے۔وہ مکہ کے قریب پہنچے تھے۔مکہ کے مکانات ان کے سامنے تھے کہ ان کے سینہ میں ایک خیال نے جنم لیا۔قریش نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں۔وہ سامنے آ گئیں...... حتیٰ کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقا کو ترک وطن کرنا پڑا......بس ان خیالات کا آنا تھا کہ وہ زور سے چلّائے کہ:

"آج بدلے اور انتقام کا دن ہے۔یہ حرم ضرور ہے لیکن آج نہیں۔"

بعض صحابہ نے یہ بات سنی تو وہ کسی قدر پریشان ہو گئے کہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے مطابقت نہ رکھتی تھی۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے نبی مکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے ، جناب سعد کے کلمات آپ سے نقل کیے اور عرض کیا:

"نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم! سعد نے جو کہا اس کے بعد قریش کے لیے امن کے پیغام کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ جاتی، اس کا مداوا لازم ہے۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: جلدی سے جاؤ، سعد کو روکو، بلکہ ان سے جھنڈا لے کر خاموشی سے آگے بڑھو، جناب علی سے جلدی سے جا کر انہیں ارشاد رسالت سے آگاہ کیا اور ان سے جھنڈا لے کر بڑھنے لگے اور حسب پروگرام سلامتی سے کعبہ میں داخل ہو گئے۔

ایسے ہی فتح مکہ کے بعد ایک مرحلہ پیش آیا۔رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن الولید کو ایک مہم کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ وادی کے نچلے حصہ کی طرف سے جائیں اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔لڑائی پیش نظر نہ ہو...... وہ قبیلہ بنو جذیمہ کے یہاں پہنچے تو انہیں اسلام کی دعوت دی وار بعجلت یہ فیصلہ کر بیٹھے کہ وہ اسلام کا انکار کر رہے ہیں۔اس لیے تلوار نیام سے باہر کر لی...... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ کس قدر ناراض بھی ہوئے اور افسوس کا بھی اظہار کیا اور حضرت علی کو جلدی سے بھیجا کہ تلافی مافات ہو سکے۔ان سے فرمایا:

Marfat.com

''علی! ان لوگوں کے پاس جاؤ ان کے معاملہ میں مہلت وصبر سے کام لو اور جاہلیت کے تمام جذبات کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل ڈالو۔''

آپ نے کسی قدر مال بھی دیا تا کہ جو جانی و مالی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی ہو سکے۔ حضرت علی نے جلدی سے جا کر معاملات کو سنبھالا اور مقتولین کی دیت ادا کی۔ بگاڑ کی جو کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ اس کی اصلاح و درستگی کا سامان کیا اور کچھ زائد مال بھی دیا۔ جو گویا ان لوگوں کے زخموں کے اندمال کا سبب بنا اور غلط فہمی کی وجہ سے جو نقصان ہوا، اس کی تلافی ہوگئی، پھر وہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو آپ نے حد درجہ تحسین فرمائی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلفاء سابقین کے دور میں

سانحہ ارتحال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت

پیغمبر اسلام نے اپنی مرض وفات میں حکم دیا تھا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر کی کمزور طبیعت کے سبب چاہا کہ یہ ذمہ داری کسی اور کو سونپی جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی نے اصرار کے ساتھ یہی حکم دیا کہ بس ابوبکر ہی نماز پڑھائیں۔

جب ایک مرتبہ نماز کے موقعہ پر ابوبکر کے علاوہ کسی دوسرے کی امامت کی آواز سنی، ابوبکر کسی سبب سے مسجد تشریف نہ لا سکے تھے۔ تو پیغمبر اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ بات (ابوبکر کے علاوہ کسی دوسرے کی امامت) نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے نہ رسول کو!''

یہ گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ آپ کے بعد امور خلافت ابوبکر کو سونپے جائیں اور وہی اس کے اہل ہیں اور دوسرے کسی کے لیے ہر امکان کو رد کر دیا۔ حضرت عباس اس صورت حال کو بھانپ رہے تھے انہوں نے حضرت علی سے کہا کہ جا کر رسول اللہ سے معلوم کریں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ اگر آپ کے نزدیک ہم ہی اس کے مستحق ہیں تو اس کا علم ہو جائے اور اگر کوئی دوسرا اس کا اہل ہے تو کم از کم ہمارے لیے اسے کچھ ہدایت تو کر دی جائے گی لیکن حضرت علی نے انکار کر دیا اور کہا:

Marfat.com

"اگر ہم پوچھ بیٹھے اور آپ نے انکار کر دیا تو لوگ کبھی بھی اس منصب کی طرف ہمیں آنے نہ دیں گے......اس لیے میں کبھی نہ پوچھوں گا۔"

اسی طرح شب و روز گزرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے......ظاہر ہے کہ کسی کو آپ نے معین نہ فرمایا تھا نہ کسی کے لیے وصیت کی تھی......بس جناب ابو بکر کو امام صلوٰۃ بنانے میں ایک اشارہ ضرور تھا۔

سانحہ ارتحال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہو گئے۔ وہاں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور بعض دوسرے مہاجرین بھی جمع ہو گئے......وہاں باہمی گفتگو کے بعد سب نے حضرت ابو بکر کو اپنا امام تجویز کر کے ان کے دست حق پر بیعت کر لی......اسی اثنا میں حضرت علی بعض صحابہ سمیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل تکفین اور دوسرے معاملات میں مشغول تھے......آپ نے ہی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد میں اتارا تھا، اس لیے وہ ابتدا میں بیعت میں شامل نہ تھے......اور بعض دوسرے بنو ہاشم بھی بیعت میں شامل نہ تھے بیعت میں تاخیر کا ایک سبب بعض حضرات نے یہ بھی ذکر کیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عباس سمیت سیدنا صدیق اکبر کے پاس وراثت کے لیے تشریف لے گئیں۔

لیکن حضرت ابو بکر صدیق نے جناب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے پیش نظر وراثت سے انکار کر دیا......قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تھا:

کہ ہم گروہ انبیاء کوئی چیز بطور وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ (جو ساری قوم کے کام آتا ہے)

ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا غمزدہ تھیں۔ اس لیے حضرت علی بھی غمزدہ تھے، بنو ہاشم کا یہی حال تھا......انہیں اس کا بھی احساس ستا رہا تھا کہ خلیفہ کے انتخاب میں ہم سے پوچھا بھی نہیں گیا......وہ اسی سوچ و بچار میں تھے لیکن ساتھ ہی یہ دیکھ رہے تھے کہ تمام مسلمان جناب ابو بکر پر اتفاق رائے کر چکے ہیں......اس لیے چندے بعد......ایک روایت کے مطابق سیدہ فاطمہ کی وفات کے بعد بنو ہاشم اور حضرت علی سبھی نے بیعت کر لی......لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ سب نے فوراً ہی بیعت کر لی......اس طرح تمام معاملات خوش اسلوبی سے طے ہو گئے۔

Marfat.com

شیخین: سیدنا صدیق وفاروق کا دور

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو ان کے شب وروز اسی طرح رہے، استقامت وہمت اور جہادی مہمات میں رواں دواں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ ان سے اہم امور میں مشورے کرتے اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے...... وہ انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے...... جس کا سبب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عزیز داری تھی اور یہ بات کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں، ان کی اہلیہ اور ان کے بچوں کو کس قدر چاہتے اور ان سے کس قدر محبت فرماتے تھے۔

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو احساس ہو گیا کہ ان کا وقت آخر قریب ہے تو انہوں نے بھرپور مشورہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فیصلہ فرما دیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک تحریر لکھوا دی...... اس موقعہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس تبدیلی کو خوشی سے قبول کیا اور ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس سے معلوم ہو کہ وہ اس عمل سے ناراض ہیں یا کسی قسم کی تنگی کا شکار ہیں...... انہوں نے اور سبھی بنو ہاشم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی کہ وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا ہے تو اس کا سبب محض اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت ہے...... سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہ تو ان کے قریبی رشتہ دار تھے اور نہ ہی ان کا کوئی ایسا رابطہ تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حزم واحتیاط اور ان کی شدت معروف ومعلوم تھی، اس لیے تمام معاملات سلامتی سے طے پا گئے۔ حضرت عمر کی خلافت خیر وبرکت کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

حضرت علی کا حضرت عمر سے سلوک بھی خصوصی نوعیت کا تھا وہ ہر معاملہ میں خلافت کے ساتھ تعاون کرتے، خلیفہ کی خیر خواہی اور بھلائی ان کے سامنے ہوتی۔ خلیفہ کے اجتہاد اور ان کے احکامات کی سچائیوں کا برملا اظہار کرتے...... اگر کبھی جھول رہ جاتا تو اس کی اصلاح کی رائے دیتے جیسا کہ بعض حوالے پہلے گزر چکے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی بے پناہ انتظامی مصروفیات کے سبب اکثر مسائل اور فتاویٰ حضرت علی کے پاس بھجوا دیتے تاکہ وہ جواب دے دیں اور فتویٰ ارشاد فرما دیں۔ حضرت عمر ان کی اس حد تک عزت کرتے کہ فرماتے:

Marfat.com

''جس قوم میں ابوالحسن (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نہ ہوں اس میں جینے کا کیا مزا؟''

بعض مرتبہ تو یہاں تک ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں تک اظہار ممنونیت فرمایا کہ:

''علی نے عمر کو بچالیا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ترجیحی طور پر ان سے مشورہ لیتے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ برابر ان کے مشیر و معین اور مفتی و قاضی رہے۔

حضرت عمر زخمی ہو گئے تو ان سے خلیفہ کے لیے سوال کیا گیا تو انہیں کسی قدر تردد ہوا...... پھر قدرت کی رہنمائی سے ایک نہایت بہتر طریقہ اختیار کیا...... یعنی وہ چھ اکابر...... جن سے اللہ تعالیٰ کے رسول ہر طرح راضی تھے...... عشرہ مبشرہ کے چھ حضرات...... انہیں ذمہ داری سونپ دی۔

اگلا مرحلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے اور یہ کہ ان کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ کیا تھا؟

دور عثمانی رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زخمی ہونے کے بعد چھ اکابر کو ذمہ قرار دیا کہ وہ مشاورت کے اصول سے ایک کو خلیفہ نامزد کر دیں...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان چھ میں سے ایک تھے۔ اجتماعی سوچ و بچار کے بعد ان حضرات نے اس معاملہ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پر چھوڑ دیا...... جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ والے حصہ میں گذر چکا۔

حضرت عبدالرحمٰن نے پوری جدو جہد اور بھرپور مشوروں کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا کہ بڑی اکثریت انہیں چاہتی تھی...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت عبد الرحمٰن پر اپنے اعتماد کا اظہار کر چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے بلا حیل و حجت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ...... اس بات کی بہر حال خواہش رکھتے تھے اور بھرپور کہ وہ خلیفہ ہوں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی...... جس کی شہادت یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کے دونوں ہی متمنی تھے لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ یہ کام حضرت صہیب کریں گے۔ جنہیں تین دن کے لیے حضرت عمر نے امام صلوٰۃ تجویز فرمایا ہے...... معاملات طے ہو گئے تو

Marfat.com

حضرت علی برابر خلیفہ کے ساتھ رہے، ان کے احکامات کی تعمیل کرتے وہ بلاتے تو فوراً حاضری دیتے۔ تا بحد امکان ان کا دفاع کرتے رہے...... دور خلافت کے محاصرہ سے قبل بھی اور محاصرہ کے دوران بھی...... حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے...... اس کے باوجود یہ افسوسناک الزام ان پر لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کا دفاع کرنے میں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اور یہ کہ وہ حضرت عثمان کی زندگی میں ہی خلافت کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے...... بے درد لوگوں نے پہلے بھی ایسی بے پر کی اڑائیں اور آج بھی ایسے لوگ ہیں۔

اس قسم کا طرز عمل...... کہ ظاہراً کچھ ہو، اندرون خانہ کچھ ہو...... کسی مسلمان کے شایان شان نہیں چہ جائیکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت ایسا رویہ اختیار کرے...... وہ تقویٰ، خوف خداوندی اور عہد و پیمان کی پابندی میں معروف حیثیت کے مالک تھے اور وہ باقی لوگوں سے کہیں زیادہ خلیفہ کے حق کو پہچانتے اور اس بات کو بھی کہ اضطراب و انتشار کے وقت خلیفہ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر ان کا دفاع کس قدر لازم ہے؟

جھوٹ کی دنیا کے رسیا لوگوں نے عجیب و غریب قسم کی گپیں گھڑیں...... اور اپنے واہمہ و خیال کی بنا پر عجیب قسم کی عمارت تعمیر کی۔

ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ چونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد انہیں اپنی خلافت کا یقین تھا۔ اس لیے اس رخ پر برابر سرگرم عمل رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے خفیہ خفیہ شرپسندوں سے گٹھ جوڑ کر لیا...... لیکن آپ اس الزام سے بالکل بری ہیں، اگر وہ اس الزام سے واقعی متہم ہوتے تو وہ معاشرہ انہیں کبھی بھی خلافت کا اہل سمجھ کر ذمہ داری نہ سونپتا۔

یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ ان کی ذات بوجوہ مرجع انام تھی، ان کے پاس اچھے برے ہر قسم کے لوگ آتے، انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا، اس لیے ہر قسم کے آنے والوں میں سے وہ مجرموں کے ساتھ تعاون کرتے...... حالانکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ شرپسندوں کی طرف سے حضرت عثمان پر جو الزامات لگائے گئے، ان کی انہوں نے بارہا تردید کی، ان لوگوں کو ڈانٹ پلائی اور اس طرز عمل سے باز آنے کی تلقین کی۔

یہ بھی جھوٹ گھڑا گیا کہ علی رضی اللہ عنہ...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے، انہیں نصیحت کرتے، انہیں حالات سے متنبہ کرتے...... لیکن اس میں ایسی کون سی بات ہے؟ یہ کام تو

Marfat.com

ہر مسلمان کو کرنا چاہیے...... کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول، مسلم حکمرانوں اور عوام کے لیے نصیحت و خیر خواہی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یہ بات کہ حضرت علی کو حضرت عثمان کے بعض اجتہادی معاملات سے اختلاف تھا تو یہ طبعی بات ہے۔ اس میں کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ حضرت علی کو رائے کا حق حاصل تھا...... حضرت عثمان بنیادی طور پر مسئول تھے، اصل جوابدہی ان پر تھی۔ وہ معاملات کے اتار چڑھاؤ، ان کی تدبیر اور ان کے نظم کے بہرحال ذمہ دار تھے...... لیکن برا ہوا اہل فتنہ کا، انہوں نے جہاں حضرت عثمان کی ذات گرامی کو مطعون کرنا چاہا۔ وہاں حضرت علی پر تہمت لگائی کہ وہ عثمان کو پسند نہ کرتے، ان کی طرف سے دفاع نہ کرتے...... حالانکہ واقعاتی طور پر یہ سب غلط اور لایعنی ہے۔

وہ محاصرہ کے دوران سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بنفس نفیس آئے، انہیں پیش کش کی کہ وہ ان کی طرف سے شرپسندوں کے خلاف جنگ کو تیار ہیں...... انہوں نے اپنے صاحبزادوں...... حسن، حسین اور بعض دوسرے نوجوانوں عبداللہ بن عمر...... عبداللہ بن عباس (وغیرہ) رضی اللہ عنہم کو ان کے پاس چھوڑا...... شرپسندوں نے پانی بند کیا تو پانی پہنچایا۔

جب آخری مرحلہ پر ایک طے شدہ سازش کے تحت مجرم اچانک مدینہ آ وارد ہوئے تو آپ بعض صحابہ سمیت ان کے پاس گئے...... شرپسند مسلح تھے، ہجوم کیے ہوئے...... آپ نے نفرت آمیز انداز میں ان نامرادوں سے پوچھا:

"جب تم مطمئن ہو کر چلے گئے تو اب پھر کیوں آئے؟"

انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کا ذکر کیا جو ان کا خط لے کر مصر جا رہا تھا جس میں حکم تھا کہ نیا گورنر آئے تو اسے قتل کر دو۔ حضرت علی سازش کو سمجھنے کے باوصف ان کے ساتھ حضرت عثمان کے پاس گئے اور حضرت عثمان نے ہر طرح تسلی دلائی کہ انہوں نے قطعاً ایسا خط نہیں لکھا...... تفصیل حضرت عثمان والے حصہ میں گذر چکی۔

گویا حضرت علی برابر دفاعی مورچہ پر تھے وہ حضرت عثمان کی عزت کے معاملہ میں حد درجہ غیرت مند تھے...... انہوں نے ہنگاموں کا سامنے کیا دفاع میں کوتاہی کی نہ ان کے عمل میں کوئی فتور نظر آتا ہے، کوئی مداہنت نہیں کی، مجرم ضمیر طبقہ کی مدد کا سوال ہی نہ تھا۔ وہ ارباب باطل اور مفسدہ پرداز لوگوں کے قطعاً ساتھی نہ تھے۔

Marfat.com

اور جب انہیں علم ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادوں کو پیٹا، ان پر ناراض ہوئے، ان کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور ان کے دفاع کا حق ادا نہیں کیا۔

فسادی عناصر کی باقیات سے اور کچھ نہ بن پڑا تو یہ کہا جانے لگا کہ اگر وہ حضرت عثمان کے ایسے ہی خیر خواہ تھے تو ان کی مظلومانہ شہادت کے بعد قاتلان عثمان کو قتل کیوں نہ کیا، ان سے قصاص کیوں نہ لیا؟...... حتیٰ کہ ان کا جرم تک متحقق نہ ہو سکا اور وہ دندناتے رہے۔

آنے والی فصل میں ہم تفصیل سے جائزہ لیں گے...... تاکہ واضح ہو سکے کہ حضرت علی قاتلان عثمان سے قصاص نہ لے سکے تو اس کا سبب کیا تھا؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ دور خلافت

حضرت علی نے جونہی خلافت کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت سے اپنی شہادت تک ایک لمحہ بھی ایسا نہ آیا کہ انہوں نے سکھ کا سانس لیا ہو، ایک کے بعد دوسرا فتنہ، ایک کے بعد دوسرا معرکہ، ایک کے بعد دوسری مصیبت...... تا آنکہ وہ جوار الٰہی میں پہنچ گئے...... سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ ان کے اتباع اور لشکری...... جو ان کی تابعداری کے بڑے دعویدار تھے...... وہ برابر مائل بہ فساد رہتے، ان کی رائے کی مخالفت کرتے، ان کی تدبیروں کو برباد کرنے میں سرگرم عمل رہتے...... تا آنکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک خطبہ میں کہنا پڑا:

> ''تم نے نافرمانی و بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے برابر فساد انگیزی کی، حتیٰ کہ قریش نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابن ابی طالب آدمی تو بہادر ہے لیکن اسے فن حرب کا مطلق پتہ نہیں۔ اللہ کی قسم میرے مخالفین میں کوئی ایسا ہے جو مقام و مرتبہ میں مجھ سے بڑھ کر ہو؟ میں قوت و طاقت میں گروہوں سے بڑھ کر ہوں لیکن جس کا کوئی کہنا ہی نہ مانے اس کی کیا رائے ہو گی پھر کیا ہو؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیعت کا مرحلہ

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد وہی مجرم جو ان کے قاتل تھے...... حضرت علی کی خدمت میں بیعت کے لیے آئے لیکن حضرت علی نے اعراض کیا، اسی طرح ان کے مطالبہ پر حضرت

Marfat.com

زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی گریز کیا...... پھر وہ حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے ان کا اس صورت میں اس منصب کو قبول کرنے کا سوال ہی نہ تھا...... انہوں نے فرمایا:

''اب یہ معاملہ انتقام در انتقام کے چکر کا شکار ہو کر رہ جائے گا، بخدا میں اس کے قریب بھی نہ آؤں گا...... کسی اور کو تلاش کرو۔''

جب کسی نے بھی (ان کے مطالبہ پر بیعت نہ لی تو ان لوگوں نے حضرت علی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر وغیرہ کے قتل کا منصوبہ بنالیا...... اس لیے بعض صحابہ حضرت علی سے چمٹ گئے، انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرانے لگے اور ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ وہ خلافت قبول کر لیں) ۔وہ برابر سختی سے تقاضا کر رہے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ امت فساد کا شکار ہو جائے گی اور دین کا نقصان ہوگا۔

اس صورتحال سے اس مصیبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جس سے حضرت علی دوچار ہو رہے تھے اور آنے والی پریشانیاں ان کے سر پر منڈلا رہی تھیں اور یہ کیا آلام و مصائب ہیں جو ان کے گلے کا ہار بننے والے ہیں...... اس لیے وہ راضی ہونے کے موڈ میں نہ تھے...... انہوں نے فرمایا:

''میرا پیچھا چھوڑ دو، کوئی دوسرا شخص تلاش کرو، کیونکہ میں ایسی صورت حال دیکھ رہا ہوں کہ نہ تو دل اس پر مجتمع ہو سکیں گے اور نہ ہی عقلیں ٹھکانے آئیں گی۔''

لیکن انہوں نے کہا...... ہم آپ کو اللہ کی قسم دیتے ہیں...... جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ آپ کو نظر نہیں آ رہا...... آپ کو اسلام کی فکر نہیں؟ جو ہمارے ساتھ اور ہمارے شہروں کے بسنے والوں کے ساتھ بیتنے والی ہے۔اس کا آپ کو احساس نہیں؟

جب حضرت علی نے ان کی ضد اور اس کیفیت کو دیکھا تو راضی ہو گئے لیکن فرمایا کہ میں بیعت خفیہ نہیں کروں گا۔ بلکہ یہ کام مسجد میں ہوگا! اگلی صبح لوگ مسجد میں پہنچ گئے ۔(حضرت علی منبر پر تشریف لائے اور فرمایا:

''لوگو! خلافت کے معاملہ میں کسی کا حق نہیں، سوائے اس کے جسے تم چاہو، ہم کل تک اس صورت حال سے اعراض کر رہے تھے، اگر تمہارا اصرار ہو تو میں حاضر ہوں، ورنہ میرا کسی پر کوئی حق ہے نہ کسی کو الزام دوں گا۔'')

لوگوں نے کہا! ہم آپ ہی کو چاہتے ہیں...... ہاتھ بڑھائیں ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں...... چنانچہ مسجد میں موجود لوگوں نے بیعت کر لی۔

Marfat.com

پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ جس میں لوگوں کو اللہ سے ڈرایا، اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی ترغیب دی اور اس کی نافرمانی سے بچنے کا فرمایا اور منبر سے اتر آئے!

☆ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سب اہل مدینہ نے بیعت کرلی؟
☆ الگ تھلگ رہنے والے لوگ بیعت کے لیے آگے بڑھے؟
☆ اعلان بیعت کے بعد معاملات پرسکون ہو گئے؟
☆ حضرت عثمان کے قاتلوں کا کیا بنا؟
☆ مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں کا کیا حال تھا؟

مصائب وآلام

جب لوگوں کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں اجتماع ہوا تو ایک گروہ اس عمل سے الگ ہو گیا...... یہ ایسا گروہ تھا جس کی معاشرہ میں خاص عزت تھی، ان کی بات سنی جاتی تھی...... بعض حضرات مدینہ سے نکل کر مکہ معظّمہ چلے گئے بعض شام!

بعد ازاں کچھ حضرات واپس آ کر بیعت کے عمل میں شریک ہو گئے لیکن اس شرط پر کہ حدود الٰہی کو قائم کیا جائے گا...... بعض حضرات کو بدقت واپس لایا گیا اور انہوں نے خاصی تردد کے بعد بیعت کرلی...... اس طرح کسی حد تک پہلی مشکل کا حل نکل آیا۔

اب بعض اشخاص کا معاملہ بڑا اہم تھا۔ جن کی حالات کی تعمیر و ترقی میں بڑی اہمیت تھی، ایسے حضرات کے سرخیل حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، سیدہ عائشہ، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تھے...... اور بعض دوسرے بھی جن کا ذکر بعض حوادث میں آئے گا۔

حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے مجبوراً بیعت کی...... ان سے خود بھی ایسا ہی منقول ہے۔

زیادہ بہتر وہ بات ہے کہ انہوں نے ابتداء میں کسی قدر تردد کے بعد بیعت کی اور یہ شرط لگائی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے گا۔

Marfat.com

پھر جب دیکھا کہ حضرت علی ایسا نہیں کر رہے تو ان کے اجتہاد نے ان کی یہ رہنمائی کی کہ حدود الٰہی کا قیام بے حد ضروری ہے اور حضرت عثمان کے قاتلوں سے انتقام از بس لازم ہے، اگر چہ اس مقصد کے لیے جناب علی کے خلاف اقدام ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

یہیں سے نئے معاملات شروع ہوئے کہ وہ دونوں مدینہ سے مکہ نکل گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مشورہ کے بعد بصرہ کا قصد کیا تا کہ اپنے حمائیتیوں کے ساتھ قاتلان عثمان کا قلع قمع کر سکیں۔

حضرت مغیرہ نے خاصے تردد کے بعد بیعت کر لی۔ البتہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمرو بن العاص کا خاص معاملہ تھا اور ان کا خاص مؤقف تھا...... رہ گئے حضرت عبداللہ بن عباس تو وہ ابتدا سے ہی حضرت علیکے ساتھ تھے گو کہ ان کی یہ بھی رائے تھی کہ تمام لوگوں کے اجتماع کے بغیر بیعت مناسب نہیں...... اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

مدینہ میں جن کی طرف سے اقدام کا خطرہ تھا، انہوں نے بیعت کر لی جناب طلحہ رضی اللہ عنہ، جناب زبیر یہ ان چھ حضرات میں سے تھے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے نامزد کیا تھا۔ باقی حضرات تردد کا شکار تھے، گوشہ نشین ہو گئے تھے یا وہاں سے چلے گئے تھے، ان سے اس قسم کا ڈر نہ تھا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسامہ بن زید، حضرت کعب بن مالک اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

بیعت کا معاملہ ہنوز نامکمل تھا کہ لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ جناب علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں تاخیر کر رہے ہیں۔ یہ پروپیگنڈا دوسری مصیبت و مشکل تھی، جس سے آپ کو واسطہ پڑا، اس کے اثرات بھی پھیل رہے تھے، گو کہ حضرت علی اس سلسلہ میں کوشاں بھی تھے۔ لیکن معاملہ الٹ ہو رہا تھا، نیک فطرت حضرات میں اشتعال کی کیفیت تھی......

اسی سے آئندہ چل کر ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا حتیٰ کہ معاملہ پھلتے پھلتے خود حضرت علی کی موت پر منتج ہوا کہ انہیں شہید کر دیا گیا۔

لوگوں کی باتیں بڑھیں تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بعض صحابہ سمیت آپ کے پاس آئے اور فرمایا:

Marfat.com

"علی! ہماری شرط تو یہ تھی کہ حدود الٰہی کا اہتمام و قیام ہوگا، اور حال یہ ہے کہ آپ کے دائیں بائیں ایسے لوگ ہیں جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں شریک ہیں۔"

حضرت علی نے جواباً کہا:

"برادران من! جو آپ فرما رہے ہیں میں اس سے ناواقف نہیں لیکن اتنی جلدی سے اس قوم سے کیسے بدلہ لیا جائے جو ہم پر مسلط ہے اور ہمیں اس پر کوئی اختیار نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ تمہارے غلاموں کی ہمدردیاں اور دیہاتی آبادی کی دلچسپیاں.....ان حالات میں جو آپ چاہتے ہیں وہ میری قدرت نہیں ہے!"

دونوں حضرات نے کہا.....واقعی آپ بے بس ہیں.....حضرت علی نے کہا، اللہ نے چاہا تو میں وہی کروں گا جو آپ کی خواہش ہے، اس کے بعد ان حضرات نے ایک مشورہ رکھا لیکن اس پر گہرے غور کی ضرورت تھی.....وہ یہ کہ طلحہ بصرہ اور زبیر کوفہ جا کر لشکر تیار کریں اور اچانک مدینہ آ کر ان لوگوں کا قلع قمع کریں جو دہشت گردی کے ذمہ دار ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا.....اس پر غور کرنے کے لیے مجھے مہلت مطلوب ہے.....

چنانچہ وہ دونوں حضرات مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان کے قاتلوں کے متعلق بحث مباحثہ نے شدت اختیار کر لی.....بعض حضرات حضرت علی کی رائے سے متفق تھے اور چاہتے تھے کہ انتظار کیا جائے تاوقتیکہ دہشت گردوں پر قوت حاصل ہو جائے جب کہ دوسرے انتظار و مہلت کو نقصان کا باعث خیال کرتے.....ان کا کہنا تھا.....وقت بیت گیا تو ان فسادیوں سے انتقام لینا ممکن نہ ہوگا۔

معاملہ نے نازک صورت اس طرح اختیار کر لی کہ بنو امیہ کی اکثریت مدینہ سے چلی گئی.....لوگ حیرت میں مبتلا تھے اور پروپیگنڈے باز لوگ اپنی اپنی ہانک رہے تھے.....مشکل یہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہ تو حضرت طلحہ و زبیر کی مہلت سے فائدہ اٹھایا نہ باقی اہل مدینہ نے کچھ سوچا، نہ خلافت نے اس بات پر توجہ دی کہ مدینہ میں فسادی عناصر اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں.....فکر ہوئی تو اس بات کی کہ بنی امیہ کیا کر رہے ہیں.....کیونکہ بنو امیہ کے افراد حضرت معاویہ اور حضرت عبداللہ بن عامر جیسے حضرات کے علاقوں میں جا رہے تھے۔

Marfat.com

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ گورنروں کو بدل دیا جائے...... خاص طور پر ان حضرات کو جو عہد عثمانی میں گورنر تھے اور ان کی جگہ دوسرے صاحب صلاحیت اور انتظامی امور کے ماہر متعین کیے جائیں بلکہ ایسے اشخاص متعین کئے جائیں جو عادل اور فقی ہوں...... دربار خلافت کا یہ حق تو تھا...... لیکن کیا یہ ارادہ پورا ہوا؟

گورنروں کی تبدیلی

حضرت علی اس اقدام کو اپنا حق خیال کرتے اور ان کا خیال تھا کہ اس کا یہی وقت مناسب ہے کہ اختلافی رائے رکھنے والوں کے پاس عوام کا مجمع ہو رہا ہے۔

لیکن حضرت مغیرۃ بن شعبہ نے ان کے عزم مصمم کو دیکھا تو تشریف لائے اور ہمدردانہ عرض کیا:

''میری رائے میں حضرت معاویہ اور عبد اللہ بن عامر کو اور دوسرے گورنروں کو فی الحال اپنے اپنے منصب پر قائم رکھنا مناسب ہے...... حتیٰ کہ عوامی بیعت اور لشکروں کی وفاداری کے پروانے آ جائیں...... اس کے بعد آپ کی مرضی، تبدیلی کا کام کریں یا انہیں باقی رکھیں تاہم آپ کو انکار ہے تو جس کو چاہیں ہٹا دیں لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ چھیڑیں ان میں جرأت ہے۔ اہل شام ان کی بات مانتے ہیں...... ان کو باقی رکھنے میں ایک وجہ جواز یہ ہے کہ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا والئی و گورنر مقرر کیا تھا۔''

یہ رائے سامنے آئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے آگاہ کیا...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جناب مغیرہ نے ہمدردی کی بات کہی، اگر آپ ان کو معزول کر دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ مشورہ کے بغیر اتنا بڑا کام کر ڈالا۔ آپ پر معترض ہوں گے اور اہل شام و اہل عراق چڑھ دوڑیں گے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور کہا:

Marfat.com

''امر خلافت کی اتباع لازم ہے، بعض گورنروں میں صلاحیت نہیں ہے، اس لیے وہ مداہنت دیکھ سکتے ہیں، نہ مزید صبر سے کام لے سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے اعمال کا بوجھ اٹھانے کی پوزیشن میں ہیں...... ادھر ظلم یہ ہے کہ بھاگ کر جانے والے مخالفین کے لیے یہ لوگ جائے امن ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ انہیں فی الفور بدلا جائے اور دوسرے لوگ مقرر کر دیئے جائیں، ورنہ تو یہ لوگ قوت پکڑ لیں گے۔''

چنانچہ انہوں نے فوری فیصلہ کے طور پر:

- ☆ حضرت عثمان بن حنیف کو بصرہ۔
- ☆ حضرت عمارۃ بن شہاب کو کوفہ۔
- ☆ حضرت عبیداللہ بن عباس کو یمن۔
- ☆ حضرت قیس بن سعد کو مصر۔
- ☆ اور حضرت سہل بن حنیف کو شام بھیج دیا۔

حضرت عثمان بن حنیف بصرہ پہنچ تو گئے لیکن لوگ دو حصوں میں بٹ گئے، ان کے حامی اور ان کے مخالف۔

حضرت عبیداللہ بن عباس یمن پہنچے تو پہلے گورنر یعلی بن منبہ خاموشی سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ اسی طرح حضرت قیس بن سعد مصر جا پہنچے۔ البتہ حضرت عمارۃ اور حضرت سہل بن حنیف اپنے اپنے مستقر پر نہ پہنچ سکے اور واپس آ کر حضرت علی کو رپورٹ دی کہ انہیں کس طرح داخلہ سے روکا گیا، اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس رخ پر سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کیسے وسائل کو کام میں لا کر ساری مملکت کو خلیفہ کے سامنے سرنگوں کر سکتے ہیں؟

اسی اثناء میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ باقاعدہ اجازت سے مکہ معظمہ چلے گئے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پسند نہ کرنے کے باوجود اور غیر مرئی خوف کے ساتھ اجازت دے دی...... حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا تنہا مدینہ میں تھے۔

پھر کیا ہوا؟...... آگے پڑھیں۔

Marfat.com

فتنہ

(فتنہ کی آگ جب دانا لوگوں کو لپیٹ میں لے لے تو عوام کا کیا حال ہوگا؟...... جب کوئی قوم پستیوں میں گرنے لگتی ہے تو عقل و دانش کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں...... کوئی شخص اس مصیبت سے بچنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتا...... اللہ تعالیٰ جس پر رحم فرمادے اس کا معاملہ الگ ہے۔)

کسی بھی فتنہ کو دبانے کے لیے ابتدا ہی میں ممکن اسباب سے کام لے لیا جائے اور حسن معاملات کا مظاہرہ کیا جائے تو بات بن جاتی ہے اور سارے معاملات ٹھکانے پر آجاتے پر آجاتے ہیں۔ لیکن جب فتنہ بھڑک اٹھے اور عوام اس کی لپیٹ میں آجائیں تو اس وقت رائیں بکھر کر رہ جاتی ہیں اور جھگڑے ابھر آتے ہیں ہر فریق اپنا جھنڈا لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور قوم کے وڈیرے، عوام کو پیچھے چلانے کے بجائے ان کی رضا کے تابع ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ فتنہ جس کے متعلق ہم گفتگو کر رہے ہیں، اس کی ابتداء عہد عثمانی میں ہوئی اور عہد مرتضوی کی ابتدا میں یہ فتنہ ابتدا ہی میں دم توڑ جاتا لیکن جیسا کہ گذرا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت لے لی اور حال یہ تھا کہ مدینہ فسادیوں سے بھرا پڑا تھا اور یہی لوگ بیعت کے معاملہ کے کرتا دھرتا بنے ہوئے تھے۔ شریف النفس لوگ ان کی مدد سے قاصر تھے بلکہ ارباب مکر و فریب جو وسوسے پھیلا رہے تھے، ان سے اچھے بھلے لوگ متاثر ہو رہے تھے...... ان حالات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل الرائے اس بات سے بے بس ہو گئے کہ وہ گہرائی میں جا کر سوچ بچار کر کے کوئی معقول راستہ نکال لیتے۔ فتنہ پھیلا اور پھیلا ہوا فتنہ اندھا ہوتا ہے۔ انتہا اس پر ہوئی کہ لوگوں کا بے پناہ جانی نقصان ہوا اور شہری آبادیاں بربادی کا شکار ہوئیں۔ بھلے لوگ دیکھتے رہ گئے۔ تفصیل میں جانے سے قبل چند بنیادی باتیں!

پہلی بات

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں ادب و احترام کا رویہ اختیار کرے، کسی کو دھوکہ کے ساتھ متہم کرے نہ یہ خیال کرے کہ فلاں حق سے منحرف ہو گیا یا فلاں کا دشمن تھا۔ یہ خوفناک روش ہوگی اور مکرہ خواہشات کی پوجا۔)...... بس اتنی ہی بات ہے کہ فتنہ کے معاملے میں حالات سے نمٹنے کے لیے سبھی نے اپنی اپنی صوابدید سے اجتہاد کیا، اجتہاد کرنے والے کا اجتہاد کبھی درست ہوتا ہے کبھی نہیں۔

Marfat.com

دوسری بات

کسی بات پر حکم لگانے میں بے حد احتیاط لازم ہے...... دور سے فتنہ کو دیکھنے والا اس شخص سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ جو اس ماحول کے جبر کا شکار ہو...... وہی سمجھتا ہے کہ پانی کہاں سے مر رہا ہے اس سے چھٹکارا کیوں کر ممکن ہے اس کا دفعیہ کیسے اور کیوں کر ہوگا۔

ہر مسلمان ان دنوں میں اس فتنہ کی مشکلات کو حل کرنے کی تدبیر میں مشغول تھا، شاید سبھی کا گمان تھا کہ معاملہ بس آسان ہے اور جلدی سے نمٹایا جاسکے گا لیکن اس وقت معاملہ مشکل تر ہو کر رہ گیا۔ اس لیے فیصلہ کرنے میں اور حکم لگانے میں احتیاط اور ادب کی ضرورت ہے اور جتنے حضرات اس معاملہ میں جہد عمل میں مصروف تھے انہیں معذور سمجھیں اور معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں کہ اپنے بندوں کے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

تیسری بات

یہاں تفصیل کا ذکر نہ ہوگا بلکہ اختصار سے بات کی جائے گی کہ اس سلسلہ کا مقصد دور اولیں کے حالات سے کس قدر آ گاہی ہے اور یہ کہ اس دور کی شناخت ہو سکے اور جوانانِ اسلام اپنے ماضی سے آ گاہ ہوسکیں۔

جو سوسے اور جھوٹی کہانیاں ہیں۔ اس کا کسی قدر دفعیہ ہو سکے...... جو حضرات تفصیلات کے متمنی ہیں وہ بنیادی ماخذ کی طرف رجوع کریں۔ لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ آنکھیں بند کر کے ان پر اعتماد نہ کرلیں۔ بلکہ صحیح و غلط کی تمیز کریں...... ادب، احترام، تقویٰ اور احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ اسی میں عافیت اور آخرت کی بھلائی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ...... متحرک ہوتے ہیں

شام کے لیے نامزد گورنر حضرت سہل بن حنیف وہاں نہ جاسکے، عوام نے جب یہ معلوم کیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نامزد گورنر ہیں تو انہیں واپس لوٹا دیا۔ وہ واپس مدینہ آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے مطلع کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پریشان تو بہت ہوئے تاہم انہوں نے جلد بازی کے بجائے احتیاط سے سوچ بچار کی اور پھر ایک خط دے کر حضرت

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص بھیجا۔اس خط میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلافت کی اطاعت کا کہا گیا تھا۔

حضرت معاویہ نے خط وصول کرلیا لیکن اس نمائندے سے کوئی بات نہیں کی محض اتنا ہی کہا:

"آپ واپس تشریف لے جائیں، جواب آ جائے گا۔"

چندے بعد حضرت معاویہ نے جواب ارسال کرتے ہوئے اس بات کا مطالبہ کیا کہ قاتلان عثمان سے قصاص لیا جائے...... بیعت ہو جائے گی۔

صورتحال یہ تھی کہ قاتل لوگوں میں گھس مل گئے، بعض اپنے اپنے قبائل کو پلٹ گئے تھے اور بعض مدینہ میں رہ کر حضرت علی کے دوسرے لوگوں کے ساتھ بیعت کر چکے تھے...... بلکہ چودھری بنے ہوئے تھے کہ انہوں نے ہی جبر کا رویہ اختیار کر کے حضرت علی کو خلافت پر آمادہ کیا۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت عثمان کے قتل سے پیدا ہونے والی صورت حال کا بدقت نظر جائزہ نہیں لیا...... انجام کا نہیں سوچا۔

اس لیے تہمت والزام کا رخ ان کی طرف ہونے لگا......اور کہا جانے لگا کہ حضرت علی ان لوگوں کی حمایت کر رہے ہیں...... جو شخص حضرت معاویہ کی طرف سے پیغام لایا۔اس نے کہا:

"میں اپنے پیچھے ساٹھ ہزار بزرگ شام میں چھوڑ کر آیا ہوں جن کے سامنے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص ہے، جسے وہ دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر رکھے رو رہے ہیں اور آپ سے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا...... مجھ سے خون عثمان کا مطالبہ کر رہے ہیں؟ کیا میں انہی کی طرح مبتلائے مصیبت نہیں؟

اب حضرت علی نے فیصلہ کرلیا کہ وہ تیاری کے ساتھ شام جائیں تاکہ معاویہ اور ان کے رفقا کو جھکایا جاسکے...... اس مقصد کے لیے جدوجہد شروع کر دی گئی...... اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بصرہ جا رہے ہیں تاکہ اہل بصرہ کا تعاون حاصل کر کے قاتلان عثمان کا قلع قمع کرسکیں...... چنانچہ حضرت علی نے بربنائے مصلحت شام کی بجائے بصرہ کا رخ کرلیا تاکہ وہ حضرات بصرہ نہ پہنچ سکیں...... ایسا ہوگیا تو نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی...... آپ نے عزم سفر کیا تو آپ کے ساتھ بارہ ہزار افراد تھے......لیکن

Marfat.com

تیاری کے ابتدائی مرحلہ میں ہی اطلاع آ گئی کہ وہ حضرات سبقت کر کے بصرہ جا پہنچے...... گویا آپ ان کی راہ نہ روک سکے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حرکت و عمل کا معاملہ کیا تھا...... یہ سب کیوں کر ہوا؟...... اگلی فصل۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مہم

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان کی شہادت سے بیس روز قبل مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئیں تاکہ عمرہ ادا کر سکیں...... واپسی کے سفر کے دوران انہوں نے یہ اندوہناک خبر سنی...... نیز یہ کہ مدینہ منورہ میں شدید اضطراب ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے...... انہیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ سیدنا علی، حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص نہ لے سکیں گے۔ کیونکہ انہی لوگوں نے ابتداء میں ان کی بیعت کی تھی یا ان میں سے کچھ اپنے اپنے قبائل کے پاس واپس چلے گئے تھے اور قبائل نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ اس لیے تاخیر ہو گی، معاملہ درہم برہم ہو گا اور صورت حال مخدوش ہو جائے گی۔ اس لیے کسی ایک شخص پر حد قصاص جاری نہ ہو سکے گی۔

چنانچہ وہ راستہ سے واپس مکہ معظمہ تشریف لائیں، لوگ صورت حال کے ادراک کے ساتھ ان کے پاس جمع ہونے لگے...... حضرت عثمان کے دور کے گورنر...... جو ابھی تک منصب پر فائز تھے...... آپ کے پاس تشریف لائے اور واپسی کا سبب دریافت کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا...... چنانچہ والئی مکہ حضرت عبداللہ بن عامر نے کہا:

"بلاشبہ! میں سب سے پہلے خون عثمان کا مطالبہ لے کر اٹھوں گا۔"

ظاہر ہے کہ ان کے قدم بقدم بنوامیہ ہوں گے، جن میں سے کچھ مکہ معظمہ ان کے پاس جمع ہو گئے تھے اور کچھ شام میں حضرت معاویہ کے پاس!

اسی اثنا میں سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر بھی مکہ معظمہ آ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مل کر تمام معاملات پر غور کیا اور سوچ و بچار کی اور متفقہ طور پر اس نتیجہ پر پہنچے:

نظام اجتماعی کی حفاظت و بقا کے لیے قاتلان عثمان پر حد جاری کرنا لازم ہے۔ یہ اس لیے بھی لازم ہے کہ آئندہ چل کر بلاوجہ اور بلاسبب امراء کے

Marfat.com

قتل کی راہ روکی جائے، ورنہ تو کوئی محفوظ نہ رہے گا۔ مشکل یہ تھی کہ قاتل حضرت علی کے کیمپ میں تھے، ان کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور ان کی تابعداری کا دم بھر رہے تھے۔

اس لیے یہ مطالبہ کرنے والے حضرات کی اعانت لازم تھی تا کہ اصلاح احوال ہو سکے اور فساد جڑ سے کٹ جائے!

ان حضرات نے مشورہ کیا کہ اس مقصد کے لیے کون سا شہر مرکز بنایا جائے۔

چنانچہ بصرہ کا انتخاب کیا گیا کیوں کہ وہاں ہمدرد حضرات موجود تھے اور ان سے تعاون وامداد کی توقع تھی۔"

ان حضرات نے حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی بات کی کہ وہ بھی ان کے ہمراہ بصرہ چلیں لیکن انہوں نے معذرت کی اور کہا:

"میں تو مدینہ میں رہوں گا، اہل مدینہ جو کریں گے...... وہ میں کروں گا۔"

چنانچہ ان حضرات نے ان سے اصرار نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علی سے بیعت کر چکے تھے اور ان سے وعدہ کر چکے تھے کہ ان کی طرف سے آپ پر کوئی مطالبہ نہ ہوگا...... انہوں نے حضرت علی سے مکہ جانے کی اجازت طلب کی کہ وہ کسی سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے اور الگ تھلگ مشغول عبادت رہیں گے...... حضرت علی نے اجازت تو دے دی لیکن وہ بہر حال خوفزدہ تھے...... تاہم حضرت عبداللہ نے اپنا وعدہ نبھایا اور حضرت طلحہ اور ان کے ساتھیوں سے معذرت کر لی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باقی ازواج مطہرات سے بات کر کے ان کو بھی ساتھ لے جانے کی خواہش مند تھیں، انہوں نے پسند نہ کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی روکنا چاہا لیکن آپ نے ان کی نصیحت پر کان نہ دھرا۔

اسی دوران یمن سے وہاں کے گورنر (عثمانی) یعلی بن منبہ کے ذریعہ اور بصرہ سے حضرت عبداللہ بن عامر کے ذریعہ اچھی خاصی مالی امداد فراہم ہوگئی؟ اس مالی معاونت کے ساتھ چھ سو اونٹ بھی تھے...... ان حضرات کے لیے اب تیاری آسان تھی...... حضرت عائشہؓ کا منادی اعلان کر رہا تھا:

Marfat.com

"ام المومنین سیدہ عائشہؓ اور حضرت طلحہ، وزبیر، بصرہ کا عزم رکھتے ہیں تا کہ وہاں جا کر حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جا سکے...... جو اس مہم میں شامل ہونا چاہے وہ آ جائے۔"

ابتدا میں ایک ہزار افراد جمع ہو گئے پھر اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ تین ہزار افراد کا مجمع ہو گیا......
دوسرا معاملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس پر آئندہ گفتگو ہو گی پہلے اس واقعہ کی تفصیل۔

واقعہ جمل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے رفقا بصرہ کی طرف عازم ہوئے، وہ اونٹنی پر سوار تھیں، باقی حضرات ان کے دائیں بائیں تھے۔

راستہ میں ایک واقعہ پیش آیا جس سے انہوں نے واپسی کا قصد کر لیا...... لیکن ان کے رفقاء نے انہیں اس عزم سے باز رکھا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ عزم وحوصلہ سے اور آپ کی موجودگی سے اصلاح احوال کی توقع ہو سکتی ہے اور قاتلان عثمان کا قلع قمع ممکن ہے[۱۶۱]۔

بہرحال راستہ قطع کرتے قافلہ بصرہ پہنچ گیا...... وہاں حضرت علی کے گورنر حضرت عثمان بن حنیف تھے...... انہوں نے ایک نمائندہ بھیج کر ان حضرات سے ان کی آمد کا مقصد معلوم کیا؟......
انہوں نے نمائندے کو ساری صورت حال بتلائی اور بتلایا کہ کس طرح حضرت عثمان مظلومی کے عالم میں شہد ہوئے اور یہ کہ وہ اصلاح احوال کے لیے سفر کر رہے ہیں تا کہ قاتلان عثمان کا قلع قمع ہو سکے۔ انہوں نے چاہا کہ یہ بصرہ میں داخل نہ ہوں تا آنکہ حضرت علی آ جائیں لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا یہ حضرات پوری قوت سے بصرہ میں داخل ہو گئے اور اہل بصرہ نے اس خاص معاملہ میں ہر طرح کی معاونت کا یقین دلایا اور اس مسئلہ پر ان حضرات کی بیعت کر لی۔

اس کامیابی کے بعد انہوں نے مختلف قبائل سے کہا کہ اپنی صفوں میں گھسے ہوئے قاتلان عثمان کو پیش کر دیا جائے تا کہ ان کے ساتھ قانون الٰہی کے مطابق نمٹا جا سکے...... تاہم بعض قبائل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور مرقوص بن زہیر نے اپنے قبیلہ کے چھ ہزار افراد کو بھی تعاون سے روک دیا...... بہرحال بصرہ کے حوصلہ افزا حالات کے سبب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اہل کوفہ کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی اس معاملہ میں مدد کریں...... اس وقت کوفہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ الاشعری تھے۔

Marfat.com

ادھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نمائندے حضرت ابوموسیٰ کے پاس پہنچے اور حضرت علی کی طرف سے انہیں اسی قسم کا پیغام پہنچایا...... حضرت ابوموسیٰ نے سلامتی اس میں سمجھی کہ فتنہ سے الگ ہو جائیں۔ کیونکہ فتنہ کے دور میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اچھا ہوتا ہے تو کھڑا ہونے والا جہد وعمل کرنے والے سے! ان کے متعلق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انہیں معزول کر کے حضرت قرظہ بن کعب الانصاری کو گورنر مقرر کر دیا...... نئے گورنر نے لوگوں کو حضرت علی کی معاونت کے لیے کہا، حکومت اختیار اور کوفہ کے لوگوں کا خاص مزاج...... اس لیے حضرت عائشہؓ کو یہاں سے مدد نہ مل سکی۔ پھر حضرت علیؓ نے ان کو خط ارسال کیا۔ جس میں اپنی مدد کی درخواست کی تھی اور اس بات کی ترغیب کہ التزام جماعت کا اہتمام کریں اور اصلاح کی فکر کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکلے تو ان کے ساتھ بارہ ہزار افراد تھے۔ ان کے سفر کی غایت تو یہ تھی کہ وہ حضرت عائشہ اور ان کے رفقاء کے درمیان حائل ہو جائیں اور وہ بصرہ نہ پہنچ سکیں لیکن اس لیے ایسا نہ ہو سکا کہ وہ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے تھے تو انہوں نے گورنر کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو اس حال میں پایا کہ وہ ہر دو حضرات سے الگ تھلگ رہنے کی دعوت دے رہے ہیں تو انہیں معزول کر دیا گیا وجیسا کہ گذرا اور نئے گورنر نے اہل کوفہ کو حضرت علی کی مدد کے لیے ابھارا......

وہاں پہنچ کر حضرت علی نے خطبہ دیا اور لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ خطبہ میں ارشاد فرمایا:

> ''اہل کوفہ! تم لوگوں نے عجمی بادشاہوں کو اپنی ہمت سے قتل کیا...... اور ان کی جمعیت کو منتشر کیا۔ حتیٰ کہ مال ومنال کے تم وارث ہو گئے...... میں نے تمہیں دعوت دی ہے تا کہ تم ہمارے ساتھ مل کر اہل بصرہ کے بھائیوں کے مدمقابل آؤ...... اگر وہ بغیر جنگ لوٹ جائیں تو بہت اچھا کہ یہی ہمارا مقصد ہے۔ اگر وہ بھڑنا چاہیں تو پھر بھی نرمی سے علاج کی فکر کریں گے تا کہ ہم پر زیادتی کا الزام نہ لگے...... ہم ہر ممکن طریق سے اصلاح کی فکر کریں گے...... نہیں تو اللہ تعالیٰ نے چاہا تو فساد کا قلع قمع کر کے رہیں گے۔''

پھر حضرت علی نے قعقاع بن عمرو کو بلا کر کہا کہ تم بصرہ جاؤ...... اور بالخصوص حضرت طلحہ و زبیر کو دعوت دیں کہ جماعتی نظم اور باہمی الفت لازم ہے اور تفرقہ نامناسب...... وہ گئے اور سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری دے کر سلام عرض کیا اور کہا:

Marfat.com

اماں جان! یہاں تشریف لانے کا مقصد؟

انہوں نے فرمایا...... بیٹے میرا مقصد محض اصلاح ہے۔

ان کے تقاضے پر حضرت طلحہ وزبیر کو بلایا گیا قعقاع......ان سے کہا:

''کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سفر کا مقصد اصلاح ہے لوگوں کی اصلاح اور فساد کا خاتمہ اور مفسدین کا قلع قمع! آیا آپ کا مؤقف بھی اماں عائشہ والا ہے؟ انہوں کہا! بالکل! ہاں''۔

قعقاع نے کہا......ارشاد فرمائیں اصلاح کیوں کر ہوگی؟

حضرت طلحہ وزبیر نے فرمایا......قاتلان عثمان کو قتل کرنے سے اصلاح ہوگی......اگر ایسا نہ کیا گیا تو گویا قرآن اور اس کے احکام کو نظر انداز کرنے والی بات ہوگی۔

اس نے کہا......قاتلان عثمان بصری ہیں تو آپ چھ سو آدمیوں کو قتل کر کے چھ ہزار کو غضب آلود کرلیں گے......آپ نے دیکھ لیا کہ حرقوص بن زہیر نے اپنے قبیلہ کے چھ ہزار آدمی روک لیے......اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو آپ کے بقول اس کا الزام آپ پر ہوگا کہ آپ نے چھوڑ دیا......لیکن اس کے مقابلہ میں ان پر غلبہ پا کر ان کو قتل کرنے کا انجام اس سے کہیں بدتر ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا......تمہاری کیا رائے ہے؟

اس نے کہا! یہ معاملہ ٹھنڈے دل سے پرامن حالات میں طے کرنے کا ہے......اگر آپ حضرت علی کی بیعت کرلیں تو یہ بہتری کی علامت ہوگی اور خیر کا معاملہ، اس سے قصاص کی منزل آسان ہو جائے گی......لیکن ایسا نہ ہوا تو اس کا انجام بہرحال اچھا نہ ہوگا......سارا مقصد فنا ہو جائے گا اور یہ معاملہ حل نہ ہو سکے گا۔

اس لیے عافیت کا تقاضا ہے کہ اس کا لحاظ رکھا جائے......آپ حضرات خیر و بھلائی کے کنجی بردار بنیں اور تعرض ونزاع پیدا کر کے مصیبت نہ کھڑی کریں۔

ان حضرات نے کہا......کہ تمہاری رائے ٹھیک ہے......تم حضرت علی کے پاس جاؤ، وہ تشریف لائیں......ان کی رائے بھی تمہاری طرح ہوگی تو سبحان اللہ......معاملہ درست ہو جائے گا۔

Marfat.com

وہ لوٹ کر گیا، حضرت علی کو اطلاع دی، انہیں بہت تعجب ہوا، لوگوں کو گفتگو سے مطلع کیا، صلح اور خیر کی توقع سامنے آ گئی۔ واقعہ میں دونوں ہی فریق صلح کے متمنی تھے۔

حضرت علی نے اعلان فرمادیا کہ بصرہ جانے کی تیاری کر لو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کے قریب پڑاؤ ڈال لو...... تاکہ گفتگو سہل ہو جائے۔

اس کے بعد تین دن مسلسل خط و کتابت کے ذریعہ مذاکرات چلتے رہے آخر حضرت طلحہ و زبیر اپنے کیمپ سے اور حضرت علی اپنے کیمپ سے باہر آئے تاکہ دوبدو گفتگو ہو سکے، ایک دوسرے کے قریب آئے حتیٰ کہ ان کی سواری کے جانوروں کی گردنیں ایک دوسرے سے پیوست ہو گئیں۔ گفتگو ہوئی تو مسئلہ یہی سامنے آیا کہ باہمی صلح ہی مسائل کا حل ہے اور لڑائی بھی اس سے ٹلے گی۔

اس کے بعد سبھی اپنے اپنے ٹھکانوں کو پلٹ گئے، اپنے اپنے احباب کو صلح کی خوش خبری سے آگاہ کیا، طرفین کے مخلص لوگ بے حد خوش تھے۔ بہت دنوں بعد ایک رات خیریت اور امن و چین سے گذری...... لیکن فلک کج رفتار کا فیصلہ اور تھا...... اصحاب فتنہ، جو بدقسمتی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ منتھی تھے، انہوں نے اس صورت حال، ناپسند کیا اور آپس میں مل کر مشورہ کیا...... انہوں نے کہا:

"صلح کا معاملہ منطقی انجام کو پہنچنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فریقین ہمارے خلاف متفق ہو جائیں گے اور پھر ان کی تمام تر توجہ ہمارے ہی طرف ہو گی۔"

پھر وہ نامراد اس تجویز پر متفق ہوئے کہ اس صلح کو بگاڑ دیں اور اس طرح کہ رات کے آخری حصہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور جناب طلحہ و زبیر کے لشکر پر ہجوم کر دیا جائے اور شب خون مارا جائے...... یہ کام اتنی خاموشی اور حکمت سے ہو کر وہ خیال کریں کہ یہ علی کے لشکر کی کارستانی ہے اور جواباً وہ پلٹ کر علی کے لشکر پر چڑھ دوڑیں اور یہ خیال کریں کہ دوسری طرف سے غداری ہوئی ہے۔

فجر کے قریب کا وقت اس ترکیب کے نفاذ کے لیے طے کر دیا گیا اور وہ لوگ بھی منتخب کر دیئے گئے جو اس کام کو عملی جامہ پہنائیں گے اور انہیں سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب خفیہ طریق سے پہنچا دیا گیا۔

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ یہ حرکت کرنے والے کون ہیں...... تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ تو علی کے ساتھی ہیں۔ جنہوں نے لشکر عائشہ پر شب خون مارا، انسانوں کو قتل کیا،

Marfat.com

سامان لوٹا...... سمجھا یہ گیا کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم دیا ہے، اس کے بعد ان کے پاس یہ کہنے کا جواز تھا کہ:

اس میں شک نہیں کہ علی اعتبار کے قابل نہیں وہ باز نہ آئیں گے جب تک خون نہ بہہ لے اور حرمتیں پامال نہ ہو جائیں۔''

وہ ظالم و خود غرض افراد پلٹ کر لشکر علی رضی اللہ عنہ پر چڑھ دوڑے...... علی رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو وہ کہنے لگے کہ:

''طلحہؓ و زبیرؓ خون بہائے بغیر اور حرمتوں کی پامالی کے بغیر باز تھوڑا آئیں گے۔''

یہ شر انگیز برابر اسی طرح خفیہ حرکات کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فریقین نے بازو چڑھا لیے اور لڑائی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کو اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے اپنے رفقاء کو ہدایت کی کہ:

جو لڑائی سے بھاگ جائے اس کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی پر ہجوم نہ کیا جائے۔

کوئی دوسری طرف سے کٹ کر آئے تو اسے دھتکارا نہ جائے۔ دوسرے کے مال اور عزتوں کو پامال نہ کیا جائے!

سورج بلند ہوتے ہوتے ایک مرحلہ گذر گیا...... بعض حضرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا:

''خدا کے لیے آپ آگے بڑھیں، لوگوں پر جنگ کا بھوت سوار ہے۔ کیا عجب کہ آپ کے وجود کی برکت سے اللہ تعالیٰ اصلاح کی شکل پیدا کر دے۔''

انہوں نے بامر مجبوری باہر نکلنے کا عزم کیا، سواری پر سوار ہو کر اپنے پالان پر پردے ڈال لیے اور چل کھڑی ہوئیں...... لیکن لڑائی کا ایسا بازو بندھا ہوا تھا کہ کوئی سننے کو تیار نہ تھا...... انہوں نے دعا شروع کر دی، دعا میں آہ و زاری تھی...... وہ دعا میں قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے لعنت کے الفاظ کر رہی تھیں...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا تو پوچھا تو بتلایا گیا کہ:

''جناب عائشہ رضی اللہ عنہا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بد دعا کر رہی ہیں۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہم زبان ہو گئے اور عرض کیا:

Marfat.com

''بارالہ! قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ اوران کے حواریوں کواپنی رحمت سے دور فرما اوران پر لعنت کر۔''

اہل بصرہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے گرد ہجوم کیے ہوئے تھے......لڑائی ایک بار پھر زوروں پر ہونے لگی......طرفین سے بکثرت لوگ مارد یئے گئے ایک تیر حضرت طلحہؓ کو لگا جس سے وہ شہید ہو گئے اور حضرت زبیرؓ لشکر سے الگ ہو گئے تو ایک آدمی نے انہیں گھات لگا کر شہید کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی شدت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری کے اردگرد دیکھی تو حکم دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ دی جائیں...... رفقاء علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پالان زمین پر آ رہا......مرتضوی لشکر کے دو شخص جلدی سے آگے بڑھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پالان سمیت اٹھا کر مقتولین اور مرکز جنگ سے الگ ہو گئے......اس طرح ذرا جنگ کم ہوئی سورج غروب ہو رہا تھا......حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا......اماں آپ کیسی ہیں؟......آپ نے فرمایا...... ٹھیک ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا...... اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مغفرت سے نوازے...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً ایسے ہی کلمات کہے، پھر حضرت کے حکم سے انہیں بصرہ کے ایک گھر میں باعزت طریق سے رکھا گیا۔

اب جو میدان جنگ کو دیکھا تو زمین انسانی لاشوں سے اٹی پڑی تھی......مقتولین کے حالات دیکھ کر ان کا دل بھر آیا۔ سازشی انداز سے چھڑنے والی جنگ میں مرنے والوں پر رحم آ گیا، ان کے لیے آپ نے دعا مغفرت کی۔

بصرہ میں داخل ہونے سے قبل آپ تین دن وہاں مقیم رہے......تمام مقتولین کے دفن کا انتظام کیا، لگ بھگ دس ہزار افراد اس جنگ کی بھینٹ چڑھ گئے......جن میں سے آدھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے افراد تھے آپ نے فریقین کے شہداء کا جنازہ پڑھا پھر بصرہ تشریف لے گئے۔ اہل بصرہ نے بیعت کر لی...... بعدازاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مدینہ جانے کا سامان کیا، انہیں باعزت طریق سے رخصت کیا۔ ان کی حفاظت و تکریم کے لیے اپنے صاحبزادوں کو ساتھ بھیجا۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے معاملہ میں کسی قسم کی بدزبانی سے سختی سے روکا یہی حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا...... آپ فرماتیں کہ علی رضی اللہ عنہ اور میرے درمیان ایسا ہی معاملہ تھا جیسا ایک خاتون اور اس کے سسرالی رشتہ داروں کے مابین ہوتا ہے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے:

"بے شک وہ صحیح فرماتی ہیں وہ دنیا و آخرت میں تمہارے نبی کی اہلیہ ہیں۔"

اس انتہائی افسوسناک داستان کا اس طرح اختتام ہوا جس میں فریقین کے ہزاروں افراد مارے گئے (رحمہم اللہ تعالیٰ۔)

اس میں شک نہیں کہ جو کچھ ہوا اس کا سبب سبائی فتنہ سے تعلق رکھنے والے عناصر تھے جنہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتنہ انگیزی کی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گھس کر اس آگ کو بھڑکایا...... ان نامرادوں نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بار دیگر مزید فتنہ انگیزی کی...... پہلے سے کہیں بڑھ کر...... اس کا ذکر صفین کے حوالہ سے آگے ہیں۔

صفین کا معرکہ

جمل کا موقعہ گزر گیا، ایک طے شدہ سازش کے تحت حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سبائی سازشیوں کے خنجر کا شکار ہو گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پریشانی کے عالم میں مدینہ واپس ہونا پڑا...... یوں اس علاقہ میں علی کی فتح ہو گئی اور اہل عراق سب کے سب ان کے مطیع ہو گئے۔ بالخصوص اہل بصرہ کی بیعت کے بعد کوئی معاملہ باقی نہ رہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراق کے معاملات کو سنوارا، امراء اور گورنر مقرر کیے...... کسی قدر انہیں سکون میسر آیا اور مسلمان ایک حد تک امن کی فضا میں سانس لینے لگے لیکن یہ وقفہ بہت مختصر تھا...... اب ایک نئی تیاری ان کے پیش نظر تھی تا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو نیچا دکھایا جا سکے۔

البتہ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق کسی اقدام سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط پہنچایا اور جواب کا انتظار کرنے لگے...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مراسلت ضروری سمجھی اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کے ذریعہ، جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انصار و مہاجرین ان سے بیعت کر چکے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی بیعت و طاعت کر لیں۔

Marfat.com

جناب جریر گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط پہنچایا اور جواب کا انتظار کرنے لگے......

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل رائے حضرات کو بلا کر ان سے مشورہ کیا یہ سلسلہ کئی دن جاری رہا۔ آخر یہ رائے طے ہوئی جس سے جریر بن عبداللہ کو بلا کر مطلع کر دیا گیا......اس میں کہا گیا۔

"اپنے امیر و امام کے پاس جا کر انہیں کہہ دیں کہ میں اور اہل شام قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ طے ہوئے بغیر بیعت نہ کریں گے......آپ خود انہیں قتل کر دیں......یا ہمارے سپرد کر دیں۔"

جریر واپس گئے......جواب سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا اور اپنے مشاہدات بھی بتلائے......انہوں نے بتلایا کہ:

"میں نے مسجد دمشق کے منبر پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص دیکھی۔ لوگ اسے دیکھتے ہیں، روتے ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ وہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لے کر رہیں گے۔"

اس صورت حال کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ بیعت کرنے سے گریز کر رہے ہیں......اب ان کے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ لڑائی اور قتال کے لیے اقدام کیا جائے کہ ان کی نظر میں جناب معاویہ رضی اللہ عنہ امام و امیر کے خلاف خروج کرنے والے ہی نہیں۔ اہل شام کو بیعت سے روکنے والے ہیں...... چنانچہ وہ لگ بھگ ایک لاکھ بیس ہزار جوانان ملت کو لے کر "رقہ" کے راستے دریائے فرات عبور کر کے "صفین" میں جا کر مقیم ہو گئے۔

حضرت معاویہ نے سنا تو وہ بھی نوے ہزار فدا کاروں کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے......

فریقین کے "مقدمۃ الجیش" کا کہیں کہیں آمنا سامنا ہوا، اصلی ٹھکانوں پر مقیم ہونے سے قبل بعض چھوٹے پیمانے پر جھڑپیں ہوئیں اور بالآخر فریقین اپنے اپنے ٹھکانوں پر ٹک گئے......اس کے بعد کسی جھڑپ کی نوبت نہیں آئی...... بلکہ ہر فریق دوسرے کے طرز عمل کا جائزہ لیتا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ ادھر سے کیا اقدام ہوتا ہے؟

اس موقعہ پر ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح و اصلاح کے لیے سلسلہ جنبانی کی اور اپنے رفقا میں سے ایک وفد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس نے جا کر انہیں دعوت دی کہ

Marfat.com

وہ جماعت سے وابستہ ہو جائیں اور بیعت و اطاعت اختیار کریں۔ وفد گیا اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جماعت مسلمین میں تفریق کا باعث نہ بنیں اور نہ ہی مسلمانوں کا خون بہائیں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا...... جا کر یہی بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہو...... آخر عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا کیا قصور ہے؟

لمبی چوڑی گفتگوؤں کے باوجود کوئی نتیجہ نہ نکلا اور وفد نے واپس آ کر بتلایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ تو گویا لڑائی کے لیے عزم مصمم کئے بیٹھے ہیں...... اب گویا دونوں لشکر آمنے سامنے تیار تھے۔

ذوالحجہ ۳۶ھ میں لڑائی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک گروپ ادھر سے نکلتا...... ایک ادھر سے پنجہ آزمائی ہوتی اور لوگ واپس آ جاتے...... سارا ذوالحجہ قریب قریب یہی حالت رہی......

اگلے سال کا محرم آیا تو لوگوں نے سوچا کہ کم از کم اس مہینہ میں لوگ ایک دوسرے پر ہاتھ نہ اٹھائیں کیا عجب کہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور وفاق کے استحکام کی کوئی شکل نکل آئے۔

۳۷ھ کا محرم گزر گیا لوگ امن و سکون میں زندگی گزارتے رہے ہر ایک صلح کے معاملہ میں پر امید تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر ایک وفد حضرت معاویہ کے پاس بھیجا لیکن کسی نتیجہ کے بغیر وہ واپس آ گیا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک وفد بھیجا۔ جس نے دو نکات سامنے رکھے۔

> ''ایک یہ کہ قاتلان عثمان ان کے سپرد کر دیئے جائیں کہ ان پر قصاص کا قانون لاگو ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ علی خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور امت کی شوریٰ آزادی سے فیصلہ کرے کہ خلیفہ کون ہو؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفد سے فرمایا:

> ''جہاں تک قاتلان عثمان کا معاملہ ہے تو معاویہ دوسرے لوگوں کی طرح بیعت کر لیں پھر انہیں مطالبہ کا حق ہوگا کہ کتاب الٰہی اور سنت رسول کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

خلافت کا معاملہ یہ ہے...... کہ میری خلافت بالکل صحیح ہے، جن مہاجرین و انصار نے پہلے تین خلفاء کی بیعت کی...... انہوں نے میری بیعت کی...... تاہم اس دعویٰ کو دلیل کی کوئی کسوٹی پر ثابت نہ کرنا خاصا مشکل ہے...... واللہ تعالیٰ اعلم...... اس لیے معاویہ رضی اللہ عنہ پر لازم ہے کہ وہ اطاعت کا راستہ اختیار کریں۔

Marfat.com

وفد یہاں سے بھی کسی نتیجہ کے بغیر لوٹ آیا......اب نظر آ رہا تھا کہ صلح کا دروازہ گویا بند ہے اور لڑائی ناگزیر ہے، لہٰذا ہر کسی نے اپنے ہتھیار کی فکر کی...... صفیں منظم ہونے لگیں۔صرف کی پہلی تاریخ سے سات تاریخ تک گروپوں کی شکل میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ساتویں دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کمانڈروں کو حکم دیا کہ کل سے پوری قوت سے یکبارگی حملہ کر ڈالیں......حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو انہوں نے بھی ایسا ہی آرڈر دے دیا......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کو رات قیام وتلاوت اور دعا کے ساتھ گزارنے کا حکم دیا اور ان سے توقع کی کہ وہ حزم و احتیاط اور بھرپور کوشش اور صدق وصفا سے کام لیں گے۔

۸صفر کو سارا دن گھمسان کی جنگ جاری رہی......نماز کے سوا وقفہ کا سوال نہ تھا پھر جب بہت لاشیں جمع ہو جاتیں تو انہیں ٹھکانے لگانے اور جگہ صاف کرنے کے لیے ذرا سی رکاوٹ ہوتی......رات تک یہی حال رہا......لیکن معاملہ برابر برابر تھا۔

اگلا دن جمعرات کا تھا......وحضر......الاشتر بن مالک، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور حبیب بن مسلمہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نامور کمانڈر تھے۔ان کی قیادت میں پوری قوت سے لڑائی شروع ہوئی......حضرت عمار بن یاسر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں تھے لیکن وہ آگے بڑھتے بڑھتے معاویہ کی صفوں کے وسط میں پہنچ کر پوری قوت سے لڑنے لگے حتیٰ کہ شہید ہو گئے حضرت علی نے ان کے قتل کا سنا تو ان کی ہمت جوان ہو گئی [۴۲] ......لڑائی شدت اختیار کر گئی......رات سر پر تھی اور جنگ بند ہونے میں نہ آ رہی تھی بلکہ مسلسل دگرگوں معاملہ ہو رہا تھا تا آنکہ جمعہ کا دن آ گیا سورج بلند ہونے لگا......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے غلبہ کا امکان سامنے تھا......اس امکانی نتیجہ کے پیش نظر حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اپنے رفقا کو حکم دیں کہ وہ قرآن مجید کے نسخے اپنے نیزوں پر بلند کر دیں اور اعلان کر دیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ فیصل اشتر ہو گی۔

حضرت عمرو نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رفقا قرآن کریم کو دیکھیں گے تو اول تو جنگ سے رک جائیں گے......سب نہیں رکیں گے تو اختلاف کی صورت حال سے دوچار ہو جائیں گے......اس طرح بہرحال کچھ وقت کے لیے تعطل کی صورت پیدا ہو جائے گی اور دباؤ کم ہو کر شدت ختم ہو جائے گی......ظاہر ہے کہ اس کا انہیں حق بھی تھا کہ جنگ نام ہی خفیہ تدابیر کا ہے!

Marfat.com

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تجویز پسند آئی کہ اس طرح وہ اس مشکل صورت حال سے نکل سکتے تھے...... بہرحال مشورہ ہو جانے کے بعد اعلان ہو گیا اور لوگوں نے اپنے اپنے قرآن نیزوں پر اٹھا لیے اور بلند کر کے کہا:

''یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے...... ہمارے تمہارے درمیان اس کے ذریعہ فیصلہ ہوگا۔''

اہل شام اور غیر اہل شام کا آپس میں اور اہل عراق و غیر اہل عراق کا کیا تنازعہ اور جھگڑا ہے؟

یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور جونہی قرآن مجید نیزوں پر اٹھائے گئے تو بعض لوگوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور حضرت علی سے کہا:

''ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہمیں کتاب الٰہی کی طرف بلایا جائے اور اس کو ہم قبول نہ کریں۔''

لیکن حضرت علی نے جواباً کہا:

اللہ کے بندو اپنے حق کے لیے ڈٹ جاؤ اور دشمن کے ساتھ لڑائی کو منطقی انجام تک پہنچا کر چھوڑو۔ انہوں نے قرآن جو نیزوں پر بلند کیے ہیں تو یہ محض جنگی چال ہے۔''

لیکن شیعان علی برابر اصرار کرتے رہے اور کہنے لگے:

''علی کتاب اللہ کو فیصل تسلیم کر لو اور ''اشتر'' کو آرڈر دو کہ لڑائی سے ہاتھ کھینچ لے اور آپ کے پاس آ جائے۔''

جناب علی اب اپنے ہی رفقا سے الجھ رہے تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ وہ انہیں میدان جنگ میں تنہا چھوڑ کر برابر تقاضا کر رہے تھے کہ ''اشتر'' کو جنگ سے روکا جائے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پریشان ہو کر اشتر کو جنگ سے روکا، اشتر نے ذرا مہلت مانگی تاکہ فتح مکمل ہو جائے کہ اس کے خیال میں فتح سر پر کھڑی تھی۔

لیکن معترض حضرات کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور انہوں نے زور دے کر کہا:

''اشتر کو جنگ سے واپس بلائیں ورنہ ہم آپ کی خلافت سے چھٹی کرا دیں گے۔''

Marfat.com

جناب علی نے بار دگر اشتر کو پیغام بھیجا، اصرار کے ساتھ اور اسے صورت حال کی نزاکت سے مطلع کر کے واپسی کا کہا......اور کہا کہ اگر تم نے جنگ نہ بند کی تو سمجھ لو کہ فتنہ تمہاری صفوں میں گھس چکا ہے......اشتر مجبوراً رک گیا وہ برابر کہے چلا جا رہا تھا کہ یہ جنگی چال ہے......وہ واپس آیا اور رضدی عناصر سے جھگڑا کیا لیکن جنگ کے لیے آمادہ کرنے پر قادر نہ ہو سکا......اب جناب علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ایک منادی نے اعلان کیا:

''کہ ہم نے اس بات کو قبول کر لیا کہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ قرآن کے ذریعہ ہو۔''

اور ساتھ ہی حضرت اشعث بن قیس کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجا کہ ان سے معلوم کرے کہ قرآن نیزوں پر بلند کرنے کا مقصد کیا تھا! حضرت معاویہ نے کہا:

''یہ اس لیے کیا گیا کہ ہم اور آپ کتاب اللہ کی طرف لوٹ آئیں اور اس سے فیصلہ کرا لیں۔

''ایک آدمی آپ منتخب کریں جس کو آپ کو پسند کرتے ہوں اور ایک ہم منتخب کرتے ہیں۔ ان دونوں سے عہد لیا جائے کہ وہ کتاب الٰہی کے مطابق اس نزاع کا فیصلہ کریں، کوئی کسی قسم کی زیادتی نہ کرے، ان کا جو فیصلہ ہو اس کی ہم اتباع کریں۔''

اشعث بن قیس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے آگاہ کیا......تو لوگ اس تجویز پر راضی ہو گئے۔ جنگ روکنے کے لیے حضرت علی پر دباؤ ڈالنے والے بول اٹھے کہ:

''ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حکم مقرر کرتے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، کوئی دوسرا آدمی چن لو۔ عبداللہ بن عباس ہیں۔ الاشتر ہے لیکن انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری کے لیے ہی اصرار کیا۔

حضرت علی نے غصہ میں کہا:

''جس کو چاہو بھیج دو، تم نے پہلی مرتبہ بھی میرا کہنا نہیں مانا اب پھر نافرمانی کا رویہ اختیار کر رہے ہو۔''

بہر حال حضرت ابوموسیٰ الاشعری کا طے ہو گیا......گو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ چاہتے تھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص کو اپنی طرف سے اور اپنے رفقاء کی طرف سے

Marfat.com

منتخب قرار دیا۔ دونوں فریق آپس میں جمع ہوئے اور ایک تحریر مرتب کی تاکہ گفتگو کے لیے نقاط سامنے آسکیں کوئی لائحہ عمل وضع ہو جائے جس کے اندر رہ کر معاملات آگے بڑھائے جاسکیں۔

وہ نقاط یہ تھے:

☆ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان اختلافی موضوع قاتلان عثمان کا معاملہ ہے، اس کا کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ۔

☆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان حالات کو توازن پر لانا اور باہمی اعتماد کی فضا قائم کرنا۔

☆ طے ہوا کہ رمضان میں فریقین کے نمائندے دومۃ الجندل میں جمع ہو کر معاملہ طے کریں گے۔

☆ دونوں طرف سے گواہ حکم حضرات کے سامنے پیش ہوں گے۔

اس تحریر پر صفر ۳۷ھ میں مہر کردی گئی اور تحریری معاہدہ طے پا گیا۔ اس طرح صفین کا معرکہ تو ختم ہو گیا...... لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے بعد بھی ان گنت مسائل سے سابقہ پڑا۔ خوارج سے ایک مستقل جنگ آزمائی شروع ہو گئی...... یہ وہ لوگ تھے جو واقعہ صفین کے بعد آپ سے الگ ہو گئے تھے...... اس معاملہ میں سب سے اہم معرکہ ''نہروان'' کا تھا...... ساتھ ہی اصحاب معاویہ کے ساتھ بعض معاملات ہوئے جو جگہ بہ جگہ اصحاب علی کے ساتھ الجھتے رہتے تھے...... آنے والی دو فصلوں میں اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

حکم حضرات کا اجتماع

پروگرام کے مطابق رمضان ۳۷ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اس حال میں ''دومۃ الجندل'' پہنچے کہ ان کے ساتھ حضرت علی کے رفقاء کی ایک بڑی تعداد تھی۔ ان کے سرخیل شریح بن ہانی، عبداللہ بن عباس وغیرہ تھے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تشریف نہ لائے...... حضرت عمرو بن العاص اصحاب معاویہ بن ابی سفیان بھی بنفس نفیس تشریف لائے۔

حِکم حضرات کے یہاں سب سے اہم مسئلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے کا تھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان سب سے بڑھ کر نزاع تھا بلکہ یہی اصل نزاع تھا۔

Marfat.com

حکم حضرات کی ملاقاتیں ہوتی رہیں...... طویل مذاکرات ہوئے فیصلہ بھی ہوا لیکن طرفین کے تنازعہ کا شکار ہو گیا۔

اس مرحلہ پر دو روایات ہیں...... مشہور روایت وہ ہے کہ جو ہماری عام کتابوں میں مندرج ہیں، اکثر لوگ انہیں نقل کرتے رہتے ہیں۔

اسی روایت میں ایک طرف تو حضرت عمرو بن العاص کی نسبت ایسی باتوں کی طرف ہوتی ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے مجوزہ معاہدہ سے انحراف کیا، ناجائز حیلہ اختیار کیا، ان کی دینی صلابت کم تھی، غدر و خیانت کا مظاہرہ کیا...... معاذ اللہ تعالیٰ...... یہ سب باتیں ایسی ہیں جو ان جیسے جلیل المرتبت صحابی رسول سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتیں۔ وہ ایسی باتوں سے ماورا ہیں۔

دوسری طرف اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری غفلت، لاعلمی اور مداہنت کا شکار ہو کر مار کھا گئے جب کہ یہ باتیں بھی قطعاً غلط ہیں اور اس صحابی رسول کی عظمت کے منافی ہیں۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ سے پوچھا:

...... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے؟

حضرت ابو موسیٰ نے جواب دیا...... اس میں کیا شک ہے!

حضرت عمرو نے پوچھا...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اعزہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث نہیں؟...... حضرت ابو موسیٰ نے جواب دیا کیوں نہیں!

حضرت عمرو نے کہا...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم اس کے وارث کو قوت و زور عنایت کر دیتے ہیں (وہ سب حق ہوتا ہے اس لیے ہر شخص، قانون اور آخر میں اللہ رب العزت اس کی مدد فرماتے ہیں)۔''

نئے خلیفہ کے معاملہ میں گفتگو ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب کا نام پیش کیا...... حضرت عمرو نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے عالم و فاضل صاحبزادے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا نام پیش کیا...... یوں یہ مسئلہ اختلاف کی نذر ہو گیا، تو حضرت عمرو نے کہا:

''آپ کی جو حتمی رائے ہو اس سے آپ مجھے باخبر کریں......''

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا:

ان دونوں حضرات (علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ) کی چھٹی کرا کر مسلمانوں پر چھوڑ دیا جائے، وہ مناسب شخص کا انتخاب کر لیں۔''

حضرت عمرو نے جواب میں کہا...... رائے تو واقعی یہ مناسب ہے......

چنانچہ دونوں حضرات نکل کر مجمع عام میں آئے اور حضرت عمرو نے احتراماً حضرت ابوموسیٰ سے پہلے تقریر کرنے کو کہا...... انہوں نے فرمایا:

''حضرات! ہم نے امت کے اس معاملہ پر بہت غور کیا، ہمیں اصلاح کی کوئی شکل نظر نہیں آئی، کوئی ایسی شکل نہیں جس سے یہ زخم بھر سکے...... ہم دونوں کی رائے یہ ہوئی کہ دونوں حضرات (علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ) کو چھٹی کرا دی جائے چنانچہ ہر دو حضرات کی معزولی کا اعلان کرتا ہوں مستقبل کا انحصار تم پر ہے، اس مقصد کے لیے جس کو اہل سمجھو چن لو۔''

اب حضرت عمرو بن العاص تشریف لائے اور فرمایا:

''حضرت ابوموسیٰ کی بات آپ نے سنی وہ جن کے نمائندے تھے، انہیں انہوں نے فارغ کر دیا۔ میں اس معاملہ میں ان کی رائے سے متفق ہوں، البتہ میں اپنے نمائندے (جناب معاویہ) کو بحال رکھتا ہوں کہ یہ شرعی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والی و وارث ہیں...... ان کی طرف سے قاتلان عثمان سے بدلہ لینے کا مطالبہ برحق ہے۔ اس لیے یہی حضرت عثمان کی جگہ زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ ناراض ہو گئے...... ہر دو حضرات کی آپس میں تلخ کلامی ہوئی...... اس روایت کے مطابق ہر دو حضرات بغیر کسی فیصلہ کے الگ ہو گئے۔

البتہ جو دوسری روایت ہے وہ عدل کے زیادہ قریب ہے، زیادہ درست ہے اور صحیح ہے، حق کے قریب ہے انصاف اسی کا تقاضہ کرتا ہے اور صحابہ کا مقام ادب بھی یہی ہے...... وہ روایت یہ ہے:

''حضرات حکمین نے قصاص کے مسئلہ میں بہت ہی مشاورت کی اور نئی خلافت پر سوچ بچار کی۔ اس طرح کہ گویا ان کی نظر میں اصل مسئلہ یہی تھا...... مضبوط اور

Marfat.com

مدبر خلیفہ ہی قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلہ چکا کر اس منصب کے وقار کا تحفظ کر سکتا تھا اور آنے والے دور میں شر پسندوں کی راہ روک سکتا تھا۔''

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے خلیفہ کی بات ہوتی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو مان لیتے کہ اس شکل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود لشکر کی ترتیب اور اس کے اختیار کا معاملہ نئے خلیفہ کے ہاتھ میں آ جاتا اور حضرت علی کے لیے بطور خلیفہ جو عصبیت تھی وہ ختم ہو جاتی۔ اس شکل میں خلیفہ کا انتخاب بھی لوگوں کی مرضی سے ہوتا، تمام طبقات کی رائے اس میں ہوتی اور درجہ بدرجہ یہ بات مرکز حکومت مدینہ منورہ کے اہل صلاح وتقویٰ اور ارباب دانش وبینش پر آ کر منطقی انجام کو پہنچ جاتی۔

اور حضرت علی بھی نئے خلیفہ کی تقرری کی بات مان لیتے اور اس پر راضی ہو جاتے کیونکہ اس طرح وہ تہمت جو ان کے لیے وجہ مصیبت بنی ہوئی تھی یعنی یہ کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوٹ دی جا رہی ہے یا وہ ان کے زیر سایہ پناہ لیے بیٹھے ہیں...... اس سے ان کو چھٹکارا میسر آ جاتا۔

اس نقطہ نظر کے متعلق دونوں طرف کے نمائندگان نے خیال کیا کہ یہی رائے درست ہے...... اس سے معاملات طے ہو جائیں گے...... یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معزولی اسی لیے تو وہ دونوں ان کی معزولی پر متفق تھے اور دونوں نے اس کا لوگوں کے سامنے اعلان بھی کر دیا...... لیکن یہ رائے فریقین کے لیے پسندیدہ نہ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے احباب خیال کرتے تھے کہ حکم حضرات نے حدود سے تجاوز کیا، ان کی ذمہ داری قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ طے کرنا تھا اور بس۔

نئے خلیفہ کا تقرر یا پرانے خلیفہ کو قائم رکھنا یا ہٹانا جیسے مسائل ان کے دائرہ اختیار میں تھے ہی نہیں...... ان کا اختیار محض یہ تھا کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا کیا کیا جائے؟ انہیں کس کے سپرد کیا جائے...... ان کے طلب کرنے کا کون حق دار ہے...... کیا اس بات کا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہے کہ وہ بطور خلیفہ قاتلوں کا معاملہ طے کریں اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت واطاعت کا مطالبہ کریں یا معاویہ اس بات کے حق دار تھے کہ نئے خلیفہ کی اطاعت سے وہ انحراف کریں اور قاتل ان کے سپرد کیے جائیں...... یہاں ایک اور سبب بھی ہے...... گو کہ اس کی

Marfat.com

تصریح سامنے نہیں آئی...... یہ وہی سبب ہے جس کا ذکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وقت فرمایا جب ان سے خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کیا گیا۔

تو انہوں نے فرمایا:

''وہ قمیص جو مجھے اللہ تعالیٰ نے پہنائی......لوگوں کا اعتماد کر کے کسی کو اقتدار سونپنا اللہ تعالیٰ ہی کا انعام ہے...... وہ کبھی نہ اتاروں گا تا کہ میرے بعد اس کا رواج نہ ہو جائے...... کہ جب جس کا جی چاہے چڑھ دوڑے اور حکمران کو چلتا کردے۔''

حکمین میں سے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے سامنے یہی بات تھی۔ اسی لیے انہوں نے اپنے نمائندہ...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں احتیاط سے کام لیا اور غالباً یہی مصلحت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے تھی...... (واللہ تعالیٰ اعلم۔)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے فیصلہ کی یہ نوعیت کہ نئے خلیفہ کے لیے سوچ اور بچار کی جائے...... زیادہ خوشی کا باعث نہ تھی کہ ان کے پیش نظر بھی اس سے زیادہ اہم بات قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا کہ وہ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی و وارث تھے۔ اس لیے ان کی بنیادی غرض یہ تھی کہ قاتل ان کے سپرد کیے جائیں۔ یا از خود انہیں سزا دی جائے۔

اس صورت حال کے پیش نظر لوگ واپس چلے گئے...... نہ تو وہ اس فیصلہ سے راضی تھے اور نہ ہی فیصلہ کرنے والوں سے...... گویا ایک نئی مشکل سامنے آ کھڑی ہوئی...... سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے احباب سمیت شام چلے گئے، انہوں نے طے کر لیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ان حالات میں بہر طور نہ کریں گے اور اگر ادھر سے حملہ ہوا یا چھیڑ چھاڑ ہوتی تو اسی زبان میں جواب دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ موقعہ پر موجود نہ تھے۔ انہیں اطلاع ملی تو انہوں نے نشری تقریر میں اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ حکم حضرات نے طے شدہ معاملات سے آگے بڑھ کر دوسرے مسائل کو چھیڑا۔ جس کا انہیں حق نہ تھا...... انہوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ حوصلہ نہ ہاریں، جنگ کے لیے کمر ہمت کس لیں، تیاری کریں اور آگے بڑھیں...... لیکن شام جانا نہ ہو سکا نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دوبارہ نبرد آزمائی کی نوبت آئی۔ کیونکہ وہ خوارج کے ساتھ الجھ کر رہ گئے...... خوارج کی

Marfat.com

جنگی مہمات نے ان کے لیے مشکلات پیدا کر دیں اور اس سے بڑھ کر ستم یہ ہوا کہ ان کے لشکر کے اپنے ہی بہت سے لوگ تمرد و سرکشی پر اتر آئے اور انہوں نے آپ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا...... آگے دیکھیں۔

خوارج سے آمنا سامنا

(جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں میں سے بہت سے لوگ تحکیم کے لیے مصر ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بامر مجبوری اپنی رائے کے علی الرغم اس کو قبول کیا۔ ورنہ ایک نئے فتنہ سے انہیں دوچار ہونا پڑتا...... اور جب اپنی طرف سے حَکم نامزد کرنے کی بات آئی تو نہ چاہنے کے باوجود انہیں حضرت ابوموسیٰ الاشعری کو نامزد کرنا پڑا کہ بہت سے ہمراہی انہیں چاہتے تھے...... خود علی رضی اللہ عنہ نہیں...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطرہ تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اس میدان کو سر نہ کر سکیں گے...... اور پھر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اس میدان کو سر نہ کر سکے جب سکون کے لمحات میسر آئے اور تحکیم کا طے ہو گیا تو واپسی ہوئی...... واپسی پر راستہ میں یار لوگوں نے آپس میں الجھنا شروع کر دیا، اختلافات کی آندھی چل کھڑی ہوئی...... کہا جانے لگا کہ:

"اللہ تعالیٰ کے حکم کے معاملہ میں کچھ لوگوں پر تحکیم کے سلسلہ میں اعتماد چہ معنی دارد؟ جب ہم حق پر ہیں تو پھر تحکیم کی بات کیوں قبول کی گئی؟"

اس اختلاف کا نتیجہ اس نعرہ کی شکل میں سامنے آیا کہ "لاحکم الا اللہ" (کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہ چلے گا) اور کہا جانے لگا کہ علی نے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انسانوں کی تحکیم پر راضی ہو کر حق کو نظر انداز کیا ہے۔ جھگڑے اتنے بڑھے کہ نوبت راستہ میں ہی گالی گلوچ پر جا پہنچی۔

کوفہ پہنچنے سے قبل ہی اس قسم کی سوچ رکھنے والے آپس میں طے کر کے لشکر مرتضوی سے الگ ہو کر "حروراء" نامی جگہ جا جمع ہوئے کوفہ نہ گئے اور جنگی محاذ کے لیے "شیث بن ربعی" کو اور امام صلوٰۃ کے لیے "عبداللہ بن الکواء" کو مقرر کر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو ان کے پاس بھیجا تا کہ ان کی بات سن کر انہیں نرمی و اکرام کے ساتھ واپس لایا جائے اور مطمئن کیا جائے حضرت ابن عباس تشریف لے گئے تو وہ پوری قوت سے الجھ پڑے، حتیٰ کہ معاملہ بڑھا تو خود آپ تشریف لے گئے...... لیکن تلخی حد درجہ بڑھ گئی۔

Marfat.com

اسی دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خروج وعلیٰحدگی کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا...... کہ صفین کے دن فیصلہ تحکیم کے سبب ہم علیٰحدہ ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... قسم کھا کر بتلاؤ کہ یہ کام میں نے کیا یا تم نے کیا؟...... میرے منع کرنے کے باوجود تم نے نہ مانا...... تمہارے انکار کے سبب میں نے مجبوراً مانا تو یہ شرط لگائی کہ حکم حضرات بس قرآن کی روشنی میں متعلقہ مسئلہ کا حل پیش کریں...... اگر وہ قرآن کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں گے تو ہم مانیں گے ورنہ نہیں۔

ان کے پاس جواب تو تھا نہیں کہنے لگے صفین میں جو خون بہا اس کا بدلہ انسانوں حکم بنانا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا...... میں نے انسانوں نہیں کو، قرآن کو حکم بنایا تھا...... اور چونکہ قرآن دو تختیوں کے درمیان لکھی ہوئی چیز ہے۔ جو بولتی نہیں اس لیے اس کے حکم کے اعلان ونفاذ کے لیے افراد لازم ہیں...... افراد کا اتنا ہی معاملہ تھا کہ وہ حکم الٰہی بتلائیں اور نافذ کریں۔ انہوں نے اس کا جواب نہ دیا نہ ان کے پاس تھا...... کہا تو یہ کہ

> ''اچھا یہ بتلائیں آپ نے ان کے اور ہمارے درمیان تحکیم کی بات کیوں مانی...... (ان کا خیال تھا ہم حق پر ہیں لہٰذا اس کی ضرورت نہیں......)۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا...... تاکہ ان پڑھ معلوم کرلیں اور اہل علم ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں...... اور یہ بھی مقصد تھا کہ شاید اس مہلت سے اس امت کی بھلائی اور سکون کا انتظام ہو جائے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا میں ساتھ ہی کوفہ چلے گئے...... لیکن ایک وقت مقررہ تک...... تاکہ تحکیم کا نتیجہ دیکھ لیں...... ان کے حسب منشاء ہو تو بہت بہتر...... ورنہ اس دوران دو آدمی نمائندگی کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا:

> ''حکم صرف اللہ کے لیے ہے...... آپ اپنے گناہ سے توبہ کریں، سابقہ مؤقف کی طرف آئیں اور ہمارے ساتھ نکل کر دشمن کے خلاف جنگ کریں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا...... جب میں جنگ جاری رکھنے کی بات کر رہا تھا تو تم نے میرا کہا نہ مانا...... مجبوراً ہم نے ایک باہمی تحریر لکھی شرطیں طے کیں...... عہد و پیمان کیے...... اب اس کا انتظار لازم ہے۔

Marfat.com

''وہ دونوں غضب ناک ہو کر نکلے اور ہنگامہ آرائی کرنے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لا کر خطبہ دینے لگے تو ایک شخص ایک جگہ سے اٹھا اور'' چلا کر کہا: لا حکم الا اللہ.''

پھر مسلسل ادھر ادھر سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق لوگ اٹھ اٹھ کر یہی نعرہ بازی کرتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا...... اللہ اکبر جو تم کہہ رہے ہو وہ بات صحیح ہے لیکن اس وقت تمہارا مقصد و مراد غلط ہے کہ تم اس کی آڑ میں ہنگامہ بپا کرنا چاہتے ہو...... پھر آپ نے تفصیل سے بیان کیا کہ اس کلمہ کے معاملہ میں ان کے اخذ کردہ نتائج اور ان کے رویہ میں کہاں کہاں نقص اور خطا ہے؟...... لیکن وہ خطبہ کے آخر میں ''عبداللہ بن وہب'' کے گھر اکٹھے ہوئے اور فیصلہ کیا کہ کوفہ سے نکل کر ''نہروان'' میں جا بیٹھیں اور اپنے احباب کو بھی لکھ کر وہاں بلالیں...... اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ تحکیم کے لیے تشریف لے گئے...... گویا خوارج اس درمیانی عرصہ میں ہی اپنی لائن بنا چکے تھے...... باوجودیکہ حضرت ابوموسیٰ اس صورت حال کو دیکھ چکے تھے لیکن معاہدہ کے مطابق جانا لازم تھا...... نتیجہ سامنے آنے پر پھر جنگ کا خطرہ سر پر منڈلانے لگا تو ''نخیلہ'' میں لشکر کی ترتیب کی جدوجہد شروع کر دی گئی اور خوارج جو مردراء میں تھے۔ انہیں تحکیم کے نتیجہ سے آگاہ کر کے جنگ کے لیے طلب کیا گیا لیکن انہوں نے جواباً لکھا:

> ''اگر آپ مان لیں کہ آپ نے کفر کا ارتکاب کیا اور توبہ کر لیں تو بہتر ورنہ ہمارے تمہارے درمیان اعلان جنگ ہے کہ ہمارے نزدیک معاویہ کے مقابلہ میں تم سے جنگ زیادہ ضروری ہوگئی ہے۔''

اب حضرت علی ان کے رویہ سے مایوس ہو گئے اور اپنے باقی احباب سمیت ہی۔ حضرت معاویہ کے خلاف خروج کا فیصلہ کر لیا تا کہ انہیں مطیع کیا جا سکے۔

لیکن ''خوارج'' نے فساد اور قتل و غارت گری شروع کر دی۔ آپ نے سوچا کہ انہیں نظر انداز کیا گیا تو معاملہ بڑھ جائے گا۔ اس لیے جناب معاویہ سے پہلے ان سے نمٹنا ضروری قرار پایا۔

نہروان کا معرکہ

خوارج سے جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت قیس بن سعد کو سمجھانے بجھانے کی غرض سے بھیجا لیکن وہ بری طرح دشمنی پر اتر آئے۔

Marfat.com

حضرت ابوایوب انصاری کی کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی۔ خود حضرت علی نے انہیں اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئے۔ آخر حضرت علی کے حکم سے حضرت ابوایوب انصاری کو جھنڈا لہرانے اور بلند کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ اعلان کریں کہ لوگ اس جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لہرا کر ایسا ہی اعلان کیا...... اور فرمایا:

''جو اس جھنڈے تلے آ گیا اسے امن ہوگا۔ جو خارجیوں سے الگ ہو کر کوفہ واپس لوٹ گیا اسے بھی امن ہے۔''

اس اعلان کا فائدہ یہ ہوا کہ بعض لوگ ان سے الگ ہو کر حضرت علی سے وابستہ ہو گئے، بعض کوفہ چلے گئے۔ اب رئیس خوارج عبداللہ بن وہب کے ساتھ لگ بھگ دو ہزار آٹھ سو افراد رہ گئے اور انہوں نے لڑنے کی ٹھان لی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہوا تو انہیں فتح و کامیابی ہوگئی...... خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رفقاء میں سے کچھ شہید ہوئے کچھ زخمی...... اسی حال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقا سے کہا کہ لگے ہاتھوں چل کر معاویہ سے نمٹ لیں...... لیکن ان کے رفقاء نے کہا:

''جناب والا...... ہمارے نیزے کند ہو گئے اور تلواریں ایسے ہی ہیں، اس لیے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلنا چاہیے تاکہ ہم بہتر طریق سے تیاری کر لیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرح دشمنوں کے مدمقابل اور لوگوں کا بھی اہتمام ہو جائے۔''

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد کے لیے مصر تھے...... انہیں ترغیب دے رہے تھے اور وہیں کسی قدر تیاری اور جنگی اسلحہ کی فکر کا اہتمام کرنے کا فرمایا لیکن لوگوں نے کوفہ کی طرف کھسکنا شروع کر دیا اور ایسا خطرہ پیدا ہو گیا کہ میدان لشکر سے خالی نہ ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو کوفہ کی واپسی کا عزم کر لیا اور لڑائی کو مؤخر کر دیا...... لیکن ابھی وہ سکون سے نہ بیٹھے تھے کہ ایک اور جماعت ان پر چڑھ دوڑی، ان میں وہ لوگ تھے جو ان کے ساتھ جمل اور صفین اور نہروان میں شریک جنگ تھے...... انہوں نے ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔ ان کا سرخیل ''الخریت بن راشد'' تھا...... آپ نے ٹالنا چاہا اور سمجھایا۔ لیکن

Marfat.com

ان کی ضد بڑھتی گئی اور انہوں نے کوفہ سے نکل کر فساد انگیزی شروع کر دی...... مجبوراً ان کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی۔ یہاں تک کہ خیریت اور اس کے اتباع مارے گئے...... اور باقی تتر بتر ہو گئے...... تاہم خطرات سر پر منڈلاتے رہے کہ تتر بتر ہونے والوں کے لیے لمبے ہاتھ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج سے فارغ ہوئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انہیں خیال آیا...... ان کے دستے سرحدات پر چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے احباب کو مقابلہ کے لیے ترغیب دی تو انہوں نے سستی و غفلت سے کام لیا۔

معاملات اسی طرح رواں دواں رہے...... باہمی مناقشات اور جھڑپیں بڑھ گئیں...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جنگی دستوں نے اپنی حسن تدبیر سے بعض خطوں کے جغرافیائی حالات تبدیل کر ڈالے...... یہ سلسلہ واقعہ تحکیم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک جاری رہا۔

ان واقعات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مکہ، مدینہ اور یمن کو آزاد کرا لیا۔ وہاں کے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔

یہ معاملات بڑی جدوجہد اور مشقت کے بعد تکمیل پذیر ہوئے...... آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جنگ کا سلسلہ ختم کر کے اپنی اپنی جگہ آرام و سکون سے رہا جائے اور کسی قدر راحت کے سانس بھی لے لیں۔

پھر ان حضرات کے سامنے وہ صورت آئی جب تین خارجیوں نے حضرت علی، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) کے قتل کا فیصلہ کر لیا...... یہ فتنہ کس طرح پروان چڑھا اور انجام کیا ہوا...... اگلے صفحات میں۔

آخری فتنہ

خوارج کے فتنہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی کو کسی قدر اطمینان ہوا تو انہی نامرادوں میں سے تین نے اکٹھے ہو کر مشورہ کیا کہ لوگ شدید مصائب کا شکار ہوئے...... نہروان میں خون بہایا گیا اس میں جو مرے ان پر رحمت ہو...... سوال یہ ہے کہ ہونا کیا چاہیے؟

اپنی بقا کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہمارے جو بھائی لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے تھے وہ قتل ہو گئے...... وہ ایسے لوگ تھے جو راہ حق میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرتے......

Marfat.com

اگر یہی شب و روز رہے تو ضلالت اور گمراہی کے رسیا حکمران مسلط ہو جائیں گے، ان کا قتل، شہریوں کی راحت اور اپنے مرنے والوں کا قصاص لازم ہے۔

ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ..... برک بن عبداللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر و بن بکر نے حضرت عمرو بن العاص کے قتل کی ذمہ داری کو لیا..... انہوں نے باہمی معاہدہ کیا..... قسمیں کھائیں کہ کوئی بھی اس عہد سے نہ پھرے گا، متعلقہ ذمہ داری کو نبھائے گا یا مر جائے گا..... انہوں نے ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی شب اس مقصد کے لیے طے کی..... اپنی تلواریں سنبھالیں۔ انہیں زہر میں بجھایا اور ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف چل کھڑا ہوا۔ طے شدہ رات آئی..... مسجدیں لوگوں سے پر تھیں..... قیام و دعا..... قرأت قرآن اور دینی مسائل کی تفہیم کے لیے عوام ہی عوام تھے۔

برک بن عبداللہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر مامور تھا۔ اس کے وار سے محض زخم تک نوبت پہنچی لیکن فوری معالج اور زہر کا اثر دور کرنے والے ایک مخصوص مکسچر کے سبب اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی..... برک پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا۔

عمرو بن بکر کی ڈیوٹی حضرت عمرو بن العاص کے لیے تھی..... اس دن وہ بیماری کے سبب مسجد تشریف نہ لائے، اپنے داروغہ حضرت خارجہ بن حذافہ کی ڈیوٹی نماز کے لیے لگائی..... بکر نے عمرو بن العاص کے خیال میں حملہ کیا، اور حضرت خارجہ شہید ہو گئے۔..... (رضی اللہ عنہ)

وہ نامراد پکڑا گیا..... قتل کر دیا گیا..... اس کا آخری کلام یہ تھا:

"یہ میرا ارادہ عمرو کا تھا لیکن اللہ کی مشیت خارجہ کے متعلق تھی۔"

البتہ عبدالرحمٰن بن ملجم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مامور تھا..... وہ مسجد میں منتظر رہا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد کے قریب ہی تھا۔ اس نامراد نے اپنی تلوار کپڑے میں چھپا رکھی تھی..... مسجد لوگوں سے پر تھی اور لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منتظر تھے..... کہ وہ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں۔ رات کا آخری حصہ تھا..... لوگ تہجد وغیرہ سے فارغ ہو رہے تھے..... صبح صادق پر موذن نے اذان کہی..... آہ کہ یہ اذان خلیفہ راشد کی آخری نماز کے لیے تھی۔ ابن ملجم بالکل آمادہ و تیار تھا، تلوار کا قبضہ اس کے ہاتھ میں اور آنکھیں مکان کے دروازہ کی طرف..... تا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکلتے ہی انہیں ٹھکانے لگا کر سرخرو ہو جائے۔

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ حسب عادت نکلے......لوگوں کو نماز کے لیے کہتے ہوئے بڑھے......کہ ایک دم ایک طرف سے آواز بلند ہوئی:

"علی رضی اللہ عنہ......حکم اللہ تعالیٰ کا ہے تمہارا یا تمہارے احباب کا نہیں۔"

اس کی تلوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر پر چمکی......اور ان پر کاری وار کا سبب بن گئی......سیدنا علی رضی اللہ عنہ چلائے اور فرمایا:

"لوگو! اس کو پکڑلو، جانے نہ پائے۔"

لوگ اس کی طرف بڑھے اور اس کو قابو کر لیا......امیر المومنین کو اٹھا کر گھر لے جایا گیا......آپ اپنی زندگی سے ایک طرح مایوس تھے اور لوگ توجہ سے زخم دیکھ رہے تھے۔ نظر آ رہا تھا کہ وہ بہت گہرا ہے......دوا کے نافع ہونے کا امکان نہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادگان جمع ہوگئے، آپ نے انہیں وصیت کی اور انہیں الوداع کہا......دوسرے لوگ بھی جمع تھے جو بعد میں حکمران کے لیے وصیت کے منتظر تھے......آپ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال پر آپ نے اپنی پسندیدگی ظاہر کی اور معاملہ عوام پر چھوڑ دیا۔ اس طرح روح مقدس قفس عنصری سے پرواز کر گئی......کلمہ طیبہ زبان پر تھا۔

یوں آپ کی حیات مبارکہ کی تکمیل ہوگئی۔ جو عبارت تھی جہاد، معافی، صبر اور استقامت سے!......بعد میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو حکمران تجویز کیا گیا۔

حیات مبارکہ: ایک خلاصہ

- ☆ بچوں میں سے پہلے مسلمان اور رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرنے والے۔
- ☆ بچپن ہی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر نگرانی تربیت کا شرف انہیں حاصل ہوا۔
- ☆ ہجرت کی رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے بستر پر لٹا کر اہل مکہ کی امانتیں ان کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔
- ☆ ۲ھ میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سے شادی سیدہ کی زندگی میں دوسری شادی آپ نے نہیں کی۔

Marfat.com

☆ قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر دس برس تھی ہجرت کے وقت ۲۳ برس...... رحلت نبوی کے وقت ۳۳ برس اور شہادت کے وقت ۶۳ برس!

☆ خلافت کی ذمہ داری ۲۵/ ذوالحجہ ۳۵ ھ میں سنبھالی۔ اس وقت عمر مبارک ۵۹ برس تھی یہ قصہ حضرت عثمان کی شہادت کے ۵ دن بعد کا ہے۔

☆ جمل کا واقعہ ۳۶ ھ میں صفین کا ۳۷ ھ میں اور نہروان کا ۳۸ ھ میں پیش آیا شہادت کوفہ میں ۱۷ رمضان ۴۰ ھ کو ہوئی۔

☆ خلافت کی مدت ۴ سال ۸ ماہ ۲۲ دن ہے۔

☆ نو خواتین سے متفرق اوقات میں شادی فرمائی ۱۹ کی تعداد میں اولاد تھی۔ جن میں سے حسن، حسین، زینب رضی اللہ عنہا اور کلثوم رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اور محمد بن الحنفیہ، عباس اور عمر وغیرہ باقی بیویوں سے ہوئے۔

☆ غزوہ تبوک کے علاوہ ہر جنگ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے...... اس میں آپ کے حکم سے مدینہ کا نظم سنبھالا۔

✱✱✱

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نور نظر حسن رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:
میں نے مسجد نبوی کے منبر پر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وسلم کو دیکھا۔ آپؐ کے پہلو میں آپؐ کے ننھے نواسے سیدنا حسن موجود تھے۔
نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ کبھی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی اس برخوردار کی طرف! اور ارشاد فرماتے:
اس میں شک نہیں کہ میرے اس بیٹے میں سیادت کی تمام تر صلاحیتیں ہیں۔
اپنے خالق و مربی کے کرم سے مجھے امید ہے کہ یہ بیٹا اسی کی توفیق سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے۔'' (البخاری)

تمہید

آہ ثم آہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب نواسہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نور نظر اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لاڈلا بیٹا...... حسن رضی اللہ عنہ...... کتنا مظلوم ہے...... اس کی پیدائش پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غایت درجہ خوشی و مسرت کا اظہار کیا، گود میں لیا، کھجور چبا کر اس کے تالو میں چپکائی، اس کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی...... پھر اپنے منبر پر اسے پہلو میں بٹھا کر اسے ''سید'' قرار دیا...... بایں سبب کہ اللہ تعالیٰ کی خفی وحی نے آپ کو مطلع کر دیا تھا کہ سالہا سال کی تلخیوں اور لاتعداد مسلمانوں کی مظلومانہ موت کے بعد...... یہ عظیم المرتبت اور سنجیدہ و باوقار صاحبزادہ منتشر امت کو جوڑے گا، باہمی اتحاد کا سبب بنے گا...... ۴۱ھ میں یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے استصواب سے حاصل شدہ خلافت سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے رضا کارانہ دستبردار ہو کر برضا و رغبت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی...... اور یوں یہ سال ''عام الجماعۃ'' قرار پایا...... لیکن شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ کی یہ نیکی اور ان کا جذبہ ایثار...... ابن ابی اور ابن سبا کے تربیت یافتہ مفسدوں اور خداوندان عجم کی نگاہوں میں

Marfat.com

کسی طور پسندیدہ عمل نہ تھا...... تقیہ و منافقت سے بپا کردہ تحریک کی رو سے انہیں دوسرا ''امام معصوم'' بھی کہا جاتا ہے...... تو انہیں ''مذل المومنین'' مومنوں کو ذلیل کرنے والا بھی! والعیاذ باللہ تعالیٰ!

لیکن حسن رضی اللہ عنہ...... تجھ پر تیرے رب کی بے حد و حساب رحمتیں...... تو فردوس بریں کا آخرت میں باسی ہوگا۔ اپنے نانا کا ہم نشین...... تو نے اپنے کردار سے اور عمل سے امت کی عزت و سربلندی کا سامان کیا...... تو سید ہے، سردار ہے امت کی نگاہوں کا تارا ہے اور انسانیت کی متع عظیم...... تجھ پر کروڑوں کروڑ رحمتیں! (مولف)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر بہار آئی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد تھے...... چچا کی غربت و افلاس کے سبب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بچپن میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گود لے لیا کہ چچا کا بوجھ ہلکا ہو...... محمد بن عبد اللہ کے گھر دین اسلام کا نزول شروع ہوا...... قرآن ابر رحمت بن کر چھم چھم برسنے لگا تو علی رضی اللہ عنہ محض دس برس کے تھے...... بلوغ کی عمر کو بھی ہنوز نہ پہنچے تھے...... لیکن اس پاکیزہ ماحول نے ان کی کایا پلٹ کر دی۔ وہ بچوں میں پہلے مسلمان قرار پائے...... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برابر رہنے والے علی کی شادی، پیغمبر اسلام و مسلمین کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی...... معتبر روایات کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی دو بہنوں...... سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ہیں اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے بڑی ہیں...... گو کہ غلط العوام یہی ہے کہ وہ سب سے چھوٹی ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا...... زوجہ اول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عین بدر کے دن...... انتقال فرما گئیں...... اور غزوہ احد (شوال ۳ھ) کے بعد اوپر تلے...... حکم الٰہی سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اور سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا...... نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مشہور روایت ۲ھ کی ہے لیکن محدث امت امام بخاری کے معتبر شارح...... کرمانی کی روایت...... اور یہی درست و صحیح ہے...... کے مطابق یہ نکاح غزوۂ احد کے بعد ہوا۔

Marfat.com

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی اولاد...... سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں جن سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا زید اور صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے...... بلکہ اتفاق سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے فرزند زید بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک ہی دن اس دنیا سے رخصت ہو کر جوار الٰہی میں پہنچے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی چونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غزوۂ احد کے بعد ہوئی جو ۳ھ کے شوال میں پیش آیا تو یوں خیال کر لیں کہ شادی معاً بعد شوال ہی میں ہو گئی تو بھی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا...... بڑی صاحبزادی...... کی ولادت رجب کے آخر یا شعبان کے ابتداء میں جا کر ہو گی۔ یعنی ۴ھ کا رجب یا شعبان...... اور اگر ان کے ایک سال بعد ہی سیدنا حسن کی ولادت مان لی جائے تو یہ ولادت ۵ھ کے آخر میں جا کر ممکن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو پیارے حسن پانچ سال کے تھے...... لیکن ایک روایت ایسی سامنے آتی ہے جس سے آپ کی ولادت کا معاملہ ۷ھ کے آخر میں جا کر متحقق ہوتا ہے...... وہ یہ کہ حضرت حسن کے حقیقی تایا سیدنا جعفر طیار اور دوسرے مہاجرین حبشہ غزوۂ خیبر کے بعد...... معاً...... مدینہ منورہ واپس آئے...... ان حضرات کی واپسی پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش تھے کہ ارشاد فرمایا:

''ان دونوں نعمتوں، غزوہ خیبر کی فتح اور مہاجرین حبشہ کی واپسی...... میں سے کس پر زیادہ خوش ہوں۔''

وجہ یہ ہے کہ مکہ کی شدید پریشانی کے ماحول میں نبی مکرم کے حکم و اجازت سے بہت سے...... حضرات حبشہ تشریف لے گئے۔ جن میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے...... منجھلے داماد، سیدنا عثمانؓ، اپنی اہلیہ سیدہ رقیہ شامل تھے، جناب ابوسفیان کی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند سمیت تھیں...... خاوند عیسائی ہو گئے لیکن سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں اور حضور اقدس کی خواہش سے نجاشی شاہ حبشہ نے وکیل کے طور پر ان کا نکاح حضور اقدس سے کر کے انہیں آپ کے پاس مدینہ منورہ بھجوایا...... ان میں نبی مکرم کے عزیز چچازاد بھائی سیدنا جعفر بھی تھے اور ان کی اہلیہ سیدہ اسماء بنت عمیس بھی...... (رضی اللہ عنہما۔)

Marfat.com

حضرت جعفر کو یہ شرف حاصل ہے کہ حجاز سے باہر کسی دوسرے ملک میں سب سے پہلے دعوت اسلام کا فرض انہوں نے ادا کیا۔ جس کے نتیجہ میں شاہ حبشہ کا رخ تبدیل ہوا اور وہاں مسلمان سکھ سے رہنے لگے...... ہجرت مدینہ کے بعد بوجود حضرت جعفر اور بعض دوسرے حضرات وہیں رہ گئے جب کہ کچھ حضرات مدینہ آ گئے...... غزوہ خیبر کے بعد وہ مدینہ تشریف لائے...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش تھے۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ وہ شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ کو دودھ پلائیں...... روایت یہ ہے کہ حسن سات دن کے تھے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقیقہ کا اہتمام کیا دو جانور ذبح کئے...... ان کے سر کے بال اتروا کر ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی...... اس روایت کے مطابق جو بڑی معتبر روایت ہے...... سیدنا حسن ۲ھ کے آخر میں پیدا ہوئے اس طرح سانحہ ارتحال نبوی کے وقت ان کی عمر ۳ سال سے کچھ زائد تھی۔

حسن تھا...... ابو محمد کنیت...... اور ''ریحانۃ النبی'' لقب...... سبحان اللہ تعالیٰ...... یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد...... حضرت قاسم، حضرت عبداللہ (ان کا لقب طیب اور طاہر ہے) مکہ کی حیات مبارکہ میں عہد طفولیت میں اپنے والدین کریمین کے لیے ذخیرہ آخرت بن گئے...... ایک صاحبزادے سیدنا ابراہیم...... دیر میں مدینہ میں پیدا ہوئے لیکن وہ بھی بچپن ہی میں انتقال کر گئے...... صاحبزادیوں میں سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب...... رضی اللہ عنہا...... جن کے متعلق فرمان ہے:

> ''میری بچیوں میں سے افضل ترین بچی جسے میری وجہ سے بہت اذیتیں دی گئیں۔''

وہ بھی دو معصوم بچوں...... علی و امامہ...... کو چھوڑ کر مدینہ منورہ میں رخصت ہو گئیں...... دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا...... زوجہ اول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، عین بدر والے دن اپنے چاند سے بیٹے سیدنا عبداللہ کو چھوڑ کر راہی ملک بقا ہو گئیں...... اور سب سے چھوٹی......

Marfat.com

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا...... زوجہ ثانی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ......بھی نبی مکرم کے سامنے چل بسیں (۹ھ) لے دے کے ایک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رہ گئیں...... آخر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باپ تھے، ان کے چھ بچے بچیاں ان کے سامنے چل بسے، آپ نے سب کو اپنے ہاتھوں لحد میں اتارا، قلب حزیں کا جو حال ہوگا اس کا سمجھنا مشکل نہیں...... اس لیے واحد زندہ صاحبزادی...... سیدہ فاطمہ...... سلام اللہ تعالیٰ رضوانہ سے جتنی محبت ہوتی...... جتنا تعلق خاطر ہوتا...... کم تھا اور سمجھ میں آنے والی بات!

پھر یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آپ کی بڑی صاحبزادی کے میاں...... حضرت ابی العاص بن الربیع نہایت درجہ مالدار، سخی مزاج، کریم اور مہر و محبت والے انسان تھے، ان میاں بیوی کا تعلق مثالی تھا...... سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سانحہ ارتحال پر سیدنا ابی العاص نے جو پر درد مرثیہ لکھا وہ ادب عالی کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ یہی حال نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منجھلے داماد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تھا انہیں مال و دولت سے وافر حصہ ملا تھا، وہ حاتم صفت اور مرنجاں مرنج بزرگ تھے اور ان کے اپنی بیویوں سے تعلقات کی خوبی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا (دوسری اہلیہ) کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا کہ:

"میرے اور بیٹی ہوتی تو عثمان سے بیاہ دیتا۔"

اس کے برعکس سیدنا علی رضی اللہ عنہ مالی اعتبار سے ایسے نہ تھے وہ غریبانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور طبیعت میں بھی کسی قدر درشتی اور سختی تھی اور مسلمہ تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات کبھی بھی مثالی نہ رہے...... اس لیے بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے معصوم بچوں کی خاطر داری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھی اور آپ کو ان کا بہت خیال تھا...... یہ تو نہیں کہ باقی صاحبزادیوں کے بچے آپ کے قریب نہ تھے...... ان سے بھی بے پناہ محبت تھی...... سیدنا علی بن العاص سفر فتح مکہ میں آپ کے ردیف تھے اور انہوں نے ہی آپ کے کندھے پر کھڑے ہو کر کعبہ کے بت گرائے تھے۔ حضرت زینبؓ کے بیٹے

اور ان کی بہن سیدنا امامہ، متعدد مرتبہ سجدہ کے دوران آپ کی پیٹھ پر بیٹھ جاتیں تو آپ سجدہ طویل کرتے اور جب ایک بہت ہی قیمتی ہار آپ کے پاس بطور ہدیہ آیا تو فرمایا...... یہ ہم اسے دیں گے جو ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہوگا...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی محبوب بیوی اور سیدہ

Marfat.com

حضرت زینب رضہ کی صاحبزادی

فاطمہ جیسی صاحبزادی موجود تھیں لیکن سیدامامہ کو گلے لگا کر ہار انہیں پہنا دیا...... یہی حال سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے سیدنا عبداللہ کا تھا...... تاہم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھریلو حالات کے سبب ان کے بچوں پر آپ کی زیادہ نظر تھی تاکہ ان بچوں پر کوئی منفی اثر نہ پڑے...... شاید یہی وجہ ہے کہ سیدنا حسن پر بچہ ہونے کے باوصف ایسے اثرات تھے کہ وہ اپنے والد گرامی کے دور خلافت میں ان کی اکثر پالیسیوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہ کر سکے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ایک سعادت مند فرزند اور مثالی انسان

ایک دانشور نے سیدنا حسن کے حوالہ سے بہت خوبصورت بات لکھی کہ:

''سیدنا حسن کی ذات اقدس عالم اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم رحمت تھی، سراپا برکت ذات! اگر انہیں سیدنا صدیق اکبر کا مثیل کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ انہوں نے سیدنا و مقتدانا محمد الامین، خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کفار، مشرکین، منافقین، مدعیان نبوت اور مانعین زکوٰۃ سبھی فتنہ پروروں کا قلع قمع کر کے عالم اسلام کو سنبھالا دیا۔ اسی طرح ایک نہایت نازک موڑ پر سیدنا حسن نے عالم اسلام کی مثالی خدمت کی...... معرکہ جمل وصفین پر ایک نظر ڈالیں، کتنے لوگ موت کی وادی میں پہنچے اور عالم اسلام کا شیرازہ کس طرح درہم برہم ہوا...... اس سے ہر باشعور شخص واقف ہے......

اس پریشان حال اور دکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کی سعادت انہیں میسر آئی اور امت کے جوڑ کا سبب بن گئے...... (رضی اللہ عنہ)

ان کی فضیلت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے منبر پر تشریف فرما ہو کر انہیں پہلو میں بٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ:

''اس فرزند عزیز کی پیشانی میں سیادت کے آثار نظر آ رہے ہیں...... قدرت اس کے ذریعہ امت کے دو بڑے گروہوں کو جمع کرے گی۔''

ان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت مندی ہوگی کہ ان کے بچپن میں ہی حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ پیشین گوئی فرمائی اور وہ پیشین گوئی ۴۱ھ میں اس طرح پوری

Marfat.com

ہوئی کہ کئی سال سے باہم متفرق ہوکر آپس میں ایک دوسرے کا خون بہانے والی امت...... امت واحدہ بن گئی۔

ان کے اس عظیم کارنامہ حیات کو...... جو ان کی عظمت کا نشان اور ان کی سیادت کا مظہر ہے...... ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا اور اپنے طور پر ان کے لیے "روایات کا طومار" باندھنا عجیب مضحکہ خیز رویہ ہے...... گھڑنتو روایات کے سہارے ان کا نام روشن کرنے والے...... حدیث کی معروف کتاب...... بخاری میں موجود ان کے نانا کے سچے ارشاد پر کیوں ناک منہ چڑھاتے ہیں......؟ صرف اس لیے کہ انہیں امت کا اتحاد پسند اور گوارا نہیں...... کتنا المیہ ہے کہ یار لوگ گھڑنے پر آتے ہیں تو جھوٹی روایات اللہ تعالیٰ کے نبی کے ذمہ لگا دیتے ہیں اور نہیں ماننا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کے نبی کے سچے ارشاد کو نہیں مانتے...... محدث کبیر ملا علی القاری نے خوب کہا کہ:

> "یہود و مجوس کی مشترکہ مساعی سے ابھرنے والی مفسدانہ تحریک نے ایک خاص مقصد کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے افراد کے لیے لگ بھگ تین لاکھ روایات گھڑ دیں۔" (موضوعات کبیر ص ۱۰۶)

حالانکہ یہ گرامی قدر حضرات اور یہ پاکیزہ گھرانہ...... ان گھڑنتو روایات کی جھوٹی بیساکھیوں کے سہارے کا محتاج نہیں...... وہ سعادت مند ہیں۔ مثالی لوگ ہیں اور بہت ہی بڑے...... بالخصوص سیدنا حسن کہ انہوں نے امت کو خونریزی سے بچا کر وحدت کی لڑی میں پرو دیا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کارگاہ حیات

پہلا دور

جیسا کہ سامنے آیا...... صحیح روایات کی روشنی میں سیدنا حسن کی ولادت ۷ھ کے آخر میں بنتی ہے...... یوں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے پر ان کی عمر لگ بھگ چار سال تھی...... یہ کھیلنے کودنے کی عمر ہے۔

نرمی معصومیت اور نرا بھول پن:

یہ کچی کلیاں کیا جانیں
کب کھلنا کب مرجھانا ہے

Marfat.com

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سانحہ کے محض چھ ماہ بعد ان کی عمر محض ساڑھے چار برس تھی...... اس عرصہ میں ان کا زیادہ وقت اپنے گھر کی بجائے اپنے عظیم نانا کے پاس گزرتا...... دوش اقدس پر سواری بھی لوگوں نے دیکھی اور نسبت پیغمبر کے حوالہ سے صحابہ نے بھی ان سے ٹوٹ کر پیار کیا۔

والد گرامی مزاجاً سخت اور والدہ محترمہ گھر کی ذمہ داری میں بے پناہ مشغول ان کا مقدر اور ان کی سعادت مندی کہ نانا جان کا سایہ موجود تھا...... چھوٹی عمر مستقبل کی تربیت کے لیے اکسیر ہوتی ہے...... مربی صحیح ہو تو بچہ ابتداہی میں عظمت کی بلندیوں پر جھولنے لگتا ہے۔

حسن نے آئندہ چل کر جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ اسی بچپن کی حسن تربیت کا اثر ہوسکتا ہے...... اور یقیناً ایسا ہی ہے لیکن آہ ثم آہ...... کہ محض چھ ماہ کے وقفہ سے نانا جان اور امی جان دنیا سے چل بسے اور حسن دوہرے رنج والم کا شکار ہو گئے۔

دوسرا دور

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا...... حسن رضی اللہ عنہ کی اماں جان...... نے وفات سے قبل جناب علی سے فرمایا کہ میری بڑی ہمشیرہ، محترمہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی...... لاڈلی اور چہیتی بیٹی...... سیدہ امامہ...... سے آپ نکاح کر لیں...... علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا...... امامہ کے باپ جناب ابوالعاص تھے...... سیر چشم وفا شعار، بہادر اور سخی...... ماں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں، پیغمبر اسلام کی سب سے افضل بیٹی...... جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا...... امامہ کو اس کے نانا جان جتنا چاہتے اور ٹوٹ کر پیار کرتے...... وہ معلوم ہے اور پچھلی سطور میں اس کا اشارہ ہو چکا ہے...... یہ سعادت مند خاتون حسن کے لیے اجنبی نہ تھیں کہ رشتہ میں حقیقی خالہ زاد تھیں...... اب ماں کی جگہ تھیں...... انہوں نے بڑے نشیب و فراز دیکھے تھے...... ان کی ماں اپنی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مسلمان ہو گئیں لیکن باپ دیر تک حالت کفر میں رہے...... پھر باپ بدر میں مخالف کیمپ میں لڑ کر قیدی بنے...... آخر حضور اقدس کا حسن سلوک رنگ لایا مسلمان ہو گئے...... حالت کفر میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا سلوک مثالی تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی...... ویسے بھی اس دور میں اختلاف دین سے نکاح پر اثر نہ پڑتا...... بدر

Marfat.com

کے بعد حضور اقدس کے ساتھ وعدہ کی بنا پر سیدہ زینب مدینہ آ گئیں اور اپنے عظیم باپ کے پڑوس میں مقیم ہوئیں۔ یوں سیدہ امامہ نبی کی آغوش تربیت میں آ گئیں...... اس کا اثر ان کی زندگی پر پڑا ۔وہ ایک باوقار، سنجیدہ، متین اور ہر اعتبار سے مثالی عورت بن گئیں، انہوں نے جناب حسن اور ان کے بہن بھائیوں کو جس طرح سنبھالا ہوگا۔ اس کے اظہار کی ضرورت نہیں...... اب گھر میں اس بظاہر سوتیلی...... لیکن فی الحقیقت سگی سے بڑھ کر ماں نے ان کی تربیت کی اور خوب سے خوب تر...... سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ قرار پائے تو انہوں نے اس خاندان ذی وقار سے نسبت کی غرض سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بڑی صاحبزادی...... سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا...... اس نکاح کا یہ تو کم از کم اثر تھا کہ حریم خلافت ان کے لیے گویا اپنا گھر بن گیا...... پہلے بھی فاروقی کاشانہ اپنا ہی تھا کہ فاروق اعظم رشتہ میں اُن کے نانا ہی تو تھے۔ اب تعلق کی ایک نئی شکل سامنے آئی اور یوں حسن ایک طرح سے اس کی برکات سے مستفید ہونے لگے...... ان کی تربیت کا دور چند سامان ہو گیا۔

تیسرا دور

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مجوس و یہود کی ملی بھگت سے شہید ہوئے تو خاندان امیہ کے ماتھے کا جھومر اور محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ستر سال کی عمر میں خلیفہ قرار پائے...... وہ جناب حسن کے حقیقی خالو تھے کہ ان کے دو خالائیں ان کے حبالۂ عقد میں رہ چکی تھیں...... سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی عمر لگ بھگ ۱۶ سال ہو چکی تھیں...... عظیم خالو نے انہیں اپنا فرزند نسبتی بنالیا...... یعنی اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ...... سے ان کا نکاح کر دیا...... انہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جناب حسن کے فرزند گرامی ''حسن مثنیٰ'' پیدا ہوئے...... خالو کے بعد سیدنا حسن کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اب یہ دوہرا رشتہ تھا اور بہت مستحکم اور مضبوط...... وہ گویا اب کاشانہ خلافت ہی میں وقت گذار رہے تھے۔ اور جہادی مہموں اور دوسری مہمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے...... سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ''اہل طبرستان'' نے صلح کی، عہد عثمانی میں توڑ دی، ان کی اصلاح کے سیدنا سعید بن العاص نے اقدام کیا اور اس مہم میں سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابہ شریک ہوئے۔

Marfat.com

ادھر شمالی افریقہ کے جہادوں میں بھی...... جو دورِ عثمانی کا عظیم کارنامہ ہیں...... شہزادہ حسن اپنے برادرِ عزیز سیدنا حسین سمیت شریک رہے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ راہِ حق میں کی جانے والی جدوجہد کتنے اجر کا باعث ہے۔ ان کے نانا نے اس کی کس قدر فضیلت بیان کی اور پھر اکابر صحابہ اس میں کس طرح سرگرمِ عمل رہے...... سیدنا حسن پیچھے رہتے، ممکن نہ تھا...... وہ اپنے خالو اور خسر کا گویا دست و بازو بنے رہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو سازش ہوئی اس کو بزور فرو کرنے کی خواہش میں وہ بھی شریک تھے لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت نہ تھی کہ مدینہ رسول میں خون بہے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو...... تاہم وہ حسب ہمت اور طاقت برابر دفاع میں مشغول رہے، آخری وقت میں بھی وہ وہیں موجود تھے۔

چوتھا دور

یہ دور ان کے والد گرامی...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور ہے...... جو بہر حال شدید انتشار کا دور تھا، اس دور میں صحابہ کرام کا ایک طبقہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور تیسرا غیر جانبدار تھا، سیدنا حسن نہ چاہتے تھے کہ ابا جان اس حال میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالیں...... بالخصوص چونکہ قاتلین عثمان کے سرغنہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے سب سے بڑھ کر محرک تھے اور انہیں کا دباؤ تھا۔ اس لیے سیدنا حسن اس کا انجام المناک دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے وقتاً فوقتاً کمال درجہ ادب و احترام کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے والد گرامی کو مشورے دیئے...... مدینہ منورہ سے مرکز حکومت کو منتقل کرنا انہیں بالکل پسند نہ تھا...... انہوں نے عرض کیا:

> ”پدر بزرگوار...... نظر آ رہا ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی مرکز اس کے بعد مدینہ کبھی نہ بن سکے گا“

سازشی عناصر غالباً یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے علمی، دینی اور روحانی مرکز سے دور لے جائیں...... اس کے لیے انہوں نے حکومت کی مرکزیت کو وہاں سے اکھاڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

Marfat.com

کوفہ......دمشق......ترکی اور اندلس وغیرہ ہی آئندہ مراکز قرار پائے، مدینہ پھر کبھی آج تک مرکز نہ بن سکا۔

جنگ جمل میں آپ نے ابا جان سے عرض کیا کہ:

''اس سفر سے گریز کریں، اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرات طلحہ و زبیر مل کر معاملات کو طے فرمالیں۔''

بعد میں ایک مرتبہ اس سفر کی تلخیوں کا ذکر آیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بکمال ادب عرض کیا:

''ابا میں نے عرض تو کیا تھا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں بیٹے کیوں......نہیں لیکن تقدیر کا غلبہ''

آپ کا نکتہ نظر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں بھی ایسا ہی تھا کہ ان کے مطالبہ خون عثمان کی پذیرائی لازم ہے......لیکن یہاں بھی قضا غالب آ کر رہی اور چار سال سے کچھ زائد سیدنا علی رضی اللہ عنہ برابر پریشانیوں کے عالم میں زندگی گزار کر شہادت کی موت سے سرفراز ہوئے...... (رضی اللہ عنہ)

تاریخ کے مستند مجموعوں میں تلاش سے وہ مشورے دیکھے جاسکتے ہیں جو شہزادہ حسن نے ابا حضور کو پیش کیے۔

اس میں مدینہ سے منتقل نہ ہونے کا مشورہ ہے......تو حضرات طلحہ و زبیر سے جنگ کے امکانات کو ٹالنے کا بھی مشورہ ہے...... یہ مشورہ بھی ہے کہ تمام شہروں کے لوگ جب تک متفق نہ ہوں بیعت نہ لیں۔ بالخصوص حضرات طلحہ و زبیر کے عدم اتفاق کے سبب آپ کی گوشہ نشینی بہتر ہے......سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ سے قبل عرض کیا:

''ابا جان...... جنگ سے رک جانا ہی بہتر ہے، اس سے خون بہے گا اور اختلافات کی خلیج وسیع ہوگی۔'' (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)

مؤرخ ابن کثیر ہی فرماتے ہیں...... کہ اس بے مقصد جنگ سے واپسی پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

Marfat.com

''کاش تمہارا باپ بیس برس قبل اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہوتا۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''بابا میں نے عرض تو کیا تھا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے معلوم نہ تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔'' (البدایہ جلد ۷ ص ۲۴۰)

واقعہ صفین کے بعد ہی ''تحکیم'' کا واقعہ پیش آیا...... جس میں ایک طرف تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک نئی مصیبت...... خوارج کا فتنہ...... سے دوچار ہونا پڑا تو دوسری طرف خود ان کے اپنے مقرر کردہ حکم نے ان کی معزولی کی بات کر دی...... اب جناب علی رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا کہ:

''وہ حکمران نہ رہ سکیں گے۔''

اس لیے انہوں نے اپنے فرزند گرامی سیدنا حسن سے فرمایا:

''دیکھنا، معاویہ کی حکومت سے کراہت نہ کرنا، تم لوگوں نے انہیں گنوا دیا تو حالت یہ ہو جائے گی کہ جیسے حنظل کاٹ کاٹ کر پھینکے جاتے ہیں، اسی طرح سر کندھوں سے کٹ کٹ کر گریں گے۔''

یاد رہے کہ اس کی تفصیل حکیم ہند شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفاء۔ ج ۲: ص ۲۸۳ میں موجود ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے انہی اسباب کے تحت خلافت سے دستبرداری اختیار کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی...... یوں وہ ایک طرف تو اپنے عظیم نانا جان کی پیشین گوئی...... امت کے دو گروہوں کا اجتماع...... کا سبب بنے اور سعادت کی بلندیوں پر جا پہنچے...... دوسرے اپنے عظیم والد کے ارشاد میں مخفی وصیت کو بھی عملی جامہ پہنایا...... فتنہ پروروں، سازشیوں اور مفسدوں نے انہیں ''مذل المومنین''...... (مومنوں کو ذلیل کرنے والا) معاذ اللہ تعالیٰ...... کہا لیکن حسن رضی اللہ عنہ...... ان پر اللہ تعالیٰ کی ان گنت رحمتیں...... نے ذات کی قربانی دے کر امت کو بچایا...... امت کا سر بلند کیا...... امت کو جوڑا اور یوں وہ اسلام کے عظیم خادم قرار پائے...... (رضی اللہ عنہ)

Marfat.com

پانچواں خلیفہ: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوتے ہیں

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی...... سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت صادقہ جسے شاہ ولی اللہ خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ کی آخری کڑی فرماتے ہیں......کو جس طرح ظالمانہ طریق سے ختم کیا گیا۔ اس سے عالم اسلام لرز اٹھا...... اس وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ......جیسا کہ تفصیل سے گزرا......قطعاً اس حق میں نہ تھے کہ ان کے اباجان......سیدنا علی رضی اللہ عنہ......ان حالات میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالیں...... ہاں امت مجتمع ہو کر ایسا کام چاہے تو حرج کی بات نہیں......اس اصولی ذہن کے مطابق وہ کیسے پسند کرتے کہ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خود خلیفہ بن جائیں......؟......امت اب بھی منتشر تھی...... اور افراتفری کا ماحول تھا، جمل وصفین کے خونی معرکوں نے......جن میں شہید ہونے والے لاتعداد انسان مل کر آدھا یورپ فتح کر لیتے، جیسا کہ بعض مؤرخین کی رائے ہے......اور ہی حالات بگاڑ دیئے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی روایت ہے کہ زخمی ہونے کی حالت میں انہوں نے ایک سوال پر شہزادہ حسن کے لیے خلافت کی اجازت دی تھی اور اس رائے کو ان کا اعتماد حاصل تھا......جب کہ ایک دوسری روایت یہ ہے:

> ''میرے بعد جہاں تک خلیفہ کا تعلق ہے......تو کیا کہا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی اصل خلیفہ اور بہترین کارساز ہے۔''

ان حالات میں بامر مجبوری سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آگے بڑھے......اور اس ذمہ داری کو سنبھالا......تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ذمہ داری کو سنبھالنے سے ان کی بنیادی غرض امت کو جوڑ کر پھر سے ایک حکمران و خلیفہ پر متحد کرنا تھا......اس رسالہ کے پہلے ہی صفحہ پر سیدنا الامام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے جو روایت گزری......جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے ناناجان نے:

> ''سید قرار دیا کہ یہ امت کے دو بڑے گروہوں کی وحدت اور اتحاد کا سبب بنیں گے۔''

Marfat.com

یہ ارشاد انہوں نے نانا جان کے بعد بہت سے اکابر کی زبانی سنا۔ ان کے مزاج کا رخ سلامتی کی طرف تھا...... پھر ان کے والد گرامی نے ایسی باتیں ارشاد فرمائیں۔ جنہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے پر مجبور کیا...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ امت کی حکومت اور منصب خلافت معاویہ کے ہاتھ میں ہوگا۔''

مزید کہا:

''بیٹے! معاویہ کی حکومت سے نفرت نہ کرنا...... انہیں ضائع کر دو گے تو پھر ایسی قتل و غارت ہوگی اور اس طرح انسانی کھوپڑیاں سروں سے اڑیں گی۔ جیسے حنظل کاٹ کر پھینکے جاتے ہیں۔''

سیدنا حسن محسوس کرتے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنا تاریخی رول ادا کر کے امت کو جوڑیں اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان کی عالم اسلام پر حکومت کا انتظام کریں...... وہ دیکھ رہے تھے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو ہر طرح اس منصب کا اہل ثابت کر چکے ہیں...... وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض ذمہ داریوں سے سرفراز کئے گئے...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعض معاملات ملیہ ان کے سپرد کئے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ نے تو نہایت اہم اور بڑے صوبہ کی گورنری پر انہیں قائم رکھا...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ خلافت کے نہیں خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے والے تھے...... خلافت کی بحث ہوتی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہٹانا مقصود ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اقدام کے وقت ان کا ساتھ دیتے...... پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں بہت سے علاقے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں نکل کر ان کے قبضہ میں آ گئے...... خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے برادر بزرگ سیدنا عقیل، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ گئے اور بہت سے بزرگ صحابہ بھی...... یہ باتیں ان کی اہلیت اور صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت تھیں رضی اللہ عنہ سیدنا علی کی شہادت کے بعد سیدنا حسن فوراً ان کے ہاتھ میں بیعت کا اعلان کر دیتے تو مفسدہ پرداز لوگ خرابی پیدا کرتے۔ اس لیے انہوں نے کمال درجہ دانش مندی اور تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے ذمہ داری قبول کر کے پھر اسے ایک معاہدہ کے تحت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا...... گو ان کی ذات کے لیے اس کا بھی اثر منفی رہا کہ انہیں

Marfat.com

پروپیگنڈا بازوں نے برا بھلا کہا اور آپ کی جان سے کھیلنے کی کوشش کی لیکن ذاتی حوالہ سے تلخیاں برداشت کر کے انہوں نے امت کو بہر حال متحد کر دیا...... جوان کا مثالی کارنامہ ہے...... سچ سچ ہے گو کہ کڑوا ہوتا ہے لیکن واقعہ تو یہی ہے کہ ان کی حکومت وخلافت کے خلاف کوئی اختلافی رائے نہ تھی، بعض شواہد ایسے بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ اس منصب پر قائم رہنا چاہتے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی معترض نہ ہوتے اور معاملات خوش اسلوبی سے طے ہو جاتے لیکن حضرت حسن کا ایثار اور ہی بات کا تقاضا کرتا تھا اور جوان کے ضمیر نے صحیح سمجھا وہ کر دکھایا...... ان کے حق میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں...... جن کا ذکر ان کے حصہ میں آئے گا...... بھی پوری ہو کر رہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ابا جان نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے جو کچھ فرمایا: ان میں سے ایک بات وہ بھی ہے جو ''الامۃ والسیاسۃ'' کے مؤلف نے کہی کہ انہوں نے فرمایا:

> ''خدا کی قسم اگر پہاڑوں اور درختوں جیسی بڑی قوت بھی معاویہ کے مدمقابل آ گئی تو بھی وہ کامیاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو ٹالنا ممکن ہے نہ اس کے ارادہ کو پلٹنا کسی کے بس میں۔'' (ج ۱: ص ۱۷۴)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حسن تدبیر سے اپنے متعلقین کا قبلہ درست کیا اور وہ شرپسند جوان کے والد کی طرح ان کا گھیرا کئے ہوئے تھے...... ان کا گھیرا توڑا...... وہ لوگ روایات کے مطابق...... باتیں بہت بناتے لیکن عملاً نہایت درجہ نکلے، کام چور، بے وفا، سست اور احسان ناشناس تھے...... آپ نے ایک جگہ کا تعین کر کے ان سے اس وقت کہا...... جب وہ امیر شام کے خلاف لڑائی کی باتیں کر رہے تھے...... کہ حوصلہ کرو، میں فلاں جگہ مقیم ہوں گا اور دس دن رہوں گا، جو اپنے عزائم کے پکے ہیں، وہاں آ جائیں...... گویا آپ نے آل طالوت کی طرح ایک جگہ کو امتحان گاہ بنا دیا جس طرح ان کے لیے نہر کو امتحان گاہ بنایا گیا تھا...... دس دن کے بعد چار ہزار افراد بھی تو نہ آئے...... وقت سے فائدہ اٹھا کر تتر بتر ہو گئے۔ اس پر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

Marfat.com

''لوگو! تم پر تعجب ہے تم میں ایمان ہے نہ حیا...... تم دین کی باتیں کرتے ہو مگر مدد کے لیے بالکل تیار نہیں۔''

محدث بخاریؒ کے بقول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو بزرگ صحابی...... حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ اور حضرت عبداللہ بن کریز...... کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس معاملات کا جائزہ لینے بھیجا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم اس منصب سے باز آئے، اس سے بے وجہ امت کا خون ہی ضائع ہوا۔''

ان حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی پیش کش سامنے رکھی...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر یہی دونوں حضرات ضامن قرار پائے...... جب دونوں بزرگ صحابہ ضامن بننے پر آمادہ ہو گئے تو شہزادہ حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کی حامی بھر لی اور پھر اسے پورا کر کے دکھایا۔

حضرت حسن پر رضی اللہ عنہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے لیے دباؤ ڈالنے والوں کو ایک موقع پر حضرت عدی بن حاتم نے کہا تھا:

''تم نابجار نابکار...... فرزند رسول جو کہتے ہیں وہ تم کرتے نہیں تمہیں اللہ کے غضب کا ڈر ہے نہ ننگ و عار کی پرواہ...... حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ''نخیلہ'' کے مقام پر تمہیں بلایا ہے۔ مجھے یقین ہے تو جاؤ نے نہیں...... اسی طرح بے وفائی کرو گے جس طرح تم نے جناب علی سے کی۔''

اور ''نخیلہ'' کے مقام پر دس دن کے انتظار کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں بھی فرمایا:

''تم نے مجھ سے بہتر (میرے والد گرامی) کو فریب دیا اور مجھے بھی دینا چاہا۔''

پھر ارشاد ہوا:

''تم میرے حکم کی مخالفت نہ کرو، میری رائے در نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لیے میں خوشنودی و رضا کا طالب ہوں جو میں کہوں وہ کر لو۔''

وہ اسی سے خیال کرنے لگے کہ یہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح چاہتے...... حالانکہ ابھی اس کا صریحاً ذکر نہ آیا...... ابھی تمہیدی گفتگو تھی...... لیکن انہوں نے دنگا کر دیا۔ آپ کا مال اسباب لوٹ لیا۔

Marfat.com

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اب اتمام حجت کر چکے...... ادھر اکابر صحابہ پیغام لے کر آ چکے تھے...... مناسب و معقول شرائط طے پائیں اور امت متحد ہو گئی۔

صلح کی شرائط

یار لوگوں نے ہر معاملہ میں گڑ بڑ کی...... اسی طرح شرائط صلح کا بھی معاملہ ہے...... لیکن نگاہ بصیرت سے دیکھا جائے اور صحیح ماخذ پر نظر ڈالی جائے تو ایسی شرائط سامنے آتی ہیں:

☆ کسی عراقی کو پرانے حالات کی بنیاد پر گرفتار نہ کیا جائے...... عام معافی...... سب کو امان دے دی جائے۔ وہ ظاہر ہے بے لگام ہیں۔ ان کی زبانیں قابو سے باہر ہیں لیکن عفو و درگذر سے کام لیا جائے۔

☆ دارالجبر کا خراج اور دو لاکھ سالانہ کا وظیفہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے اور بنو ہاشم کے لیے ترجیحی بنیادوں پر وظائف کا اہتمام کیا جائے۔

شرائط کے طومار میں یہی باتیں عقلاً و نقلاً صحیح ثابت ہوتی ہیں...... انہی کو ربیع الاول ۴۱ھ میں بنیاد بنا کر کھلے عام حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور:

گلے جب لگ گئے گلے سب رخصت ہوئے

کے مصداق ساری امت باہم شیر و شکر ہو گئی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بیعت کے بعد ان کے تعلقات نہایت درجہ خوشگوار اور مثالی رہے...... امت کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اس سال کو ''عام الجماعۃ'' (امت کے جوڑ کا سال) کہا گیا...... سیدنا حسن اپنے برادر عزیز حسین کے ہمراہ سال بہ سال بطور خاص دمشق جا کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوتے...... ان کی نوازشات سے شادکام ہوتے اور مسائل و مہمات میں اپنے مفید مشورے ارشاد فرماتے...... سلسلہ تعلقات برابر پھلتا پھولتا رہا...... حق بھی یہی تھا...... آخر ایک ہی گھر تھا...... اور تعلقات کی دنیا وسیع تر!

بنو ہاشم...... بنو امیہ

یاروں نے قریش کے ان دو محترم قبیلوں کی لڑائی جھگڑے کی داستانیں کس قدر گھڑیں...... الامان...... جب کہ حقیقت برعکس ہے۔ تفصیل تو ملے گی تاریخ کی بنیادی دو کتابوں

Marfat.com

میں...... یا پھر ''سمعانی'' کی معرکۃ الآراء کتاب میں...... اور اس موضوع پر ایک قیمتی کتاب مشہور مفسّر علامہ زمخشریؒ کی ہے...... الموافقہ بین اہل البیت والصحابہ...... اس کو خوبصورت اردو کے قالب میں ڈھالا۔ مشہور دعوتی و تبلیغی تحریک کے بانی و مؤسس مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے عزیز خاص اور اس تحریک کے کلیدی مؤلف مولانا احتشام الحسنؒ...... نے تاہم چند باتیں سامنے رکھ لیں تو حرج کیا ہے۔

☆ محمد عربی...... ہاشمی...... ان کی اہلیہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا...... اموی سردار بنوامیہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی...... اس نسبت سے ان کی والدہ سیدہ ہندہ حقیقی بھائی سیدنا یزید الخیر اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سبھی کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت خاص ہے اور یہ سب صحابی ہیں۔

☆ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ...... اموی ان کی دو بیویاں...... محمد کریم کی صاحبزادیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔

☆ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کل اولاد ۳۶...... ۱۸ صاحبزادے ۱۸ صاحبزادیاں...... ان میں سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہاشمی...... کی شادی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اموی کی صاحبزادی سے ہوئی۔

☆ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ رملہ ہاشمی...... سیدنا معاویہ بن مروان کی اہلیہ تھیں۔

☆ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی دوسری بہن...... خلیفہ عبدالملک بن مروان اموی کے نکاح میں تھیں۔

☆ اور سیدنا حسن کی تیسری بہن سیدہ خدیجہ...... اہلیہ تھیں امیر عامر بن کریز اموی کے فرزند عزیز سیدنا عبدالرحمٰن کی!

☆ پھر سیدنا حسن کی پوتی...... سیدہ نفیسہ بنت زید...... خلیفہ عبدالملک بن مروان اموی کے نکاح میں آئیں۔

☆ اسی طرح سیدنا حسن کے دوسرے صاحبزادے سیدنا حسن مثنیٰ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی خلیفہ عبدالملک کے حبالہ عقد میں آئیں۔

Marfat.com

☆ سیدنا حسن مثنیٰ کی دوسری صاحبزادی ''ام قاسم'' جناب مروان بن ابان بن عثمان بن عفان اموی کی بیوی ہیں۔

☆ سیدنا حسن کی ایک پوتی...... جناب مروان کے فرزند معاویہ کے نکاح میں تھیں۔

☆ جناب حسن مثنیٰ کی صاحبزادی حمادہ...... اسمٰعیل بن عبدالملک بن حارث بن حکم اموی کی اہلیہ تھیں۔

☆ اور سیدنا حسین (مظلوم کربلا) کی صاحبزادی سیدہ خدیجہ...... حمادہ سے پہلے اسی اسمٰعیل کے نکاح میں تھیں۔

کوئی کہاں تک لکھے...... اور کتنا لکھے...... اتنے رشتوں کے بعد دشمنی کی داستان ایک افسانہ جھوٹی کہانی نہیں تو کیا ہے...... وہ حضرات...... بنوامیہ...... بنو ہاشم...... یا رسول محترم کے تربیت یافتہ تھے اور یا رسول محترم کے تربیت یافتہ حضرات کے تربیت یافتہ...... قرآن عزیز نے ''الفتح'' میں انہیں کے لیے فرمایا...... کہ کافروں کے لیے سخت لیکن آپس میں مہربان اور یہی بات ''المائدہ'' میں ہے...... سچ ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مسلماں

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں

امت جمع ہوگئی، انتشار مٹ گیا تو سیدنا حسن سال بہ سال اہتمام سے دمشق جا کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مہمان قرار پاتے۔

یہ سلسلہ ۴۹ھ یا ۵۰ھ ان کی وفات تک برابر جاری رہا...... اس دوران جو اہم ترین واقعات پیش آئے، ان میں قسطنطنیہ کا جہاد بڑا اہم ہے۔ یہ وہ محمدی مہم تھی جس کا اشارہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا...... اس کی تفصیل آگے چل کر چھٹے خلیفہ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ضمن میں آئے گی...... نبی معصوم نے فرمایا تھا...... کہ اس جہاد کے شرکاء کے لیے وعدۂ مغفرت ہے۔

جانثارانِ نبوت...... کے ذہن میں یہ بات موجود تھی...... وہ اس سعادت کے حصول کے متمنی تھے۔ چونکہ یہ واقعہ...... جہاد بحری...... ۴۹ھ میں پیش آیا۔ اس لیے آپ کی شرکت کا ثبوت

Marfat.com

نہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ انتقال فرما چکے تھے۔ تاہم سالانہ دورۂ دمشق میں اس کی تیاریوں کا جائزہ لیا...... مشورے دیئے، یوں من وجہ...... بشارت مغفرت میں شامل ہو گئے...... آپ کے برادر عزیز سیدنا حسین اور متعدد اکابر صحابہ، سیدنا ابوایوب الانصاری...... سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن زبیر بھی اس میں شریک تھے...... ان سب کو وہی جذبہ کھینچ کر لے گیا کہ اس سے مغفرت کی بشارت کا استحقاق حاصل ہوتا...... یاد رہے کہ اس جہاد و مہم کے قائد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرزند امیر یزید تھے۔

مشیت ایزدی سے آپ کچھ سال اور زندہ رہتے تو امیر معاویہ کے دور میں اور بھی نمایاں کارنامے سرانجام دیتے...... بہرحال آپ نے کچھ بھی نہ کیا ہو، ان کی یہی ایک نیکی اور یہی ایک کارنامہ لاکھوں پر بھاری ہے کہ پانچ سال تک باہمی خانہ جنگی میں مشغول امت کو اس طرح جوڑا کہ باہم شیر وشکر ہوگئی اور جو صلاحیتیں آپس میں غارت ہو رہی...... تھیں وہ اجتماعی طور پر دشمنان دین وملت کے خلاف خرچ ہونے لگیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آخری سفر پر

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کے بعد وانو سال زندہ رہے...... خوف خدا سے عاری لوگوں نے افسانہ تراشا کہ انہوں نے معاویہ کو خلافت تو سونپ دی لیکن معاویہ نے کئی بار انہیں زہر دلوایا...... ستم کی بات ہے کہ صحیح ترین روایات کے مطابق سیدنا حسن اپنے بھائی کے ہمراہ برابر ہر سال دمشق کا سفر کرتے ہیں۔ تعلقات خوشگوار اور مثالی ہیں...... مشورے ہوتے ہیں، معاملات طے پاتے ہیں لیکن "قلم بر کف دشمن" والا معاملہ ہے...... ایسی جھوٹی روایات گھڑی جاتی ہیں کہ الامان...... حیرت یہ ہے کہ زہر معاویہ نے دلوائی...... اور دلوائی ان کی اہلیہ سیدہ جعدہ کے ذریعہ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

خوف خدا سے عاری لوگ...... شرم و حیا سے بے بہرہ اور آخرت کی مسؤلیت سے ماوراء افراد کیسی کیسی بے تکی اڑاتے ہیں...... فیاللعجب...... سیدہ جعدہ...... قبیلہ کندہ کے سردار سیدنا اشعث کی بہن ہیں۔ صفین کے معرکہ میں سیدنا اشعث، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاص رفقاء میں

Marfat.com

سے تھے...... ان کی بہن سیدنا حسن کی اہلیہ ہیں اور دونوں کے مثالی تعلقات...... اس پاکباز خاتون پر اس طرح کا سوقیانہ الزام کہ وہ معاویہ کے بھرے میں آ گئی اور اپنے خاوند کو زہر دے دیا...... باعث حیرت ہے۔

سیدنا حسن، بیعت کے بعد ہر سال دمشق گئے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذاتی مہمان ہوتے...... وہاں بھی زہر ممکن تھی یا راستہ میں آتے جاتے کرایہ کے قاتل سے کام پورا کرایا جاسکتا تھا...... لیکن اس کی ضرورت کیا تھی؟...... سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں صحابہ کی اکثریت سے عناد اور بیر رکھنے والے اپنی تمام تر صلاحیتیں ایسی ہی جھوٹی روایات گھڑنے پر خرچ کرتے رہے...... سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو زہر دلوانی ہوتی تو سیدنا حسین اور سیدنا عبداللہ بن زبیر کو دلواتے جو یزید کی ولی عہدی کے خلاف تھے...... لیکن آپ نے تو ان حضرات کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا۔ بلکہ وفات کے موقعہ پر امیر یزید کو بھی ان حضرات سے حسن سلوک اور ان کے مقام کو پہچاننے کی وصیت کی، سیدنا حسن جیسے انسان کو زہر کاہے کو دلواتے...... جن کی وجہ سے فتنوں کا دروازہ بند ہوا؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے سبب ملت کی اجتماعیت کے مخالف عناصر نے آپ پر ایک مرتبہ حملہ بھی کیا۔ جس سے آپ کا سامان ضائع ہو گیا لیکن آپ بچ گئے۔ انہوں نے چند مجمی ہشیار قسم کے غلاموں کو مدینہ میں آپ کے حلقہ عقیدت میں شامل کرا دیا اور کوئی ایسی چیز ان کے ذریعہ کھلائی جو فوراً اثر انداز نہ ہو اس سے طبیعت بگڑی اور مصدقہ روایات کے مطابق چالیس دن بیمار رہ کر آپ جوار الٰہی میں پہنچ گئے۔

آغوشِ لحد

شہزادہ گرامی کی وفات ہوئی...... وفات سے پہلے آپ نے سیدنا حسین کو وصیت کی کہ میری تدفین امی جان کے پہلو میں کرنا...... اس موقعہ پر یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یار لوگ کہتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کے متمنی تھے لیکن امویوں نے ایسا نہ ہونے دیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی کو مسلمانوں کے قبرستان بقیع میں والدہ ماجدہ کے پہلو دفن کرنے کی وصیت کی...... روضہ رسول

Marfat.com

کا قصہ یہ ہے کہ وہ رسول اکرم کے بنوائے حجروں میں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ملکیتی حجرہ تھا...... جو آج رشک ملائکہ ہے...... جنت ارضی ہے...... جنت کا ٹکڑا ہے۔ سیدہ عائشہ نے...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات مبارکہ میں ان سے درخواست کی تھی کہ میں آپ کے پہلو میں دفن ہونے کی تمنا رکھتی ہوں...... تو آپ نے فرمایا:

''میرے پاس اور کسی کے دفن کی گنجائش کہاں...... وہاں تو ابوبکر و عمر اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی کی قبر کی جگہ ہی نہیں۔'' (کنز العمال ج ۷: ص ۲۶۸)

گویا قدرت کا فیصلہ تھا کہ اس مختصر حجرہ میں بس یہ چار قبریں بنیں گی...... محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم...... ابوبکر رضی اللہ عنہ...... عمر رضی اللہ عنہ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام...... یہ بات سب کو معلوم تھی، اس لیے وہاں نہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قبر بنی، جن کا حجرہ تھا، نہ سیدنا حسن کی والدہ کی قبر بنی۔ جو سانحہ ارتحال نبوی کے چھ ماہ بعد دنیا سے رخصت ہوئیں۔ نہ کسی نے اس کی وصیت کی...... حسن رضی اللہ عنہ کیسے وصیت کرتے انہوں نے جس جگہ وصیت کی وہاں قبر بن گئی اور وہ صدیوں سے پیاری ماں کے پہلو میں محو استراحت ہیں...... قرآن کریم کی سورۂ طٰہٰ کی آیت ۵۵ کا مفہوم یہ ہے کہ جس مٹی سے بنا اس میں وہ دفن ہوگا...... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر نیز سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا خمیر ایک ہی مٹی سے اٹھایا گیا...... وہیں تین حضرات محو استراحت ہیں چوتھے عیسیٰ ہوں گے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا خمیر جہاں سے اٹھا وہاں ان کی قبر بن گئی...... خاندان حسن کے فاضل فرزند حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خوب بات فرمائی:

''کہ آدمی کا دل ہمیشہ اس حصہ زمین کی طرف مائل رہتا ہے جہاں سے اس کا خمیر اٹھا حتیٰ کہ وہاں دفن ہو جائے۔''

یہ اسی قلبی میلان کی بات تھی کہ انہوں نے اماں حضور کے پہلو میں دفن ہونے کی وصیت کی۔

Marfat.com

روحِ حسنی رضی اللہ عنہ کا پیغام

فضل وکمال کے لحاظ سے مثالی انسان...... فضائل اخلاق کا پتلا استغنا، حلم، بردباری، کی صفات کا عظیم حامل، قرب الٰہی کے حصول کے لیے عبادت وریاضت کا رسیا،...... فیاضی وسیر چشمی جس کی عادت تھی...... اور جو اصلاح عقائد کی مہم میں ہر وقت لگا رہتا...... وہی حسن، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ وسیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نورِ نظر...... امت کے جوڑ کا باعث...... اسلام اور مسلمانوں کا محسن...... صدیوں سے مدینہ مکرمہ کے عظیم قبرستان کی ایک قبر میں آسودہ راحت ہے...... اس کی مبارک روح آج بھی انسانوں سے...... اپنے نانا کے امتیوں سے بطور خاص کہہ رہی ہے اور توجہ دلا رہی ہے کہ: واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا.
اللہ تعالیٰ ہمیں گوش ہوش عطا فرمائے اور قلب سلیم وعقل مستقیم کی بے پایاں دولت ہمیں میسر ہوتا کہ کاروان ملت صحیح راہ پر رواں دواں ہو سکے۔

***

Marfat.com

سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان الاموی رضی اللہ عنہ

رات دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک معاویہ رضی اللہ عنہا خلیفہ نہ بن جائیں
''ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''

تمہید

☆ اہل عرب کے چار سب سے زیادہ عاقل ومدبر بزرگوں میں سے ایک۔
☆ جنہوں نے بہت جلد اسلام قبول کر لیا لیکن مصلحتاً اظہار دیر میں کیا۔
☆ جنہیں قبول اسلام کے بعد کتابت وحی کی خدمت سونپی گئی۔
☆ جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی نے ہادی ومہدی ہونے کی دعا فرمائی۔
☆ جن کے سینہ کے علم سے بھر جانے کی دعا ارشاد فرمائی۔
☆ جن کے لیے شہروں کی حکومت کی دعا نبی مکرم کی زبان سے نکلی۔
☆ جنہیں نصیحت ہوئی کہ حکومت ملے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور عدل سے کام لینا۔
☆ جنہوں نے دور صدیقی میں اپنے بھائی کے شانہ بشانہ جہادی مہمات سرانجام دیں۔
☆ جن پر امارت وگورنری کے لیے سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھرپور اعتماد کیا۔
☆ جن کی حکومت وخلافت کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ ان کی امارت کو برا نہ سمجھنا کہ انہیں کھو کر نقصان اٹھاؤ گے۔
☆ سیدنا حسن نے جنہیں خلافت سونپ کر ان کی خلافت پر اجماع کا سامان کیا۔
☆ جنہوں نے دور عثمانی میں بحری بیڑا بنا کر نبی کریم کی بحری جہاد کے متعلق پیشین گوئی پوری کی......تو۔
☆ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق امت میں سب سے بڑھ کر حلیم وبردبار اور سخی تھے۔

Marfat.com

☆ جن کے ہاتھوں صحیح روایت کے مطابق سب سے پہلا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب واصل جہنم ہوا۔

☆ جن کی تدفین...... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ کرتے میں ہوئی۔

افسوس کہ نبی مکرم کے اس محبوب صحابی...... خلفاء سابقین کے معتمد اسلام اور مسلمانوں کے محسن...... کی خدمات پر کماحقہ کام نہیں ہوا...... یہودی اور مجوسی ذہن وفکر سے پروان چڑھنے والی تحریک نے ان کے خلاف ایسا مکروہ پروپیگنڈا کیا اور ایسی ایسی جھوٹی روایات وضع کیں اور گھڑیں کہ شیطان کے بھی کان کتر دیئے گئے اور عدل وانصاف کی ہر روایت کو پامال کر دیا گیا...... اس زہریلے پروپیگنڈا کا وہ بھی شکار ہوئے جو ''سنت وجماعت'' کے لیبل لگائے پھرتے ہیں...... وہ اصولوں کے حوالہ سے نہیں...... شخصیات کے حوالہ سے عقیدت کے گرداب میں پھنس کر رہ گئے...... حالانکہ...... معاویہ بن ابوسفیان الاموی...... سلام اللہ تعالیٰ علیہما ورضوانہ...... اس محبوب جماعت کے فرد فرید...... ہیں جسے ''جماعت صحابہ'' کہا جاتا ہے...... جس کے لیے رضا الٰہی کا سرٹیفکیٹ قرآن میں موجود ہے۔ جسے غیب جاننے والے رب نے سچا مومن ہدایت یافتہ اور ہر قسم کے کفر ونفاق اور گناہ وعصیان سے پاک قرار دیا...... جن کے خلاف زبان طعن دراز کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی نے لعنت وبربادی کی خبر دی...... اور ایسے نامردار بدزبانوں کو نو کوڑے کے ذریعہ سیدھا کرنے کی ہدایت کی...... معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت اس پوری جماعت پر اللہ تعالیٰ کی ان گنت رحمتیں...... (مؤلف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی کہ ان کے لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کچھ ارشاد فرمایا...... دعا کی شکل میں اور دوسرے انداز سے...... مثلاً:

''میرے مالک! معاویہ کو رہبر بنا دے، ہدایت یافتہ کر دے اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے۔'' (ترمذی: ج ۲: ص ۲۲۵ مطبوعہ دہلی)

''رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تھے...... معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے اپنے ساتھ سوار کر لیا...... چندے بعد زبان نبوت متحرک ہوئی پوچھا معاویہ تمہارے

Marfat.com

جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مس کر رہا ہے عرض کیا...... سینہ اور پیٹ...... دعا فرمائی اے اللہ! اس کے سینہ کو علم سے منور و معمور فرما دے۔"

"معاویہ میری امت میں سب سے بڑھ کر بردبار اور سخی ہیں۔" (تطہیرا لجنات ص ۱۲،۱۳)

کسی معاملہ میں ابتداء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرمایا پھر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلایا یہ آئے تو ان دونوں حضرات سے فرمایا:

"اپنے معاملہ میں انہیں موجود رکھو...... یہ مضبوط شخصیت کے مالک اور امانت دار ہیں۔" (تطہیر ص ۱۶)

"حضرت عبداللہ بن عباس الہاشمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سید الملائکہ جبریل امین علیہ السلام نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"معاویہ کے ساتھ اچھا معاملہ کیجئے، یہ کتاب اللہ کے امین اور سب سے بڑھ کر امین ہیں۔" (تطہیر ص ۱۳)

دعا فرماتے ہوئے ارشاد ہوا:

"الٰہی! معاویہ کو شہروں کی حکومت بخش!"

"معاویہ سے جو نبرد آزما ہوگا، شکست سے دوچار ہوگا۔"

"معاویہ میرا راز دار ہے اس سے دوستی کرنے والا کامیاب ہوگا، دشمنی کرنے والا تباہ و ہلاک ہوگا۔"

اللہ! معاویہ کو حساب کتاب سکھا...... جہنم سے بچا۔

خاندان معاویہ رضی اللہ عنہ

سرزمین حجاز ہی نہیں...... دنیا کا سب سے محترم خاندان قریش...... اس کی شاخ بنو ہاشم اس لیے سب سے زیادہ بابرکت کہ اس شاخ میں دعائے خلیل و نوید مسیحا پیدا ہوئے...... محمد...... سید الاولین والآخرین...... خاتم النبیین والمعصومین:

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

Marfat.com

بنو ہاشم کے بعد دوسری شاخ "بنوامیہ"...... تھی...... قریش کی سپہ سالاری اور اجتماعی سیاسی ذمہ داریاں اسی خاندان سے متعلق تھیں...... سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی جناب ابوسفیان...... اپنے دور میں سیادت وقیادت کے حوالہ سے بڑھ کر تھے۔

اس خاندان کے بہت سے لوگ ابتداء ہی میں مسلمان ہو گئے تو بہت سے اسلام سے ابتدا میں دور رہے...... مقابلہ کرتے رہے...... ایسے ہی جیسے بنو ہاشم...... کہ ان میں سے بھی بہت سے حضرات مسلمان ہوئے تو بہت سے اسلام سے دور رہے...... حتیٰ کہ بنو ہاشم کے بعض افراد کی دشمنی نہایت درجہ اذیت ناک تھی۔

ابتداء میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد مخالف کیمپ میں تھے بلکہ سالار قافلہ اور ان کے نانا عتبہ بھی شدید دشمن...... لیکن ان کے ماموں سیدنا حذیفہ بڑے بھائی سیدنا یزید الخیر اور ہمشیرہ سیدہ ام حبیبہ مسلمان اور بڑے مخلص......

مدینہ منورہ سے کئی سال قبل حبشہ کی ہجرت کرنے والے میں بنو ہاشم میں سے محض سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ تھے...... نبی معصوم کے چچازاد اور بہت ہی محبوب...... جب کہ بنوامیہ میں سے چار حضرات براہ راست بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے تو سات حضرات ان کے سیاسی حلیف تھے...... دین اسلام کے لیے اپنی سیادت سے دستبردار ہو کر غریب الوطنی کی زندگی سے بڑھ کر کیا سعادت ہوسکتی ہے۔

جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ملا جلا ماحول تھا...... اسلام کے دوست اور دشمن لیکن یہ خاندانی شرافت اور اعلیٰ انسانی اخلاق ہی تھے کہ بخاری کے شارح الشیخ ابن حجر کے بقول:

> "مشرکین مکہ کی اذیتوں کے سبب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جناب ابوسفیان کا گھر جائے پناہ تھا۔" (لاصابہ جلد۲ص ۱۷۹)

شاید اسی احسان کا بدلہ تھا کہ نبی مکرم رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سفر میں جناب ابوسفیان...... جواب ہو چکے تھے کے گھر کو دارالامان قرار دیا۔

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام

ہر چند کہ حضرت معاویہ نے اسلام کا اظہار دیر میں کیا لیکن وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی جنگی مہم میں شریک نہیں ہوئے ...... بدر کی جنگ میں معاویہ چھوڑ ان کے والد بھی نہ تھے ...... لیکن والد بعد میں قیادت کرتے رہے ...... معاویہ رضی اللہ عنہ پھر بھی شریک نہ ہوئے!

جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا عباس ...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی طالب، بدر میں آپ کے مدمقابل تھے ...... طالب حالت کفر میں مارے گئے ...... عباس جنگی قیدی بنے ...... بعد میں مسلمان ہو کر شرف صحابیت پایا ...... رضی اللہ عنہ! مشہور ہے کہ وہ ۸ھ میں فتح مکہ والے سفر میں مسلمان ہوئے لیکن ...... ''الشیخ ابن حجرؒ نے ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان ان کا اسلام لانا لکھا۔'' (المنتقی ص ۲۵۷)

اور متعدد ارباب تاریخ نے اس کی تفصیل ۷ھ لکھی جس میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ...... کی قضا کی۔'' (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۵)

مفسر و مؤرخ ابن کثیرؒ ...... خود ان کی روایت نقل کرتے ہیں:

''کہ میں نے عمرۃ القضا والے سال اظہار ۸ھ میں کیا۔'' (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۷)

اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات ''حماۃ الاسلام'' کے فاضل مؤلف مصطفیٰ نجیب کی ہے ...... وہ رقمطراز ہیں:

> ''جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے ان کا معاملہ ویسا ہی ہے، جیسا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا ...... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ...... جو جنگ بدر کے قریب مسلمان ہو گئے لیکن اپنے اسلام کا اظہار فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا ...... جیسا کہ سیدنا ابوسفیان نے فتح مکہ سے ایک دن پہلا اسلام قبول کر لیا ...... چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ سے متصل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے لیکن اظہار فتح مکہ کے موقعہ پر کیا۔'' (حماۃ الاسلام جلد ۱ ص ۱۶۳)

Marfat.com

دربار رسالت میں

باوجودیکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما چکے تھے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا قصہ تمام ہوا......لیکن سیدنا امیر معاویہ کو اس کی اجازت دینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اس سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے......گزشتہ صفحات میں گزر چکا کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ''ہادی ومہدی'' ہونے کی دعا مانگی اور اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ ایسے ہی آپ کے لیے کتاب وحساب کے علم، شہروں کی حکومت اور عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں جو خوبیاں عطا فرمائی تھیں......انہی کا اثر تھا کہ آپ کی خلافت وحکومت پر اجماع امت ہے......بالخصوص سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد......جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حکومت کا ایسا معاملہ نہیں......اور انہی اوصاف کے سبب سیدنا اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر محدث کی مجلس میں اس امام عادل وراشد کا تذکرہ آیا تو فرمایا:

> اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پا لیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا......لوگوں نے عرض کیا ان کے حلم وبردباری......کا فرمایا نہیں ان کے عدل وانصاف کا۔''
>
> (العواصم من القواصم ص ۲۰۵)

یہ بھی گزرا کہ کسی معاملہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر وعمر کو بلایا پھر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ......کو اوران حضرات سے فرمایا کہ:

فانه قوی امین. (البدایه ج۸: ص ۱۲۲)

> ''یہ تو مضبوط اور امانت دار شخص ہیں......ان کو نظر انداز نہ کرو......مشوروں میں ان کو شریک کرو۔''

روایت ہے کہ ایک موقعہ پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ......حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے......نبی مکرم نے محبت بھری نگاہوں سے دیکھا......فرمایا:

> ''معاویہ رضی اللہ عنہ! حکومت ملے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔'' (البدایہ ج۸: ص۱۲۳)

Marfat.com

اسد الغابہ میں الفاظ ہیں:

''حاکم بنو تو لوگوں سے حسن سلوک کرنا'' (ج ۴: ص ۳۸۷)

جناب معاویہ کے عزم و ہمت کا ذکر ان الفاظ میں ارشاد فرمایا...... خود رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو لڑے گا۔ معاویہ اسے گرا دے گا۔'' (کنز العمال ج ۷: ص ۸۷)

''کنز العمال'' ہی میں ہے...... کہ ارشاد فرمایا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''قیامت کی صبح اللہ تعالیٰ معاویہ کو اس طرح اٹھائیں گے کہ ان پر نور کی چادر ہوگی۔'' (ج ۶: ص ۱۹۰)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے برادر بزرگ سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے اور صفین کی جنگ میں ان کے ساتھ شریک رہے۔'' (عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب ص ۱۵)

اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟...... یہی کہ سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ کو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشادات رسالت کا علم تھا...... دربار رسالت میں ان کی اہمیت کا اندازہ تھا اور پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا حکومتی کردار، عوام سے حسن وسلوک اور ان کا تدبر و حلم ان کی نظر میں تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر جو اعتماد تھا اسی کا سبب تھا کہ آپ نے جناب معاویہ کو اپنے کاتبوں میں شامل فرمایا...... یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں حتیٰ کہ صحابہ کے مخالف کیمپ کے مؤرخ ابن الحدید بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔'' (ج ۱: ص ۲۳۸)

بعض ستم ظریف کہہ دیا کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ...... قرآن کی نہیں...... بعض مکاتیب و فرامین کی کتابت کرتے...... اول تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں...... محض سینہ زوری اور ہٹ دھرمی ہے...... مان بھی لیا جائے تو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و مکتوبات کی کتابت معمولی اعزاز نہیں...... خدا کی دین ہے جسے رب تعالیٰ عطا کرے...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معاملہ من جانب اللہ ہے...... مفسر و مورخ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں...... کہ جبرئیل آمین تشریف لائے...... محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

Marfat.com

"معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلام فرمائیں انہیں نیکی کی تلقین کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہت اچھے امین۔" (البدایہ جلد ۸ ص ۱۲۰)

اور یہ بھی فرمایا:

"انہیں کاتب بنالیں کہ وہ امین ہیں۔" (ایضاً)

کاتبان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن کریم نے نہایت درجہ بلند الفاظ فرمائے:

"وہ (قرآن مجید) عزت والے صحیفوں میں ہے، جو بلند مرتبہ اور پاک ہیں۔ ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو بڑے بزرگ نیکوکار ہیں (عبس: ۱۳ تا ۱۶)

دور صدیقی

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا صدیق اکبر مسند آرائے خلافت ہوئے...... نبی علیہ السلام کے بعد وہی منصب کے اہل تھے...... ان کا دور عجیب اضطراب انگیز تھا...... نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا شدید حادثہ سب لوگوں کے لیے حد درجہ المناک تھا تو بہت سے لوگوں نے نبوت کے دعوے کر دیئے اور ایک طبقہ نے اسلام کے نظام مالیات کی جڑوں پر کلہاڑا چلانے کا عزم کر لیا...... جناب ابوبکر صدیق اس موقعہ پر عزم وہمت کا پہاڑ بن کر سامنے تشریف لائے...... حضرت عبداللہ بن مسعود سچ فرماتے ہیں:

"کہ رسول مکرم کے حادثہ ارتحال کے بعد اللہ تعالیٰ نے جناب ابوبکر صدیق کی شکل میں ہم پر احسان کیا...... ورنہ ہم تو کہیں نہ رہتے!۔"

جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدعیان نبوت کے خلاف جو اقدامات کیے...... ان میں سب سے اہم معاملہ مسیلمہ کذاب کا تھا...... جس میں مسلمانوں کو بڑی قربانی دینا پڑی...... لیکن یہ مقدس خون کام آیا اور ختم نبوت کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا اور تاریخ کے کسی دور میں بھی مسلمانوں نے ایسے لوگوں کو کبھی قبول نہیں کیا...... اس راستہ میں ہر قربانی گوارا کی۔

مسیلمہ کذاب کے خلاف مہم میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ بلکہ ایک معتبر ترین روایت کے مطابق خود مدعی نبوت مسیلمہ آپ ہی کے ہاتھوں قتل ہوا...... جب کہ ایک دوسری روایت حضرت وحشی کے متعلق ہے...... بہرحال آپ کی ذمہ دارانہ شمولیت طے شدہ حقیقت

Marfat.com

ہے...... اندرونی استحکام کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے بیرونی محاذوں کا مسئلہ بڑا اہم تھا...... انسانیت قیصر وکسریٰ کی دو استبدادی حکومتوں کے درمیان پس رہی تھی اور ان دو حکومتوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ ۵ھ میں خندق کھودتے وقت نبی علیہ السلام نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:

''قیصر وکسریٰ کی ہلاکت طے ہے اور پھر ان کے بعد نہ قیصر ہوگا نہ کسریٰ''۔

اب اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت آچکا ہے...... رومی استبداد کے علمبرداروں نے خود دور رسالت میں مسلمانوں کے خلاف اقدام کی حماقت کی تھی۔ جس کے خلاف جوابی اقدام کے لیے ''تبوک'' کا معرکہ پیش آیا جس کی قیادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی...... ایک جنگی مہم میں بعض جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے...... اسی کا ردعمل وہ مہم تھی جس کے امیر وقائد سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے، جن کی روانگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں ہوئی لیکن آپ کے سانحہ ارتحال کے سبب انہیں رکنا پڑا اور پھر سیدنا صدیق اکبر نے ترجیحی بنیادوں پر اس مہم کو روانہ فرمایا۔

رومی مقبوضات میں شام کا علاقہ بڑا اہم تھا...... اس رخ پر جو مہم گئی اس کے قائد سیدنا امیر معاویہ کے برادر بزرگ سیدنا یزید الخیر تھے...... اس قافلہ کے ہراول دستہ کی کمان سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں۔

شام کے علاقہ کی مہمات پر جن اکابر صحابہ کو قیادت ورہنمائی کا شرف حاصل ہوا...... ان میں سیدنا یزیز بن ابی سفیان، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا خالد بن الولید اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم جیسے حضرات تھے اور جناب معاویہ کی خوش قسمتی کہ انہیں ایسے اکابر صحابہ، جلیل المرتبت جنگی قائدین اور ماہرین حرب وضرب کی قیادت میں کام کرنے کی شرف حاصل ہوا اور انہوں نے ان کا دست وبازو بن کر خدمات پیش کیں۔

ہر چند کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور بہت کم ہے اور انہیں بہت ہی مشکل حالات میں کام کرنا پڑا لیکن پھر بھی بہت سے علاقے ان کے دور میں فتح ہوئے اور بہت سے اہم کام سرانجام پائے۔ جن میں جمع وتدوین قرآن کا کارنامہ لازوال ہے...... ہمیں قدم قدم پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مصروف جہد وعمل نظر آتے ہیں جو اکابر صحابہ کی طرف سے ان پر اعتماد کا مظہر ہیں...... ان کے بعد دور فاروقی آتا ہے...... اس کی تفصیل آگے۔

Marfat.com

دورفاروقی رضی اللہ عنہ اورسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

دورفاروقی میں شام کے مفتوحہ علاقوں کے امیر وگورنر حضرت یزید بن ابوسفیان تھے، جنہیں جنگی قیادت کے ساتھ یہ منصب دورصدیقی میں ہی حاصل ہو چکا تھا...... سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد شام کے ماقبی علاقے اس طرح اسلامی ریاست میں شامل ہوتے رہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کے دست وبازو تھے...... پھر جب ۱۸ھ میں عمواس کے طاعون میں سیدنا یزید شہید ہوگئے تو فاروق اعظم جیسے مدبر، منتظم اورمحتاط انسان نے آپ کو اپنے بھائی کی جگہ اس علاقہ کا گورنر مقرر فرمادیا...... جغرافیائی حوالہ سے یہ علاقہ بڑا نازک تھا...... خطرناک قسم کے مسلمان دشمن افراد اورقوتیں دائیں بائیں تھیں، اس لیے سیدنا فاروق کی گورنروں اور عمال حکومت کے لیے عمومی سادگی کی پالیسی کے باوصف، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی قدر رعب وداب کا بھی انتظام رکھا اورسیدنا فاروق نے اپنے دورہ شام کے دوران سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا:

> ''یہ ایسا علاقہ ہے جس میں دشمن کے جاسوس ہروقت منڈلاتے رہتے ہیں ان کو مرعوب کرنے کی غرض سے ذرا ظاہری شان وشوکت بھی ضروری ہے کہ اس میں اسلام اوراہل اسلام کی عزت کا سامان ہے۔''

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف جو اس موقعہ پر موجود تھے...... یہ حکیمانہ جواب سن کر سیدنا فاروق سے عرض کرنے لگے کہ:

> ''دیکھیں! معاویہ نے کس قدر خوبصورتی سے اپنے آپ کو الزام سے بچالیا۔''

جواباً جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ان کے کندھوں پر یہ بارگراں اسی لیے تو ہم نے ڈالا ہے۔'' (البدایہ ج۸ ص ۱۲۴، ۱۲۵)

سیدنا فاروق اعظم کا جناب معاویہ پر جو اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کے دور کے عمائدین حکومت میں واحد جناب معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کو اپنے پورے دور خلافت میں اس منصب پر قائم رکھا...... انہیں معزول کیا نہ تبادلہ کیا، بلکہ ان کے علاقہ اختیار میں اضافہ کیا...... جب کہ ان کے یہاں ایسی روایت نہ تھی۔

Marfat.com

☆ سیدنا خالد بن الولید (سیف من سیوف اللہ) جیسے نامور جرنیل کو معزول کر دیا۔ (کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۱۸)

☆ کوفہ کے گورنر سیدنا سعد بن ابی وقاص...... رسول اللہ کے ماموں، عشرہ مبشرہ کے صحابی، ایران کے فاتح...... کو معزول کر دیا۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۵)

☆ عیاض بن غنم گورنر مصر ہیں...... ان کے باریک لباس کی شکایت پر انہیں واپس مدینہ طیبہ بلا کر بالوں کا لباس پہنا کر بکریاں چرانے پر لگا دیا...... ان کا بھی کمال ہے کہ انہوں نے اس فرض کو بھی خوبی سے نبھایا۔ (کتاب الخراج ابو یوسف ص ۶۲)

☆ سیدنا ابی بن کعب جیسے قرآن عزیز کے ماہر...... ایک مرتبہ اٹھے تو کچھ لوگ تعظیم و ادب کے لیے ساتھ ہو لیے...... فاروق اعظم غصہ سے لال سرخ ہو گئے...... انہیں کوڑا مارا اور فرمایا:

"یہ روش مقتداء اور متبوع کے لیے فتنہ کا سبب ہے اور تابع کے لیے ذلت کا سبب۔" (مسند دارمی: ص ۷۱)

گورنروں کے لیے ہدایات تھیں کہ...... اعلیٰ گھوڑے پر سوار نہ ہوں...... باریک لباس سے احتراز کریں...... چھنا ہوا آٹا استعمال نہ کریں...... دربان نہ رکھیں...... اور اہل حاجت کے لیے دروازہ کھلا رکھیں...... (طبری ج ۴: ص ۲۰۷)

بھرے مجمع میں خطبہ دیا:

"اے اللہ! تو گواہ رہ! یہ گورنر اس لیے ہیں کہ لوگوں کو قرآن سکھائیں...... تیرے نبی کا طریقہ تعلیم کریں، وظائف تقسیم کریں، انصاف کریں اور مشکل میں مجھ سے رجوع کریں۔" (محاضرات تاریخ الامم اسلامیہ جلد ۲ ص ۹)

لوگوں سے فرمایا:

میں نے گورنر اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تم کو ماریں پیٹیں تم سے تمہارے مال چھینیں بلکہ میں نے انہیں اس لیے بھیجا کہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں...... تمہارے نبی کی سنت کی تعلیم دیں، جس شخص کے ساتھ اس کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ مجھ

Marfat.com

سے شکایت کرے...... رب کعبہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں
اس گورنر سے ضرور بدلہ لوں گا۔'' (کتاب الخراج قاضی ابویوسف: ص ۹۶)

اس قسم کے منتظم، مدبر، محتسب اور سخت گیر خلیفہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس قدر اعتماد...... انہیں برابر ایک صوبہ پر قائم رکھنا...... سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تدبر، حسن کارکردگی، ماہر امور مملکت ہونے کی دلیل ہے اور یہ کہ وہ سیدنا فاروق کے اعتماد پر پورے اترے۔

ایک بزرگ صحابی سیدنا ابوالدرداء اہل شام سے فرماتے ہیں کہ:

''میں نے تمہارے اس گورنر (امیر معاویہ) سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ ہو۔'' (منہاج السنۃ جلد ۳: ص ۱۸۵)

شام کے ساتھ حمص کی گورنری بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی...... وہاں کے گورنر حضرت حمیر معزول کر دیئے گئے...... بعض لوگوں نے جب حضرت عمیر کے سامنے کوئی بات کی تو انہوں نے فرمایا:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کے بغیر مت کرو کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ معاویہ کے لیے دعا فرماتے کہ اے اللہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے۔'' (تاریخ کبیر از امام بخاری ج ۴: ص ۳۲۸)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کی روایت خود سیدنا فاروق سے بھی مروی ہے کہ بعض لوگوں نے ان پر تنقید کی تو حضرت فاروق نے ایسے ہی الفاظ ارشاد فرمائے۔ (البدایہ ج ۸: ص ۱۲۲)

سیدنا شرجیل حسنہ کو ''جابیہ'' کے مقام پر معزول کر کے ان کا علاقہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا اور حضرت فاروق اعظم نے فرمایا:

''جناب شرجیل کو کسی ناراضی کے سبب معزول نہیں کیا گیا اور البتہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا۔ (الفاروق ج ۱: ص ۲۹۸ محمد حسین ہیکل)

حافظ ذہبیؒ کے بقول پورا شام کا علاقہ ان کے سپرد کر کے ۸۰ دینار ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا گیا۔ (تاریخ اسلام ج ۲: ص ۳۱۹)

Marfat.com

اور ان کے علمی وفکری صلاحیتوں پر اعتماد کے طور پر فرمایا:

''معاویہ جیسے سراپا عقل و دانش کی موجودگی میں قیصر و کسریٰ کے تذکرہ کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟'' (الکامل ابن اثیر ج ۳: ص ۲۶۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچازاد بھائی جن کے لیے قرآن فہمی کی دعا پیغمبر اقدس نے کی......اور ان کی اسی خوبی کے سبب حضرت فاروق انہیں بہت چاہتے......وہ فرماتے ہیں اور کتنی صحیح بات کہ:

''میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی شخص کو ریاست و مملکت کی ذمہ داری سنبھالنے والا نہیں دیکھا......وہ اس کے سب سے بڑھ کر لائق ہیں۔''

(الفخری ص ۷۶، البدایہ ج ۸: ص ۱۳۵)

دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد......سیدنا صدیق و فاروق کے اعتماد یافتہ امیر معاویہ کی خدمات صلاحیتوں اور استعداد سے جناب عثمان غنی فائدہ کیوں نہ اٹھاتے......انہوں نے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا اور خوب!

اور اس دور سعادت میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ بحری جہاد شروع کرنا ہے......اس کے لیے خلافت کی اجازت سے ایک عظیم الشان بحری بیڑہ ان کی بلند ہمتی سے قائم ہوا اور مسلمانوں کے فاتحانہ قدم خشکی سے سمندر و دریا تک جا پہنچے۔

بحیرہ روم میں شام کے قریب قبرص کا خوبصورت جزیرہ فتح کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ مصر و شام جیسے علاقوں کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔ رومی خطرات جو خشکی کے راستے دم توڑ چکے تھے سمندری راستہ سے ابھی سروں پر منڈلا رہے تھے......سیدنا فاروق اعظم کے دور خلافت میں آپ نے اس معاملہ میں اجازت چاہی لیکن حضرت عمر نے بری جنگوں میں بے پناہ مصروفیات کے سبب محاذ کھولنا مناسب نہ سمجھا لیکن اب جب کہ بری پر قدم جم چکے تھے تو ۲۸ ھ میں امیر معاویہ کی درخواست کو خلافت نے قبول کرلیا اور حضرت عثمان نے اس کی اجازت دے دی۔

Marfat.com

چونکہ مسلمانوں کو اس سے قبل بحری جنگوں کا تجربہ نہ تھا اس لیے حضرت عثمان نے بعض شرائط کے تحت آپ کو اجازت دی جن میں ایک اہم شرط یہ تھی کہ جو مسلمان اپنی خوشی سے اس مہم میں شریک ہوا اسے شریک کیا جائے جبری بھرتی یا اس قسم کا معاملہ نہ ہو۔

اجازت ملنے پر پانچ سو جنگی جہازوں کا بیڑہ مرتب کر کے حضرت عبداللہ بن قیس کی قیادت میں لشکر روانہ کیا۔ امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہو گئے تو حضرت سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو زیر کر لیا اور یوں بعض شرائط کے تحت اہل قبرص سے صلح ہو گئی...... اہل قبرص کچھ عرصہ تو اس معاہدہ پر قائم رہے لیکن پھر انہوں نے ۲۸ھ سر اٹھایا اور رومی بحریہ کی مدد کو نکل کھڑے ہوئے۔ ۳۳ھ میں دوبارہ مسلمانوں نے ان پر چڑھائی کر کے انہیں زیر نگین کر لیا۔

اس دوران ۳۱ھ میں قیصر روم نے ذاتی طور پر بحری جنگ کی ٹھان لی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ذاتی طور پر میدان میں تشریف لائے۔ بحری دستہ کی کمان حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھ تھی...... ساحل پر اتر کر مقابلہ کی مسلمانوں کی تجویز قیصر روم نے ٹھکرا دی تو سطح آب پر مقابلہ ہوا...... خون کی سرخی پانی پر غالب آ گئی...... قیصر زخمی ہوا اور مسلمان فتح یاب ہوئے اس مہم کے نتیجے میں:

مسلمانوں کی بحریہ وجود میں آ گئی۔

بحری مہمات کے لیے زمین ہموار ہو گئی۔

اور مدینہ قیصر کی بحری جنگ کے لیے لسان نبوت کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

مدینہ قیصر اور ارشاد رسالت

شہر قیصر کے بحری جہاد کے لیے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام حرام کے گھر جو خواب دیکھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے وہ بھی اس جہاد میں شریک ہوئیں...... اس کے شرکاء کے لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔"

Marfat.com

یہ روایت بخاری شریف ج ۱: ص ۴۰۹، ۴۱۰ سمیت احادیث کی متعدد کتب میں موجود ہے...... بخاری اور دوسری کتب احادیث کے شارحین نیز ارباب تاریخ واضح کرتے ہیں...... کہ یہ سعادت سیدنا امیر معاویہ اور ان کے رفقاء کے حصہ میں آئی...... سیدہ ام حرام...... اپنی خواہش اور پیغمبر اسلام کی دعا کے سبب اس میں شریک ہو کر شہید ہوئیں...... (تفصیل عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۴ اور اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵ پر دیکھیں۔)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے توفیق الٰہی سے بحر روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے طرطوس تک فوجی چھاؤنیاں اور نئی آبادیاں قائم کیں۔ (الکامل وابن اثیر ج ۳: ص ۴۴)
اب مسلمان بحر و بر پر اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور کلمہ حق کی تبلیغ کے لیے آزاد اور سرگرم عمل تھے!

بہرحال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میمون میں اور خدمات سے قطع نظر محض یہی خدمت...... بحری بیڑے کی ترتیب اور بحری جہاد...... اتنی عظیم ہے کہ اس کا جواب نہیں، ویسے اور بھی متعدد مہمات اس زمانہ میں سامنے آئیں، مثلاً طرابلس الشام کی فتح، عموریہ پر فوج کشی، طیطلہ پر قبضہ، ایشیائے کوچک میں شامی سرحدات کے قریب دو رومی قلعوں کی فتح، جیسے متعدد اقدامات ہیں جو ان کے کارنامہ ہائے حیات ہیں اور جن پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جو حالات رونما ہوئے ان کا کسی قدر ذکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حالات میں آ چکا ہے...... سیدنا حسن رضی اللہ عنہ والے حصہ میں بھی اس پر روشنی پڑتی ہے...... واقعہ یہ ہے کہ حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی ''خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ'' کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر جو ختم مانتے ہیں تو اس کے مؤثر اسباب ہیں...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں انتشار، پراگندگی اور افراتفری کی کیفیت رہی، ایک انچ علاقہ فتح نہ ہوا بلکہ بدقسمتی سے جمل اور اس کے بعد صفین کے معرکوں میں مسلمانوں کا آپس میں بے حد نقصان ہوا۔

وہ فتنہ پرور عناصر جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمہ دار تھے، انہوں نے اپنی چمڑیاں بچانے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں برابر سرگرم رہ کر انہیں سکون سے کوئی کام نہ کرنے

Marfat.com

دیا اور نہ ہی اکابر صحابہ..... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ..... سے مصالحت کرنے دی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مرکز حکومت کے طور پر مدینہ کو خیر باد کہا تو آپ کے فرزند رشید سیدنا حسن سمیت بہت سے حضرات نے انہیں اس کام سے روکا..... اسلام سے قبل یہود کے نامور عالم..... اور قبول اسلام کے بعد نبی امی کے انتہائی معتمد صحابی سیدنا عبداللہ بن سلام نے تو آپ کی سواری کی لگام پکڑ لی اور عرض کیا:

''امیر المومنین، مدینہ سے ہرگز نہ نکلیں..... آج آپ نکل گئے تو مسلمانوں کی حکومت کی مرکزیت مدینہ کبھی نہ لوٹ سکے گی۔'' (البدایہ ج ۷: ص ۲۳۳)

لیکن قضا و قدر کے فیصلے پورے ہو کر رہے..... مرکز خلافت تبدیل ہو گیا..... اور باہمی جنگوں نے زبردست نقصان پہنچایا..... سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض بہی خواہوں..... بشمول سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے باوجود گورنر تبدیل کر ڈالے لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصد احترام اس حکم کو نہ مانا۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے نمٹنے کی بات کرتے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چچازاد اور ان کے معتمد سیدنا عبداللہ بن عباس کا نقطہ نظر یہ تھا کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قرابت داری کے سبب اس مطالبہ کا حق حاصل ہے اور وہ کامیاب بھی ہو جائیں گے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے عزیزوں میں سے ذمہ دارانہ مناصب پر بہت کم لوگ فائز تھے اور جو تھے ان کی اکثریت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے چلی آ رہی تھی لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تین چچازاد بھائی سیدنا عبداللہ، عبیداللہ اور قثم بن عباس سمیت کتنے ہی قریبی اعزہ کو ذمہ داریاں سونپ دیں بلکہ قتل عثمان کی تحریک کے معلوم و مشہور سرغنہ مالک بن الاشتر کو بھی گورنر بنا دیا..... اور لطف یہ کہ مالک بن الاشتر اس رویہ سے نالاں تھا اور کہتا تھا کہ اپنے ہی سارے عزیز مناصب پر فائز کر دے۔ (طبری ج ۵: ص ۱۹۴)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ..... جیسے کہ گزرا..... نے خلافت کا جھگڑا کھڑا نہیں کیا اور نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اہلیت کا انہیں انکار تھا۔ نہ ان کے مقابل وہ اپنے لیے اس منصب کے متقاضی تھے..... انہوں نے کہا تو بس اتنا ہی:

Marfat.com

''کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیے بغیر ہم بیعت نہ کریں گے۔'' (البدایہ ج ۷: ص ۲۲۸)

تاریخ میں ان گنت اکابر صحابہ کے اسماء گرامی ملتے ہیں جو اس معاملہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے اور پورا شام سراپا احتجاج تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نمائندے شام گئے تو صورت حال دیکھ کر واپس آ گئے...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی ٹھان لی لیکن صاحبزادہ گرامی سیدنا حسن نے عرض کیا:

''بابا! ایسا ارادہ نہ فرمائیں، خونریزی ہوگی، اختلاف بڑھے گا لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہ مانے اور لڑائی کا ارادہ کر لیا۔'' (البدایہ ج ۷: ص ۲۲۹)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ واضح کرتے ہیں کہ صفین کے معاملہ میں...... پہل سید معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہیں کی...... بلکہ وہ اس بات کے حریص تھے کہ خونریزی نہ ہو۔'' (منہاج السنۃ ج ۲: ص ۲۱۹، ۲۲۰)

اہل مدینہ نے تقریباً اجتماعی طور پر اور بھی بہت سے اکابر صحابہ حتیٰ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں خواہش کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا بلکہ سیدنا عقیل تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں چلے گئے۔'' (عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۵)

امام ذہبیؒ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا کہ انہوں نے فرمایا:

''بخدا! علی مجھ سے افضل ہیں، خلافت کے زیادہ حق دار ہیں لیکن مظلوم عثمان کی مظلومانہ شہادت تمہارے سامنے ہے میں ان کا چچازاد بھائی اور ان کے قصاص کا طالب! یہ مطالبہ پورا ہو جائے تو دیکھنا کہ میں ان کی کیسے اطاعت کرتا ہوں اور کس طرح ان کی خلافت تسلیم کرتا ہوں۔'' (تاریخ اسلام ذہبیؒ ج ۲: ص ۱۶۸)

اس صراحت کے بعد معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا جھگڑا کیا تھا...... اے کاش قاتلین عثمان سے نمٹ لیا جاتا تو خلافت کا وقار بحال ہو جاتا اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ مظلومانہ موت سے بچ جاتے اور امت آئندہ چل کر متعدد نظریاتی اور فکری فتنوں سے محفوظ ہو جاتی لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور دور اسی افرتفری میں گزر گیا...... حکمین نے جو فیصلہ کیا اور

Marfat.com

اس فیصلہ کے جلد ہی بعد یہودو مجوس کا وہی خنجر جو خلیفہ ثالث کی جان لے چکا تھا خلیفہ اربع کی بھی جان لینے کا سبب بن گیا، رضی اللہ عنہ۔

دور حسنی رضی اللہ عنہ

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے عظیم والد کے بعد جن حالات اور مجبوریوں کے تحت آگے بڑھے......اس کی تفصیل اس مجموعہ کے پانچویں جز میں ملاحظہ فرمالیں حقیقت یہ ہے کہ وہ فتنوں کی آگ فرو کرنے، امت کو مجتمع کرنے اور شر پسند عناصر کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے بڑی حکمت عملی سے آگے بڑھے......اور بیعت عامہ کے خطبہ میں بھی انہوں نے عوام کو جہاں اور نصیحتیں کیں، وہاں انہیں اپنے والد گرامی کی اس نصیحت سے بھی مطلع کر دیا جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ:

> ''معاویہ کی امارت سے ناگواری محسوس نہ کرنا، اگر تم نے انہیں کھو دیا تو پھر ایسی قتل و غارت گری ہوگی کہ الامان...... جیسے حنظل کٹ کٹ کر گرتے ہیں۔ایسے ہی سر شانوں سے جدا ہوں گے''۔

اس موقعہ پر اس نصیحت کا اظہار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ''امت کے جوڑ'' کے سفر پر رخت سفر باندھنے والے تھے اور جو لوگ اپنی ریشہ دوانیوں سے جمل و صفین کے معرکوں کے ذمہ دار تھے......ان پر واضح کرنے والے تھے کہ اب تمہارا کوئی داؤ نہ چل سکے گا اور تمہیں اپنے عزائم میں ناکام ہونا پڑے گا۔

جھوٹے مدعیان محبت......سیدنا حسن کی اسی تقریر سے ان کے عزائم بھانپ گئے اور انہوں نے مختلف انداز سے آپ کی مخالفت شروع کر دی......لیکن آپ نے کمال درجہ فراست، حسن تدبیر اور حکمت سے ان لوگوں کی سازش ناکام بنادی۔

آپ نے کھلے مجمع میں ان پر جب یہ واضح کیا کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں بہی خواہ ہوں...... میرے دل میں کسی کے لیے کوئی کینہ نہیں تو انہیں کسی قدر اطمینان ہوا لیکن آپ نے ساتھ یہ فرمایا......کہ تم لڑائی اور جنگ کی باتیں بہت کرتے ہو اور عملاً جی چراتے ہو تو حرج کی بات نہیں، جنگ تم نہیں چاہتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

تو اس تقریر پر ان سے ایک بدبخت نے اٹھ کر کہا کہ یہ اپنے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام سے منحرف ہو گیا...... اور پھر آپ کا سامان لوٹ لیا حتیٰ کہ آپ ساباط سے مدائن تشریف لے گئے تو وہاں ایک ازلی شقی نے آپ پر خنجر سے حملہ کر دیا جس سے ران زخمی ہو گئی لیکن آپ کی زندگی محفوظ رہی۔ (اخبار الطوال ص ۲۱۷)

اس کے بعد آپ نے اپنے مخلص احباب واعزہ سے مشورہ کیا جن میں تایازاد بھائی سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے...... ان کی طرف سے صائب مشورہ آنے پر آپ نے اپنے برادر عزیز سیدنا حسین سے فرمایا:

''جانِ مادر! معاویہ سے مصالحت کا میں عزم کر چکا ہوں تم نے مخالفت کی تو تمہیں قید کر دوں گا۔'' (البدایہ ج۸: ص ۱۵۰)

ان معاملات سے فارغ ہو کر مصالحت کے لیے ایلچی ادھر ادھر آنے لگے حقوق کے تحفظ کی شرائط...... جن کا انہیں حق حاصل تھا...... کے علاوہ سب سے اہم شرط یہ تھی:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور خلفائے صالحین کی سیرت کے مطابق امور خلافت سرانجام دیں گے۔'' (فتح الباری ج ۱۳: ص ۵۳۔ بحار الانوار ج ۱۰: ص ۱۲۴)

شرائط طے پا جانے کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں واضح کیا کہ:

''عام مسلمانوں کی بہتری اور انہیں خونریزی سے بچانے کی غرض سے میں نے خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کیا ہے۔'' (اسد الغابہ ج ۲: ص ۱۴)

اور پھر مجمع میں برضا و رغبت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے اپنے پیارے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری کر دی اور یوں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پوری امت کے اجماع و اجتماع سے امت کے سربراہ قائد قرار پائے...... (رضی اللہ عنہ)

Marfat.com

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بطور خلیفہ

سیدنا حسن کی دستبرداری سے قبل شام کے علاوہ بھی متعدد خطوں پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہو چکی تھی......لیکن اب وہ مسلمہ اور اجتماعی خلیفہ تھے...... پوری امت نے متفقہ طور پر انہیں سر آنکھوں پر بٹھالیا۔

صحابہ کرام کے مخالف کیمپ کے اہم ترین مؤرخ الفخری کے مصنف کہتے ہیں:

> ''معاویہ دانش مند، حالات کے نبض شناس، صاحب علم وفراست، بردبار، اعلیٰ درجہ کے سیاست دان، بہترین منتظم اور فصیح اور بلیغ انسان تھے......نرمی وسختی کو برموقعہ استعمال کرنا انہیں آتا تھا۔ اس اعلیٰ کردار کی بدولت وہ عالم اسلام کے خلیفہ بننے میں کامیاب ہوئے۔ تمام مہاجرین وانصار نے آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا......امیر معاویہ اپنی دانش مندی اور زیرکی کی بدولت ہی عرب کے معروف اور شہرہ آفاق دانش مند (چار میں سے ایک) سیدنا عمرو بن العاص کو ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔'' (الفخری ص ۷۳، ۷۴، ۷۵ (تلخیص)

جس سال انہیں متفقہ خلیفہ منتخب کیا گیا اسے امت نے عامۃ الجماعت (جمعیت واتحاد کا سال) کا نام دیا۔ (فتح الباری ج ۱۳: ص ۵۳)

تمام حضرات بنو ہاشم نے برضا رغبت نہ صرف بیعت کی بلکہ سیدنا قثم بن عباس جیسے حضرات خراسان کے جہاد میں شریک ہو کر غزوہ سمرقند میں شہید بھی ہوئے اور آج اسی علاقہ میں ان کی قبر ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء ج ۳: ص ۲۹۲)

سیدنا عبد اللہ بن عباس جناب امیر معاویہ بن ابی سفیان الاموی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی دوسرے کو امور مملکت کے لائق نہیں دیکھا۔'' (تاریخ کبیر للبخاری ج ۴: ص ۳۲۷)

اور شیخ الصحابہ حضرت عبد اللہ عمر فرماتے ہیں:

Marfat.com

میں نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاویہ سے بڑھ کر امور مملکت کا ماہر نہیں دیکھا...... آپ سے کہا گیا...... کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان اور علی کو بھی؟ فرمایا اس میں شک نہیں کہ وہ سب حضرات معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل و بہتر تھے لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ جہاں بانی میں ان سے قابل تھے۔"

(البدایہ ج ۸: ص ۱۳۵)

اور ایسا ہی قول سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

(البدایہ ج ۸: ص ۱۳۵)

مسعودی نے "مروج الذہب" جلد ۲ ص ۷۶ میں دنیائے عرب کے چار میں سے ایک مدبر سیدنا عمرو بن العاص کی حضرت الامیر سے گفتگو نقل کی:

"انہوں نے کہا...... کہ میں عاجز آ گیا کہ یہ معلوم کرسکوں کہ آپ بہادر ہیں یا بزدل؟ کیونکہ آپ اقدام کرتے ہیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ بس اب قتل وقتال کا معاملہ لازم ہے اور پیچھے ہٹتے ہیں تو سوچتا ہوں کہ بس آپ نے راہ فرار اختیار کر لی۔"

جواباً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہر کام اس کے وقت پر کرتا ہوں اور اس میں کامیابی ہے۔

جہاں بانی اور امور مملکت میں آپ کی کامیابی کے جھنڈے چاروں طرف گڑے نظر آتے ہیں...... ایک نظر ان کے کارناموں پر!

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں واقعہ تحکیم کے بعد جو لوگ آپ سے الگ ہو گئے اور خارجی کہلائے، ان میں سے تین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاصؓ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی...... ایک بزرگ شہید ہو گئے دو محفوظ ہو گئے اب پھر انہوں نے پر پرزے نکالنے شروع کیے۔

انہیں کمک کوفہ سے مل رہی تھی۔ ۴۱ ھ میں گویا خلافت کے پہلے سال فروہ بن نوفل نامی خارجی سردار نے کوفہ کے قریب بغاوت علم بلند کیا۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اہل کوفہ کا علاج لازم تھا، انہیں آنکھیں دکھائی گئیں تو انہوں نے فروہ، پھر ان کے نائب عبداللہ بن ابی الحوسا کو قتل کر دیا اور یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہا، سردار بدلتے رہے اور شرارتیں ہوتی رہیں۔

Marfat.com

آپ نے تدبیر وحکمت سے اہل کوفہ کو از خود سمجھایا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ آپس میں الجھ کر مرنے لگے اور ان کی شورش ختم ہوگئی۔ (تفصیل ابن الاثیر ج ۳: ص ۲۱۲ تا ۲۱۷ (۲))

اہل بصرہ سبائی تحریک کا مرکز تھا۔ سیدنا حسن کی مصالحت کے بعد انہیں دھچکا لگا تو انہوں نے شرارتیں شروع کر دیں...... وہاں کے گورنر عبداللہ بن عامر ان کے نائب حارث بن عبداللہ ازدی...... کی نرمی بھی حالات بگاڑ رہے تھے۔ آخری ۴۵ھ میں وہاں زیاد بن ابی سفیان کو گورنر لگایا...... آپ کے بھائی...... وہ بے مثال خطیب اور قادر الکلام گورنر تھے...... انہوں نے ایک شاہکار خطبہ دیا۔ جو ادب عالیہ کا نمونہ تھا۔ پھر فوجی گشت کے ذریعہ چند ہی دن میں حالات رو بہ اصلاح کر دیئے اور ر ۵۰ھ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ کے انتقال کے بعد اور حضرت علی نے اپنے دور میں ۲۹ھ میں انہیں فارس کا گورنر مقرر کیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷: ص ۳۳۰)

اس کے علاوہ ۴۱ھ میں ہرات، بلخ کے علاقوں کی بغاوت میں سیدنا عبداللہ بن عامر اور سیدنا قیس بن ہیثم نے شاندار خدمات سرانجام دیں۔ کابل اور اس کے نواح کے علاقے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہو چکے تھے...... وہاں کی شورش حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے فرو کی اور شورش کے رفع ہونے کے بعد لشکر اسلام نے آگے بڑھ کر قریب کے بہت سے علاقے فتح کر لیے۔

بحری مہمات

بحری جہاد کے سلسلہ میں سرور عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیشین گوئی کی شکل میں جو سامنے آتے ہیں...... ان میں سے ایک پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے حوالہ سے گفتگو ہو چکی جس کے شرکاء کے لیے سیدنا محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جنت کے وجوب'' کی خوشخبری دی۔ (بخاری ج ۱: ص ۴۰۹)

اس لشکر میں سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے شمولیت کی کہ انہی کے گھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب آیا اور انہوں نے شمولیت کے لیے دعا کی درخواست کی...... وہ وہیں شہید ہوگئیں اور ان کی قبر قبرص میں ہے۔'' (اسد الغابہ ج ۵: ص ۵۷۵)

اس لشکر میں اکابر صحابہ...... سیدنا ابوذر غفاری، سیدنا ابوالدرداا ور سیدنا عبادہ بن صامت (حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے شوہر) جیسے حضرات شریک تھے...... جہاد میں

Marfat.com

شمولیت کا جذبہ ان اکابر میں وافر مقدار میں تھا اور پھر اس مہم کے لیے وجوب جنت کا نبوی ارشاد مزید ترغیب کا سبب تھا۔

اس پیشین گوئی کا پہلا حصہ یہی تھا؟ جس کی تکمیل دور عثمانی میں ہوئی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ امیر شام تھے اور اس بحری مہم کے منتظم اور قائد...... دوسرا حصہ ''مدینہ قیصر'' کے متعلق ہے جس کا ذکر بخاری جلد اص ۴۱۰ میں ہے...... اس میں:

> ''مدینہ قیصر پر سب سے پہلے اقدام کرنے والے لشکر کے لیے مغفور لہم (دربار الٰہی سے مغفرت کا پروانہ) کے الفاظ ہیں......'' (فتح الباری ج ۶: ص ۷۸، عینی ج ۱۴: ص ۱۹۸)

چونکہ اس مہم کے لیے نبی معصوم کی عظیم الشان پیشین گوئی تھی۔ اس لیے جلیل المرتبت صحابہ کی بڑی جماعت اس میں شریک ہوئی ان میں:

> ''سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا ابوایوب الانصاری (میزبان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اور سیدنا حسین بن علی جیسے حضرات شامل ہوئے یہ ۵۲ ھ کا قصہ ہے...... سیدنا ابوایوب انصاری نے اسی موقعہ پر انتقال فرمایا۔'' (کامل ابن اثیر ج ۳: ص ۲۲۷، حاشیہ بخاری ارشاد الساری ج ۵: ص ۱۰۴)

بخاری کے شارح حضرت علامہ عینی نے اس لشکر کا قائد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرزند...... امیر یزید کو بتلایا۔'' (عمدۃ القاری ج ۱۴: ص ۱۹۹)

اور یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھی۔ (فتح الباری ج ۶: ص ۷۸)

امام ذہبیؒ نے بھی اس کی تصریح کی۔ (تاریخ اسلام ج ۳: ص ۹۱)

مفسر و مؤرخ ابن کثیرؒ (ج ۸: ص ۱۵۱)

شیعہ مؤرخ جسٹس سید امیر علی (ص ۸۴)

اور گبن نے ''عروج و زوال رومتہ الکبریٰ'' میں یہی لکھا ہے۔ (ص ۲۸۶)

اور اس کی تصریح کی ہے...... الغرض شارحین حدیث اور مؤرخین کی ایک بڑی جماعت اس بات پر متفق ہے کہ یہ عظیم کارنامہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا اور اس کے قائد امیر یزید...... تھے اس لشکر کی امداد کے لیے مصر و شام سے بھی بحری دستے آئے۔

Marfat.com

مصری دستہ کے سر عسکر حضرت عقبہ بن عامر جہنی تھے، ایک دستہ کی قیادت حضرت فضالۃ بن عبید اور ایک کی قیادت حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی...... ہسٹری آف دی عزبز ص ۲۰۱ کے مطابق:

''اس معرکہ میں امیر لشکر یزید نے جس مہارت و جواں مردی کا مظاہرہ کیا۔ اس سے اسے ''فتی العرب'' (جوانانِ عرب میں سے ایک) کا لقب حاصل ہو گیا۔''

میزبان رسول سیدنا ابو ایوب الانصاری ۸۰ سال کے پیٹے میں تھے...... وہ ''مغفور لہم'' (مغفرت کا پروانہ) کی خوش خبری کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے شریک مہم ہوئے اور جنگ کے دوران علالت کے سبب انتقال فرما گئے...... انہوں نے امیر لشکر کو وصیت کی کہ دشمن کی سرزمین میں جتنا دور لے جا سکو مجھے دفن کرنا...... مسلمانوں سے میرا اسلام کہنا اور انہیں یہ حدیث سنا دینا:

''کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے بغیر مرنے والا جنتی ہے۔'' (البدایہ ج ۸: ص ۵۹)

حضرت ابو ایوب کو فصیل کے دامن میں لے جا کر دفن کیا گیا...... قیصر نے دیکھا تو اس نے کہا:

''ہم انہیں نکال کر پھینک دیں گے۔''

''اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں ہم نے انہیں جہاں دفن کیا تم دیکھ رہے ہو...... ان کی نعش کو نقصان پہنچایا تو ارض اسلام میں ایک گرجا سلامت نہ رہے گا اور سرزمین عرب میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا۔'' (العقد الفرید ج ۳: ص ۱۳۴)

اب توہین کون کرتا...... بلکہ العقد الفرید ج ۳: ص ۱۳۴ کی روایت ہے کہ:

''قیصر نے وہاں پہرہ لگوا دیا۔ مبادا کوئی جنونی نعش کی توہین کرے اور ہمیں اجتماعی طور پر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے...... حتیٰ کہ اس نے وہاں قبہ بنوا دیا...... یہ ہے:''

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

شہر قیصر کی اس مہم کے علاوہ بعض دوسرے یونانی جزیرے بھی فتح ہوئے جن میں ''روڈس، ارواڈ'' وغیرہ شامل ہیں اور خیر الدین زرکلی کے بقول:

Marfat.com

''آپ کے بحری دستے درہ دانیال میں داخل ہو گئے'' (الاعلام ج۸: ص۱۷۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف کے زمانہ میں قیصر نے مسلمانوں کے خلفشار کے سبب اسلامی سرحدات پر اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں تا کہ وقت سے فائدہ اٹھا سکے...... اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا:

''لعین! تو باز نہ آیا تو میں اپنے چچازاد علی رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے تجھ سے نمٹ لوں گا۔'' (البدایہ ج۸: ص۱۱۹)

شیعہ مؤرخ جسٹس امیر علی رقمطراز ہیں:

مجموعی طور پر معاویہ کے زمانہ میں ملک میں خوشحالی اور ہر طرح امن تھا اور خارجہ پالیسی بے حد کامیاب تھی''۔ (ص۸۲)

آپ نے مساجد کی تعمیر و ترقی، اوقاف کے انتظام اور رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے جس طرح کے انتظامات کئے اس کے لیے ایک دفتر مطلوب ہے۔ جس کی ان مختصر صفحات میں گنجائش نہیں......

غیر مسلموں کے حقوق کا کمال درجہ تحفظ کیا اور انہیں ہر طرح مطمئن رکھا۔ (فتوح البلدان ص۳۳۱)

زراعت کی ترقی کے لیے نہروں کا جال بچھایا۔ جس سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی...... اس سے گندم اور کھجوروں کے فصل خوب ہوئے۔'' (وفاء الوفاء ج۳: ص۲۳۷، ۱۱۷)

نئے شہر آپ نے بکثرت تعمیر کرائے اور نقل و حمل کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا۔ (الفخری ص۹۷)

آپ نے ایسا عدالتی نظام وضع کیا۔ جس کے نتیجہ میں لوگ بڑے اطمینان اور آرام سے اپنے معاملات طے کرا لیتے۔'' (ہسٹری آف دی عزیز ص۸۲)

عسکری نظام کے حوالہ سے بحری کیفیت تو سامنے آ گئی، بری حوالہ سے کوفہ اور شام کی چھاؤنیوں میں ۶۰، ۶۰ ہزار، بصرہ میں ۸۰ ہزار اور مصر میں ۴۰ ہزار کی فوج موجود تھی۔ (جرجی زیدان ج۱: ص۱۲۶)

جہاز سازی تو ہوئی، قلعے بھی آپ نے تعمیر کرائے۔ (فتوح البلدان ص۱۴۰)

واقعہ یہ ہے کہ نظم و انتظام کے اعتبار سے محکمہ جاتی تقسیم، مختلف شعبوں کی تنظیم کے حوالہ سے آپ کی حکومت ہر اعتبار سے ایک متمدن حکومت تھی۔ جس میں انتظامیہ اور عدلیہ کے صیغے بڑے منظم تھے، ٹکسال تھی، پارلیمنٹ تھی۔ (یوم الاسلام ص۶۶)

Marfat.com

وہ سب کچھ تھا جس کی ضرورت تھی...... علمی اعتبار سے آپ حدیث وتفسیر میں امتیازی مقام کے حامل تھے، خطابت ضرب المثل تھی......الفخری میں ہے:

"معاویہ ایک حکیم، فصیح اور بلیغ انسان تھے"

سیرت ومغازی سے آپ کو بہت دلچسپی تھی......اور تاریخ ماضیہ آپ کا من پسند موضوع...... نیز آپ نے دارالترجمہ قائم کر کے دوسری زبانوں کی کتابوں کے تراجم کا اہتمام کیا تاکہ دوسری اقوام کے علوم وفنون سے فائدہ اٹھایا جا سکے"۔ (معاویہؓ از ابوالنصر ص ۱۵۱)

ولی عہدی کی بحث

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان الاموی القرشی رضی اللہ عنہما کے متعلق ہی نہیں...... جناب ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم سمیت اکابر صحابہ تک کے خلاف گز بھر لمبی زبانیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اس لیے ایک صحیح الفطرت اور سلیم الطبع سنی ان تمام خرافات سے دامن بچا کر صحابہ کو عادل، راشد اور مومن قانت سمجھتا، ان کے معاملہ میں بدتمیزی و بے راہ روی کے ہر رویہ سے اپنے آپ کو بچاتا ہے......اس اصولی گفتگو کے بعد ضرورت نہیں رہتی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کی ولی عہدی کے مسئلہ پر بحث کی جائے...... وہ صحابی تھے......فقیہہ ومجتہد...... عادل وراشد......اور جب انہوں نے یہ کام کیا تو لاتعداد صحابہ موجود تھے، ان کے مشورہ سے یہ کام ہوا، ان کی رضامندی شامل تھی...... وہ اپنی مرضی سے پسند نہ کرتے تو جناب معاویہ کے پاس کوئی قوت نہ تھی کہ انہیں زبردستی منوا لیتے...... جن حضرات کے ایمان واسلام اور دینی غیرت کے سامنے قیصر وکسریٰ کی حکومتیں دم توڑ گئیں اور جنہیں ان سپر طاقتوں کی اسلحی طاقت دبا نہ سکی...... وہ اب کس سے دبتے......اس لیے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ کام باہمی مشورہ اور وسیع تر مصالح کے تحت ہوا......تاہم اس پر مختصراً گفتگو مناسب ہے۔

الف: پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اقدام سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ...... گورنر کوفہ کی رائے سے ہوا......انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ سیدنا مغیرہ پر ایک تہمت لگا رہے ہیں...... کہنے والے کہتے ہیں کہ جناب مغیرہ کے کان میں بھنک پڑ گئی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں معزول کرنے والے ہیں تو انہوں نے گویا سیاسی رشوت کے طور پر یہ مہم شروع کر دی...... صحابہ کی ذوات

Marfat.com

مقدسہ کے متعلق گفتگو سے قبل آدمی کو ذرا احساس کر لینا چاہیے...... ویسے تاریخی حقیقت یہ ہے کہ سیدنا مغیرہ کی وفات ۵۱ ھ میں ہوئی جب کہ یزید کی ولی عہدی کا معاملہ ۵۶ھ میں سامنے آیا۔ (المعارف لابن قتیبہ ص ۲۹۵)

''سیدنا مغیرہ نے خود ایک مرتبہ اپنے بڑھاپے کے سبب مستعفی ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن سیدنا امیر معاویہ نہ مانے'' (طبری ج ۵: ص ۳۳۱)

اس لیے سیدنا مغیرہ کی بات تو ویسے ہی غلط قرار پاتی ہے۔

ب: پھر اس تحریک کا محرک کون تھا......؟......اس کا جواب مشکل ہے کہ روایات میں اس قدر الجھاؤ ہے کہ پناہ بخدا...... لیکن یہ طے ہے کہ تحریک سامنے آئی ...... خود آپ نے سوچا یا کسی طرف سے سامنے آئی ...... لیکن آپ نے اس کو امت کے سر پر مسلط نہیں کیا۔ بلکہ بھر پور مشاورت کا اہتمام کیا...... جو سب سے پہلے مرکز اسلام مدینہ منورہ کے گورنر سیدنا مروان بن الحکم کو اس ضمن میں لکھا...... کہ آپ کے نزدیک مدینہ کے حضرات کا اتفاق سب سے بڑھ کر ضروری تھا...... اس اجتماع میں محض سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھے جنہوں نے کوئی چبھتی ہوئی بات کی جسے گورنر نے شدت سے محسوس کیا اور حضرت عبدالرحمٰن خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے۔ (بخاری ج ۲: ص ۲۱۵)

اس کے بعد آپ نے خود دمشق سے مدینہ کا سفر کیا اور ارباب حل وعقد کے سامنے حالات رکھ کر اس تجویز پر گفتگو کی ...... اس طرح ہر جگہ کے ذمہ دار حضرات کے پاس پیغام بھیج کر بھر پور مشورہ کی تلقین کی اور اتنے اہتمام کے بعد معاملہ منطقی انجام کو پہنچا۔

مؤرخ ومفسرین ابن کثیرؒ متعلقہ سال کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''تمام شہروں سے وفود آئے اور انہوں نے بلا اختلاف اس تجویز کی حمایت کی'' (البدایہ ج ۸: ص ۸۰)

ج: تیسری بات یہ ہے کہ خلیفہ کی نامزدگی کوئی جرم نہیں سابقہ خلفاء کے طرز عمل کو دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ تمام خلفاء کا تقرر الگ طریقوں سے ہوا۔ کوئی طے شدہ ضابطہ نہیں...... بس اہلیت شرط ہے اور امت کے ذمہ دار افراد کوئی بھی طریقہ اختیار کر کے خلیفہ کو مقرر کر سکتے ہیں...... ہاں بعد میں خلیفہ کے لیے لازم ہے کہ وہ اعتماد کا ووٹ حاصل کرے۔ خلفائے اسلام میں سیدنا

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تقرر بالکل ہنگامی طور پر ہوا...... حضرات انصار...... ایک اہل انصاری ایک مہاجر...... کی رائے ظاہر کر رہے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جناب ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اور پھر سب نے کر لی۔ (العواصم من القواصم ص ۴۰)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا:

''میں تم پر عمر الخطاب کو خلیفہ بناتا ہوں'' (الامامت والسیاستہ ج ا، ص ۱۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھ حضرات کو خلیفہ کی تقرری کی ذمہ داری سونپی۔ (العواصم ص ۱۹۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن بعد ایک طبقہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے ذمہ داری سونپی۔ (الامامت والسیاست ج ا: ص ۴۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد بعض روایات کے مطابق ان کی رائے سے سیدنا حسن کو خلیفہ بنایا گیا...... حالات کے جبر نے سیدنا حسن کو آگے بڑھنے پر مجبور بھی کیا اور پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے نتیجہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوگئی...... یہ بھی تو ایک طرح کی نامزدگی ہی ہے...... یہ الگ بات ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ بعد میں اعتماد کا ووٹ سب نے لیا...... اس صورت حال کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سوچ کے حوالہ سے یا اکابر صحابہ کی تحریک پر اپنے فرزند کی بات کی تو جرم نہیں...... بالخصوص جب ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اس کے لیے بعض اہم مقامات کا خود دورہ کیا اور دوسرے مقامات پر گرامی نامے بھیج کر مشورہ کیا اور یوں بھرپور مشاورت کے بعد اس کا اعلان ہوا...... پھر یہ بھی ہے کہ ان کی وفات کے بعد یزید نے حکومت سنبھالی تو لوگوں نے پورے اتفاق سے بیعت کی...... اختلاف نظر آتا ہے تو محض دو بزرگوں سیدنا حسین اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا...... ان میں سے سیدنا حسین بھی چندے بعد بیعت کے لیے آمادہ ہو گئے۔ (البدایہ ج ۸: ص ۷۰، طبری ج ۶: ص ۲۳۵، الشافی ص ۴۷۱ مطبوعہ ایران)

اس تفصیل کے بعد یہ کہنا کہ یزید کی خلافت کے لیے بہت اختلاف تھا حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

د: یزید کی اہلیت کے متعلق ''مدینہ قیصر'' کی بحری لڑائی میں اس کا قائدانہ کردار ہی کافی ہے جب کہ وہ ۵۱ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں امیر حج ہو کر خطبہ پڑھتا نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حج کے مقدس

Marfat.com

موقع پر بھی اخیار و صالحین امت موجود تھے...... بحری مہم کے دور میں اسے ''فتی العرب'' کا لقب عوام نے دیا۔ (ہسٹری آف دی عربز از ہٹی ص ۲۰۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس جیسے بزرگ صحابی اور بنو ہاشم کے چشم و چراغ فرماتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے صالحین میں سے ہے۔ (کتاب الانساب بلاذری جز رابع قسم ثانی ص ۴)

آپ نے ایک علمی مجلس میں...... جس میں یزید بھی موجود تھے اور وہ اٹھ کر چلے گئے تو...... فرمایا:

''بنو حرب (خاندان یزید) کے چلے جانے سے علم اٹھ جائے گا۔'' (البدایہ ج ۸: ص ۲۲۸)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر ترجمان القرآن، جرامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وہ ایک پہاڑ تھے جو ہلے اور سینہ کے بل آرہے...... یہ واقعہ ہے کہ وہ پہلے جیسوں نہ تھے لیکن ان کے بعد ان جیسا کہاں...... واللہ ان کا بیٹا ان کے گھرانے میں بہترین فرد ہے۔'' (الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۱۳)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فرزند گرامی اور سیدنا حسین کے برادر محترم حضرت محمد بن حنیفہ فرماتے ہیں...... یہ اس وقت فرمایا جب ایک مخصوص طبقہ نے یزید کی کردارکشی کی مہم شروع کی:

''جو تم کہتے ہو میں نے وہ باتیں یزید میں نہیں دیکھیں میں اس کے پاس گیا ایک عرصہ اس کے پاس مقیم رہا...... میں نے اسے نماز کا پابند، نیکی کا متلاشی اور مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنت رسول پر پابندی سے عمل کرنے والا پایا۔'' (البدایہ ج ۸: ص ۲۳۳، تاریخ اسلام ذہبیؒ ج ۳: ص ۹۳)

اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت یزید کے مقابلہ میں بہت سے نیک اور اچھے حضرات موجود تھے تو اس کا انکار نہیں کیونکہ بسا اوقات ایک بہت ہی نیک اور صالح انسان...... اجتماعی امور سے نہ دلچسپی رکھتا ہے نہ اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے...... نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیل المرتبت صحابی حضرت ابوذر غفاری کو فرمایا:

Marfat.com

''ابوذر! میں تمہیں کمزور شخص دیکھتا ہوں...... اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے۔ تو یہ ذمہ داری قبول نہ کرنا اور یتیم کے مال کا والئی نہ بننا'' (تاریخ الاسلام ذہبیؒ ج ۲: ص ۱۱۱)

اس لیے فاضل اور متقی کے مقابلہ میں کم متقی اور مفضول کی امامت پر تمام آئمہ حدیث وفقہ کا اتفاق ہے۔ (احکام السلطانیہ ماوردی ص ۵)

اس لیے اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں...... اس ضمن میں قرآن کریم کی ایک آیت سے رہنمائی میسر آتی ہے...... یعنی البقرہ کی آیت ۱۲۴...... پہلے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا۔ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) بے شک میں تمہیں سب لوگ کا پیشوا بنا دوں گا...... کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) اور میری اولاد میں سے بھی (پیشوا ہوں گے)...... فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا......'' (ترجمہ مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ)

اس آیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیشوائی و امامت کا ذکر ہے...... جس پر انہوں نے اس پیشوائی و امامت کے اپنی اولاد میں جاری و قائم رہنے کی بابت پوچھا...... جس کا مفہوم یہ ہے کہ باپ کے بعد بیٹا اصولی طور پر اس منصب کا اہل ہوتا ہے...... اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ان کے بعد دونوں صاحبزادے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام و سیدنا اسحٰق علیہ السلام کے صاحبزادے سیدنا یعقوب علیہ السلام اور بعد ازاں ان کے فرزند سیدنا یوسف علیہ السلام...... یکے بعد دیگرے امام پیشوا اور نبی و رسول قرار پائے...... ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے اصولی جواب دیا:

''میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔''

جس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کا اس منصب پر فائز ہونا نہ مطلقاً نادرست ہے اور نہ مطلقاً درست...... بلکہ اس کا دارومدار اہلیت و صلاحیت پر ہے...... اور ہم سابقہ سطور میں عرض کر چکے ہیں کہ یزید (فرزند معاویہ) بہر حال ایسے نہ تھے جیسا کہ انہیں مشہور کیا گیا...... وہ صحابہ کے دور زریں میں امیر البحر قرار پائے...... تین سال امیر الحج قرار پائے...... ان کے متعلق کئی ایک اکابر صحابہ نے اس کی دینداری، اتباع سنت، نماز کے اہتمام اور بہادری و جواں مردی کی شہادت دی اور گواہی دی۔

Marfat.com

اس کے بعد جولوگ حقیقی معنی میں ''اہلسنت والجماعت'' ہیں اور اہل سنت و جماعت ہونے کا حق ادا کرتے ہیں اور اس نسبت سے صحابہ کرام کو معیار حق وصداقت قرار دیتے ہیں...... ان کے لیے تو کوئی اعتراض کی بات نہیں...... باقی جو صحابہ کے ایمان کے منکر ہیں...... قرآن عزیز کو غیر محفوظ کتاب گردانتے ہیں...... امامت کا فرضی تصور مان کر ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں...... نہ وہ ہمارے مخاطب ہیں نہ ان سے بات کرنا مقصود ہے، ان کے لیے تو دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ مقلب القلوب ان کے دل پھیر دے اور انہیں ہدایت سے سرفراز فرمائے۔

مؤرخ ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کے امام بھی ہیں اور بہت ہی دقیق نظر کے حامل ہیں...... وہ فرماتے ہیں:

''جناب معاویہ کا اپنے بیٹے کو مسند خلافت پر بٹھانا حالات کا لازمی تقاضا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو دوسرے کو کوئی مانتا نہیں اور ملت اسلامیہ جس طرح اختلاف کا شکار ہو کر ختم ہو جاتی، وہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔'' (مقدمہ ص ۲۴۱)

اور دور قریب کے نامور مفکر و مؤرخ الشیخ الخضری فرماتے ہیں:

''یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنو امیہ میں رکھنا اصلاح امت کے لیے ناگزیر تھا تا کہ امت فتنہ وفساد اور خون خرابہ کا شکار ہونے سے بچ جائے کہ حلقہ انتخاب بڑھنے کے ساتھ امیدوار زیادہ ہو جاتے ہیں اور امیدواروں کی کثرت سے اختلافات لابدی امر ہے۔'' (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۴: ص ۵۰۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ علیہ آخرت کے سفر پر

۵۶ ھ میں یزید کی ولی عہدی طے ہوگئی...... ۶۰ ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر ۷۸ برس ہوگئی...... اچانک طبیعت ناساز ہوگئی...... علاج ہوا لیکن کارگر نہ ہوا۔ آخر ۲۱ رجب ۶۰ ھ (اپریل ۶۸۰ ء) کو آپ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے...... امیر یزید دارالخلافہ سے باہر تھے ان کے لیے وصیت نامہ لکھوایا اور حضرت ضحاک بن قیس الفہری اور مسلم بن عقبہ کے ذمہ لگایا کہ وہ اس وصیت نامہ کو یزید تک پہنچائیں۔'' (طبری ج ۶: ص ۱۷۹، ۱۸۰)

Marfat.com

اس وصیت نامہ کو البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۹، ۲۳۰ پر مفسر و مؤرخ ابن کثیرؒ نے تفصیل سے نقل کیا...... اس میں آپ نے یزید کو اللہ تعالیٰ کے ڈر اور امور خلافت کو احسن طریق سے چلانے کی تلقین کی...... لوگوں کے حقوق کے تحفظ کی طرف توجہ دلائی۔ اہل مکہ و اہل مدینہ کے ساتھ بطور خاص حسن سلوک کا حکم دیا، خوشامدی عناصر اور چغل خوروں سے بچنے کی تلقین کی کہ یہ سب سے بڑھ کر بدترین ہوتے ہیں۔

آپ نے اپنا آدھا مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت کی۔ (ابن الاثیر ج ۲: ص ۲۶۰)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی لازوال محبت کی نشانی کے طور پر آپ کی مرحمت کردہ قمیص کے لیے وصیت کی کہ اس میں مجھے کفن دیا جائے اور آپ کے تراشیدہ بال و ناخن جو میرے پاس ہیں۔ وہ میری آنکھوں اور منہ میں بھر دینا۔

''کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل و برکت میں مجھے بخش دے۔''

(طبری جلد ۶ ص ۱۸۲)

صحابیت کا شرف انہیں حاصل ہے...... کتاب وحی کا فخر انہیں حاصل ہے...... بری اور بحری جنگوں میں انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور ۲۴ سال بطور گورنر اور ۱۹ سال چند ماہ بطور خلیفہ امت کی خدمت انہوں نے کی...... اس کے باوجود ان پر ایک خوف طاری ہے...... سچ ہے:

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

جو شخص معرفت الٰہی کی نعمت سے جس قدر سرفراز ہوتا ہے...... اسی قدر خوف ربانی سے وہ معمور ہوتا ہے...... نبی خاتم و معصوم نے اس کو ایمان کی نشانی سے وہ معمور ہوتا ہے...... نبی خاتم و معصوم نے اس کو ایمان کی نشانی قرار دیا اور خود آپ نے اپنے لیے فرمایا:

''کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و زعفران کی چادر مجھے اپنی لپیٹ میں لے گی تو میرا کام بنے گا''

''اور یہی رویہ آپ کے تربیت یافتہ احباب کا تھا۔ معاویہ انہی میں سے تھے، اس لیے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور آپ کے بال و ناخن کی برکت سے مغفرت کی امید کر رہے ہیں۔'' وارضاہ!

***

Marfat.com

حواشی

۱۔ قرآن مجید نے اختلاف وانشقاق کو کافرانہ طرز عمل ہی قرار دیا۔ (آل عمران: ۱۰۶۔۱۰۵)

۲۔ اس سلسلہ میں فن حدیث کے حوالہ سے مستند کتب کا مطالعہ ضروری ہے یہاں تفصیلات کا موقعہ نہیں۔ (مترجم)

۳۔ مسلم ج ۴: ص ۱۰۰ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷ء۔ اس نسخہ کی تحقیق وتعلیق کرنے والے دو بزرگ الاستاذ الدکتور موسیٰ شاہین اور دکتور احمد عمر ہاشم جامعہ قطر اور جامعہ ازہر میں مدرس حدیث ہیں۔ ان کے بقول اس سے مراد اہل اسلام کا غلبہ ہے کہ بارہ خلفاء تک جو سب قریشی ہوں گے اسلام اور اہل اسلام غالب ہوں گے۔ (مترجم)

۴۔ بخاری جلد ۴: ص ۱۰۷، ص ۱۰۷ جلد ۴ مطبوعہ دار القلم بیروت ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷۔

۵۔ بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ٹھیک انہی ایام میں ہوا۔ (مترجم)

۶۔ سیدنا الامام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ان دونوں حضرات کی فطرت کو فطرت انبیاء کے مشابہ قرار دیا۔ (مترجم)

۷۔ سیرۃ ابن اسحاق ج ۱: ص ۲۶۹، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲: ص ۱۶۴۔

۸۔ بخاری ج ۷: ص ۱۷، مسلم ج ۴: ص ۱۸۵۵۔

۹۔ ترمذی ج ۵: ص ۷۰۷۔

۱۰۔ مجمع الزوائد ج ۹: ص ۴۴۔

۱۱۔ بخاری ج ۷: ص ۲۲۷

۱۲۔ الطبرانی (معجم کبیر) ج ۱۱: ص ۱۹۱

۱۳۔ ترمذی

۱۴۔ ترمذی روایت ۳۶۶۱

۱۵۔ بخاری ج ۱۰: ص ۲۵۴ مسلم ج ۳: ص ۱۶۵۱

۱۶۔ بخاری ج ۷: ص ۴۹ مع فتح الباری

۱۷۔ ابونعیم فی الحلیۃ ج ۱: ص ۳۱

Marfat.com

۱۸۔ غزوہ تبوک (یوم العسرہ) کے موقعہ کا یہ واقعہ ہے۔ (مترجم)

۱۹۔ مسلم ج ۲: ص ۲۱۳

۲۰۔ آل عمران: ۱۴۴ (ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد)

۲۱۔ بخاری ج ۷: ص ۱۸

۲۲۔ بخاری ج ۷: ص ۱۸

۲۳۔ شہید المحراب ص ۴۷

۲۴۔ ترمذی ج ۵: ص ۶۱۷

۲۵۔

۲۶۔ گویا ایسے حالات میں حد ساقط کی جاسکتی ہے اس موضوع پر احقر کا ایک مقالہ زیر ترتیب ہے۔ (مترجم)

۲۷۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی کون ہے؟ سیدہ زینب اور سیدہ رقیہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا رضوانہ بالترتیب پہلی اور دوسری صاحبزادی ہیں، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ کا معاملہ مختلف فیہ ہے، مشہور یہی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی ہیں لیکن بعض معتبر ترین روایات یہ ہیں کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی ہیں واللہ اعلم۔ (مترجم)

۲۸۔ فضائل صحابہ از امام احمد بن حنبل ص ۵۲۰

۲۹۔ یاد رہے کہ غزوۂ احد کے متعلق سورۂ آل عمران میں بہت تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے لگ بھگ ۵ رکوع ایسے ہیں جن میں یہ مضامین ہیں، آیت ۱۵۵ انہیں میں شامل ہے، اس سے قبل آیت ۱۵۲ میں بھی یہ الفاظ ہیں اور وہ (اللہ تعالیٰ) تم کو معاف کر چکا اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، ایمان والوں پر ''رب العزت'' کے ان صریح و واضح ارشادات عفو و درگزر کے بعد کسی متجدد کو صحابہ کرام علیہم الرضوان پر زبان تشنیع دراز کرنے کا حق نہیں، افسوس کہ موجودہ مصر کے سید قطب اور پاکستان کے سید مودودی نے بہت ہی افسوسناک رویہ اختیار کر کے صحابہ کرام علیہم الرضوان بالخصوص امام عادل و راشد اور خلیفہ مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر شدید تنقید کی ...... یہ حضرات ایسا کرتے ہوئے ان تمام قرآنی ہدایات اور ارشادات رسالت کو بھول گئے، جن میں صحابہ کی عزت و توقیر کا ذکر ہے اور ان پر حرف گیری سے روکا گیا ہے...... مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ ''مقام صحابہ کرام'' اس ضمن میں ضرور ملاحظہ کرنا چاہیے۔ (مترجم)

Marfat.com

۳۰ عشرہ مبشرہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہم جوار الٰہی میں جا چکے تھے، چوتھے سیدنا فاروقؓ تھے اور اب یہی چھ حضرات بقید حیات تھے...... رضی اللہ عنہم (مترجم)

۳۱: الکہف: ۴۵، ۴۶ ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ

۳۲: سیدنا علی رضی اللہ عنہ تنہا بزرگ تھے جنہوں نے اپنی مجتہدانہ رائے سے جناب عبید اللہ کے قتل کا فتویٰ دیا لیکن سب حضرات نے اس رائے پر تعجب وحیرت کا اظہار کیا کہ سیدنا فاروق کی شہادت کا صدمہ ان مکار اور فریبی مجوسیوں اور عیسائیوں کے قتل سے کروڑوں گنا بڑھ کر تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس رائے کی توجیہ مشکل سے سمجھ میں آنے والی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مترجم)

۳۳ اہل کوفہ کی داستان بڑی المناک ہے، ان لوگوں نے معرکہ ہائے قتال میں سرگرمی کا جہاں مظاہرہ کیا وہاں سیدنا سعید بن ابی وقاص جیسے جلیل المرتبت عشرہ مبشرہ کے صحابی سے لے کر حضرت ولید جیسے نوجوان لیکن عبقری اسلام صحابی تک کو پریشان کئے رکھا۔ حتیٰ کہ حضرت فاروق اور حضرت عثمانؓ کو بار بار وہاں کے امیر تبدیل کرنا پڑے۔ حضرات ولید کے خلاف جھوٹی شکایات کا طومار تھا بادل نخواستہ حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول کر دیا۔ مولانا مودودی اور سید قطب جیسے حضرت نے ان کی معزولی کے خلاف جو داستانیں سپرد قلم کی ہیں وہ نہ صرف شرمناک ہیں بلکہ امت مسلمہ کی نہایت درجہ تابناک تاریخ کو داغ دار کرنے کی بھی افسوس ناک روش ہے۔ ان علمبرداران دین نے وہ کام کر دکھایا جو بدترین دشمن بھی نہ کر سکے۔

اس معاملہ میں بزرگ اور محقق عالم مولانا محمد اسحٰق صدیقی کی کتاب ''اظہار حقیقت'' سید نور الحسن بخاری کی ''عادلانہ دفاع'' اور مرحوم محمود احمد عباسی کی حقیقت خلافت وملوکیت ملاحظہ کی جائیں۔

۳۴ صلوٰۃ خوف کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ النساء آیات ۱۰۱ تا ۱۰۲ میں آیا، جنگ کی شدت کے دوران لشکر اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کے ساتھ اس طرح نماز ادا کرتا ہے کہ پہلے ایک حصہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتا ہے اور دوسرا حصہ دشمن کے مدمقابل رہتا ہے۔ ایک رکعت کی تکمیل کے ساتھ وہ حصہ دشمن کے مدمقابل چلا جاتا ہے اور دوسرا آ کر امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اس طرح امام کی دو رکعت مکمل ہو جاتی ہیں تو دونوں حصوں کی ایک ایک جسے وہ بعد میں مکمل کر لیتے ہیں۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں۔ (مترجم)

۳۵ اہل بیت کے حوالہ سے اسی ادارہ کی شائع کردہ کتاب اور اس پر مترجم کا مقدمہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

۳۶ شرعی سفر...... ۴۸ میل انگریزی کا سفر ہو اور ۱۵ دن سے کم قیام کا ارادہ ہو فرض نمازیں ۴ کے بجائے ۲ پڑھنا لازم ہے۔ (مترجم) 48

Marfat.com

۳۷ء تفصیل جواب العواصم من القواصم ص ۹۰ پر ملاحظہ فرمائیں (مترجم)

۳۸ء مزید تفصیلات کے لیے العواصم من القواصم ص ۱۰۶ ملاحظہ فرمائیں۔ (مترجم)

۳۹ء

۴۰ء خاندان قریش کی ایک اہم شاخ بنو ہاشم تھی۔ جس میں کائنات انسانی کے سبب سے بلند مرتبت، انسان، امام الانبیاء خاتم الرسل والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ...... لیکن اس قبیلہ کے جملہ افراد کے متعلق ایسے ایسے افسانے گھڑے گئے کہ توبہ بھلی ...... چند سال قبل کراچی سے ''ابولہب'' نامی ایک کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ''سورہ ابی لہب'' میں جس ابولہب کا ذکر ہے وہ حضور اقدس کا چچا نہیں کوئی اور شخصیت تھی۔ گویا بنو ہاشم کے خاندان نبوت ہونے کی وجہ سے اس خاندان کا ہر فرد پارسا ہے۔ حالانکہ یہ بات سو فیصد غلط ہے ...... سیدنا نوح علیہ السلام کا بیٹا اور بیوی۔ سیدنا لوط علیہ اسلام کی بیوی اور سیدنا ابراہیم کا والد (علیہم السلام) وہ قرآنی حقائق ہیں جو خاندانی بتوں کو توڑتے ہیں ...... اب اگر ابولہب کا فرقرار پاتا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو اس سے محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ردائے مقدس پر کوئی حرف نہیں آتا ...... اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کا معاملہ ہے ...... آپ متن کتاب میں اس کا صریح کفر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ لیکن پاکستان میں ایک ضخیم کتاب اس کی منقبت میں چھپی اور اسے مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ...... جو دھاندلی کی بدترین مثال ہے اور بڑے بڑے سنی واعظ و علماء غایت درجہ ادب سے اس کا نام لینا تو ایمانی تقاضا ہی خیال کرتے ہیں ...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ جلیل المرتبت صحابی ہیں ...... ان کے خاندان میں بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے لیکن اس خاندان کے حوالہ سے دیومالائی داستانوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو ختم ہونے کو نہیں آتا ...... اس سے اچھے اچھے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں ...... خود اس سلسلہ کی کتابوں میں اس سلسلہ کے مؤلف کی اس چوتھی کتاب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ترجیحات غیر شعوری طور پر مؤلف کے قلم سے ٹپکتی نظر آئیں گی ...... گویا تمام غزوات اور جنگوں کی فتح ہے تو انہیں کے صدقہ اور علم و فقاہت کا منبع ہے تو انہی کی ذات ...... حالانکہ راہ حق میں ایثار و قربانی بدروالی داستانیں صحابہ کرام کے وجود سے سامنے آئیں اور علم و فقاہت کے حوالہ سے بڑے بڑے۔ ''جبال العلم'' ہمارا سرمایہ فخر ہیں ''نہج البلاغہ'' ایک ذہن رافضی کی کارستانی ہے اسے چوتھے خلیفہ راشد کے کھاتہ میں ڈالنا باعث تعجب ہے ...... یاحسرتا ...... (مترجم)

Marfat.com

۴۱۔ اس واقعہ کی بنیاد ایک وضعی، جعلی اور من گھڑت حدیث ہے...... ایسے ہی جیسے ہمارے ذخیرہ احادیث میں بہت سی غلط روایات عجمی سازش کے سبب داخل ہوگئیں، ہمارے جلیل المرتبت محدثین نے بڑی محنت سے صحیح وغلط کا تجزیہ کیا ہے...... اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے...... یہ وضعی روایت اس قسم کی ہے کہ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر اپنی بیویوں کی موجودگی میں فرمایا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ''حواًب'' نامی مقام پر اس پر کتے بھونکیں گے'' بصرہ کے سفر پر جاتے ہوئے ایک جگہ حضرت عائشہؓ پر کتے بھونکے تو وہ چونکیں اور پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے لوگوں نے کہا ''حواًب'' اس پر انہیں حضور اقدس کی بات یاد آ گئی اور انہوں نے واپسی کی ٹھان لی لیکن ہم نے عرض کیا کہ یہ روایت محض جھوٹی ہے اور سیدہ عائشہ جیسی پاکباز و پاک خصلت امت کی ماں رسول محترم کی چہیتی بیوی کے خلاف ایرانی مجوسیوں اور مدینہ ویمن کے یہودیوں کی مشترکہ سازش کی کڑی...... اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی سازش سے بچائے نہ ایسی بات نبی مکرم نے فرمائی، نہ کہیں کتے بھونکے نہ حضرت عائشہ نے واپسی کی بات کی۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ سیدہ کا مقام ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ (مترجم)

۴۲۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں مختلف علاقوں کی مبینہ شکایات کی تحقیق کے لیے حضرت عمار بن یاسرؓ مصر گئے...... لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ واپس نہ آ سکے...... شرپسند مصریوں نے انہیں وہیں شہید کر دیا لیکن مخصوص ذہنیت کے مالک مؤرخین نے انہیں صفین میں حضرت علیؓ کے کیمپ میں لا کھڑا کیا اور حضرت کے لڑتے ہوئے جناب معاویہؓ کے رفقا کے ہاتھوں ان کے قتل کا افسانہ گھڑا۔ ایک روایت کی بنا پر ثابت کرنا چاہا کہ معاویہؓ اور علیؓ میں حق آخر الذکر کے ساتھ تھا...... حالانکہ یہ محض تاریخی گپ ہے وہ مصر میں شہید ہوئے اس جنگ میں موجود نہ تھے۔ باقی علیؓ و معاویہؓ میں سے دونوں بزرگ صحابی اور مجتہد تھے ان میں سے کسی کی طرف خطاو غلطی کی نسبت بدبختی کی دلیل ہے اور مقام صحابیت سے ناواقفیت اور نسلی تعصب کا شاخسانہ اللہ اس سے بچائے (مترجم)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے انہوں نے ایک زرہ کا بتلایا جو آپ نے فروخت کرنے کا حکم دیا انہوں نے وہ زرہ ۴۸۰ درہم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کی بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے از رہ مروت زرہ واپس کر دی، اس رقم میں سے حق مہر ادا ہوا...... اب تک

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مقیم تھے اب نئے گھر کا سوال تھا۔ ایک انصاری صحابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں اپنا ایک گھر دے دیا اور جناب علی رضی اللہ عنہ نے ضروری سامان بنایا، جسے یاروں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز بنا ڈالا، حالانکہ قدیم عربی سرمایہ میں اس جہیز کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں اور نہ یہ رسول اکرم سے ثابت ہے کسی اور صحابی یا آپ کی کسی اہلیہ کے حوالہ سے دور دور تک اس کا پتہ نہیں چلتا، یہ غیروں بالخصوص ہندو معاشرہ کا ہمارے لیے ایک مکروہ تحفہ ہے جو آج معاشرتی حوالہ سے سر دردی کا باعث بنا ہوا ہے۔ (مترجم) ۵۱

Marfat.com

رضوان اللہ اجمعین

خلفائے راشدین

حسنِ کردار و عمل

الشیخ خالد البیطار

مترجم: مولانا سعید الرحمٰن علوی

Marfat.com